

فروری 2018

پہناتہ  
کرن



کرن کلاسٹر خان





## سعدیہ خان سے ملاقات

شاہین رشید



سعدیہ خان کو آپ زیادہ تر ٹاؤنگ، مکرمل ٹاؤنگ اور میگزین ماڈلنگ میں دیکھتے ہیں۔ لان کے پر اشتہار میں یہ نظر آ رہی ہوتی ہیں۔ اب کچھ بھی نہیں آ کرکون کی لان زیادہ اچھی ہے۔ خیر سعدیہ خان کو آج کل آپ ڈرامہ سیریل ”شاہید“ میں دیکھ رہے ہیں۔ سعدیہ ڈراموں میں کم کام کرتی ہیں، مگر بہت دل و جان کے ساتھ۔

☆ ”کیا مال ہیں سعدیہ؟“  
☆ ”جی اللہ کا شکر ہے۔“  
☆ ”شاہید“ میں بہت اچھا یہ فارم کر رہی ہیں۔

اس سیریل کے لیے آپ کا انتخاب کیسے ہوا؟  
☆ ”کچھ خاص پروڈیجر کے تحت انتخاب نہیں ہوا، مجھے بلایا گیا اور کہا گیا کہ یہ فائزہ انکار صاحبہ کا اسکرپٹ ہے آپ پڑھیں۔ میں نے پڑھا تو مجھے ان کی تحریر بہت پسند آئی اور جو کردار مجھے کرنے کو کہا گیا وہ بھی مجھے بہت پسند آیا اور میں کام کرنے پہ راضی ہو گئی۔“

☆ ”اب تو اس سیریل کی کافی اشاعت ہو چکی ہیں۔ پھر بھی اس کی کاپی یا اپنے کردار کے بارے میں کچھ بتاؤ؟“

☆ ”اس سیریل میں مجھے ایک ایسی لڑکی دکھائی گیا ہے جو اپنی عمر سے بڑے لڑکے سے شادی کی خواہش مند ہے اور یہ خواہش اس کو کتنی پہنچ پڑتی ہے یہ آپ کو ڈرامہ دیکھ کر ہی پتا چلے گا کہ اسے یہ خواہش دلائل میں ملے گی ہے۔“

☆ ”کیا ریپسٹل رہا ہے؟“  
☆ ”بے حد اچھا۔۔۔ میرے دیگر ڈراموں کی طرح اسے بھی بہت پسند کیا جا رہا ہے۔ بہت اچھا ریپسٹل رہا ہے اور میں اپنے آپ کو بہت کئی عرصوں کر رہی ہوں کہ مجھے اس سیریل میں کام کرنے کا موقع ملا۔“

☆ ”ڈائریکٹر اور پروڈیوسر کون ہیں؟“  
☆ ”پروڈیوسر تو اسے اینڈی کے جاوید ہیں جبکہ ڈائریکٹر سیڈی رضا ہیں جو کہ ”اسامہ“ کے نام سے مشہور ہیں۔ اور میں بھی حق ہوں کہ اسامہ ایک بہترین ڈائریکٹر ہیں۔“

☆ ”شاہید“ میں کس کے ساتھ کام کر کے بہت اچھا لگا۔ اور کیسا تجربہ رہا؟“  
☆ ”کام کا تجربہ بہت اچھا رہا۔۔۔ بہت حرا آیا بہت اچھا لگا۔ جب تک اس کی ریکارڈنگ جاری رہی ہیں ہم نے خوب مزے کیے۔ مجھے عزیمت سوال کے ساتھ کام کر کے بہت اچھا لگا۔ وہ کافی خوش مزاج ہیں اور نعمان انجاز صاحب کا تو جواب نہیں وہ ضرور بہت اچھے اداکار ہیں جبکہ بہت اچھے انسان بھی ہیں۔ ان کے ساتھ کام کر کے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔“

☆ ”انڈر پروڈکشن کیا کیا کام ہیں؟“  
☆ ”فنی احوال تو ”شاہید“ ہی ہے۔ آپ کو بتا دی ہے کہ میں سال میں ایک ہی پروڈیجٹ کرتی ہوں تاکہ میری پوری توجہ کے ساتھ کرسکوں۔“

☆ ”تو کیا آفرز سے انکار کر رہی ہیں۔ اس طرح آپ کی شخصیت یا مقبولیت پہ فرق نہیں آئے گا؟“  
☆ ”دونوں ہی بہت پسند کیے گئے پہلے کی مقبولیت کے بعد ہی سیریل نو بنایا گیا تھا۔ اور سیریل نو اس لیے بھی زیادہ پسند کیا گیا کہ اس میں جوتھ کیمرڈ کا استعمال کیا گیا تھا۔ لوکیشن زیادہ بہتر لی گئیں، لائٹنگ کا انتظام بہترین تھا۔۔۔ بہت کچھ نیا تھا اس لیے سیریل نو بہت زیادہ پسند کیا گیا۔“



☆ ”انہیں میرے خیال میں مقبولیت میں فرق نہیں آتا۔۔۔ میں سمجھتی ہوں کہ جب لوگ سننے ہوں گے کہ سعدیہ خان فلاں ڈرامے میں آ رہی ہے تو وہ میرے ڈراموں کا زیادہ انتظار کرتے ہوں گے کیونکہ ان کو اس بات کا اندازہ ہے کہ سعدیہ کم کام کرتی ہے مگر اچھا کرتی ہے۔ سیریل ”خدا اور محبت“ بھی لکھا مقبول ہوا تھا۔ لیکن خیر۔ اب میں نے سوچا ہے کہ میں انکار زیادہ وقت اینٹیکنگ کو دوں۔ کیونکہ سب مجھے اسکرین پہ پارہا رو بھنا جاتے ہیں۔“

☆ ”خدا اور محبت“ کے ڈکر پر یاد آ رہا ہے کہ ”خدا اور محبت“ کا سیریل نو زیادہ پسند کیا گیا یا سیریل ”دن“؟  
☆ ”دونوں ہی بہت پسند کیے گئے پہلے کی مقبولیت کے بعد ہی سیریل نو بنایا گیا تھا۔ اور سیریل نو اس لیے بھی زیادہ پسند کیا گیا کہ اس میں جوتھ کیمرڈ کا استعمال کیا گیا تھا۔ لوکیشن زیادہ بہتر لی گئیں، لائٹنگ کا انتظام بہترین تھا۔۔۔ بہت کچھ نیا تھا اس لیے سیریل نو بہت زیادہ پسند کیا گیا۔“





”خانی“ اور اس کی مقبولیت تو آپ کو معلوم ہی ہوگئی ہوگی۔ اس میں میرا کردار بہت اچھا ہے۔“

۱۱۔ ”پریکٹیکل لائف میں جب آیا؟“  
 ”تب سولہ سال کا تھا..... اے آپ کو منوانے کے لیے اور اپنی تعلیم کو مکمل کرنے کے لیے مجھے اس پریکٹیکل لائف میں جلدی آنا پڑا۔“

12۔ ”شوہر نے کیا دیا.....؟“  
 ”شوہر نے ہی تو سب کچھ دیا ہے۔ عزت،  
 فہرت اور دولت اللہ اسے برقرار رکھے۔ (آمین)۔“

13۔ ”برائی خوشبو میں ہے.....؟“  
”صرف شوہر میں ہی کیوں؟ ہر شعبہ، ہر جگہ پر“

1- ”میرا نام؟“  
”فیروز خان“  
2- ”مجھے بلاتے ہیں سب!“  
”اے لڑکا! تھیجی اور باقی سب فیروز ہی کہتے ہیں اور دوستوں نے تو مجھے بہت نام رکھے ہیں، بہت سوکھت ہیں سب دوست۔“  
3- ”تعمدہ! ختم سال؟“  
”11 جولائی 1990ء۔“  
4- ”جمنٹو! ستارہ...! قد...؟“  
”کوئٹہ! کمرہ 5/11 ایچ، کاش“  
”نہ تھکے گا ہوتا۔ کمرہ دیے لگا چھوٹ کا ہی ہوں... کوئی نہ دلا۔“

5۔ ”بہن بھائیوں میں میرا نمبر؟“  
 ”میری چار بہنیں ہیں اور ہم دو بھائی ہیں اور  
 میں پانچویں نمبر کا بچہ ہوں..... اپنے والدین کا تو بچہ  
 ہی ہوں۔“

6۔ ”پڑھائی کی یا صرف وقت گزارہ؟“  
 ”نہیں..... نہیں..... پڑھائی کی ماشاء اللہ اور  
 میں نے بزنس لاء میں ڈگری حاصل کی ہے۔“

7۔ ”شادی.....؟“  
 ”اس سوال کو رہنے دیں۔ ویسے سب کو معلوم تو  
 ہے کہ میری شادی کس سے ہوئی ہے۔“

8۔ ”شوبز میں کس طرح آیا؟“  
 ”100 فیصد اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے آیا  
 ہوں۔ اور اللہ نے میرا ساتھ دیا اور مجھے سرخورد کیا۔“

9۔ ”شہرت دی؟“  
 ”ڈرامہ سیریل ”چپ رہو“ نے دی۔“  
 10۔ ”آں ایئر ڈرامے؟“

بتانے کے لیے کوئی جدوجہد نہیں کرنی پڑی، بس سب  
 کام خود بخود ہی ہوتے گئے۔“

☆ ”کیا کام کر کے زیادہ مڑا آتا ہے۔ ایک آدمی نے کہا..... اور اس دن راسوں میں زیادہ کام نہ کرنے کی ایک چیز بھی ہے کہ میں زیادہ دن مگر باہر نہیں رو سکتی۔ لیکن اب اپنے شوق کو پورا کرنے کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار ہوں میں۔“

ہے۔ مگر مزاج بہت آتا ہے۔ تو ان شاء اللہ اب زیادہ توجہ دادا کا رکھی یہ دو رکھی۔“

ہیں ان کی خدمت کر کے دل خوش ہوتا ہے۔ والدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ ہم دو بیٹیں اور ایک بھائی ہے۔ مرافقہ آخری ہے۔ بھائی کی شادی ہو چکی ہے اور

جاء "سعدیہ آپ نے ایم لی اے انگلند سے کیا اور اتنی اعلیٰ ڈگری لے کر آپ اس فیلڈ میں ہیں۔" ماما اللہ بھابھی اور بچوں کے ساتھ بہت اچھا وقت گزر جاتا ہے۔

☆ ☆

ہوں، یہاں تو تعلیم بہت ضروری ہے۔۔۔۔۔ بلکہ ہر فنکار کے لیے تعلیم بہت ضروری ہے۔ ویسے میں آپ کو بتاؤں کہ مجھے گلوکاری کا بہت شوق ہے اور میں نے باقاعدہ ٹریننگ لی ہے اور میرے استاد کا نام ”رہین“

## سابعه ارتحال

گزشتہ دنوں ہماری دیرینہ ساتھی شاہین رشید کو انتہائی دکھ اور صدمہ سے گزر رہی ہیں ان کے ماموں کے داماد آصف حسین، نقضائے الہی سے انتقال کر گئے اور اسی دن ان کے ماموں بھی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون  
اور اور خواتین و انجسٹ بین شاہین رشید کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دعا گو ہے اللہ تعالیٰ مرحومین کو  
آئے جاور رحمت میں جگہ دے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔



تو انسان ضرور میں پاگل ہو جاتا ہے اور میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے ان چیزوں سے دور رکھنا۔"  
24۔ "میری پسندیدہ تاریخی شخصیات؟"  
"نہا معلم اور مانگلی جیسن۔"  
25۔ "ایک بات جو سب کو سمجھاتا ہوں؟"  
"کردت کی پابندی کیا کرو..... اس میں ناکدہ ہے۔ بہت سے کام آسانی سے اور جلدی ہو جاتے ہیں۔"

26۔ "میرے نزدیک اجماعت؟"  
"میرے نزدیک اجماعت وہ ہوتا ہے جو ہم صحت و مندوبی کے ساتھ گزار رہے ہوتے ہیں اور اپنے نیوچر اور حال کو سنوارنے میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔"

27۔ "مجھے کن چیزوں سے محن آتی ہے؟"  
"پچھلی ہے۔ پچھلی عجیب سا کیزا ہے..... دیر سے ڈرتا کسی سے نہیں ہوں۔"

28۔ "کھانے سے ناراض کب ہوتا ہوں؟"  
"نہیں نہیں۔ اب نہیں ہوتا..... یہ بچپن کی عادتیں تھیں جو اب تقریباً ختم ہو گئی ہیں۔"

29۔ "جب نصرتا تے تو؟"  
"تو تو نہیں ہوتا چاہے وہ ہی ہوتا ہے..... یعنی منہ سے گالیاں سننی ہیں اور سب کی بجا دیتا ہوں۔"

30۔ "الٹنا مشکل لگتا ہے؟"  
"نہیں۔ مجھے الٹنا بھی بھی مشکل نہیں لگتا..... جب مجھے الٹنا ہوتا ہے تو پھر سستی نہیں دکھاتا۔"

31۔ "میرے مشاغل؟"  
"یوڈک سٹنا مطالعہ کرنا، جہاں جاؤ وغیرہ۔"

32۔ "اُتارے کرتا ہوں؟"  
"جب کوئی لڑکی مجھے پہچان کر گھور رہی ہوتی ہے یا کچھ کھانے کی کوشش میں گھور رہی ہوتی ہے۔"

33۔ "شرعت لینا چاہتا ہوں؟"  
"کہن کی بھی ضرورت لینا نہیں چاہتا..... پاکستان سے اچھا کوئی ملک ہو ہی نہیں سکتا اور میں

اسے چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"  
34۔ "کس کے غصے سے ڈر لگتا ہے؟"  
"اپنے بڑے بھائی کے غصے سے ڈر لگتا ہے..... بہت نصرتا ہے ان کا۔"  
35۔ "والدین سے کیا راز دارڈ چاہتے ہیں؟"  
"نہیں کہ میرے والدین بھی کہ ہمارے بیٹے نے اپنی فتن سے یہ مقام بنایا ہے۔ وہ بہت سختی پچھ رہے ہیں۔"

36۔ "مطلبی مان لیتا ہوں؟"  
"جی..... بالکل اب بہت سنبھل کے سب کام کرتا ہوں۔ بچپن میں اور لڑکپن میں بہت غلطیاں کی تھیں۔"  
37۔ "میرا میٹر گھوم جاتا ہے؟"  
"جب کوئی میری عزت نہ کرے۔ جب کوئی میری بات نہ مانے بس پھر غصے کی حد دو کو کراس کر دیتا ہوں۔ عزت انسان کے لیے بہت ضروری ہے۔"  
38۔ "سوشل ہوں؟"  
"جی..... مگر مجھ سے دوستی کرتا بہت مشکل ہے دیر سے سب میں جلدی کر لیا جاتا ہوں۔ دیر سے دوستی کرنا ہوتا ہے۔"



پرائی ہے۔ بس انسان کو شرم دگ ہوتا چاہیے۔ مگر کچھ نہیں ہو سکتا۔"

14۔ "میرا سورج طلوع ہوتا ہے؟"  
"الحمد للہ سچ تو بیٹے..... نہیں جانا ہو تب بھی جلدی اٹھ جاتا ہوں۔"

15۔ "گھر آتا ہوں؟"  
"کوئی ہاؤس مقرر نہیں ہے..... آپ کو پتا ہے کہ اس فلیٹ میں اپنی ایک نہیں چلی..... جب کام ختم ہو جاتا ہے گھر آ جاتا ہوں۔"

16۔ "کھانے کا شوق نہیں ہوں یا کھانے کا؟"  
"دووں کا..... بھوک برداشت نہیں ہوتی۔"

17۔ "لوڈیوں کی کیا بات اچھی لگتی ہے؟"  
"نزدکات پنچیدگی، بردباری اور نساوایت۔"

18۔ "برائی لگتی ہیں وہ لڑکیاں یا خواتین؟"  
"جن میں شرم و حیا نہیں ہوتی۔ اور اب شرم و حیا رہی ہے نہیں ہے۔"

19۔ "مطالعہ کتابوں کا کرتا ہوں یا اپنا؟"  
"دووں کا..... کتابوں کا اس لیے کہ مجھے پڑھنا اچھا لگتا ہے خواہ وہ کتابیں ہوں یا اخبارات اور میگزین۔ اور اپنی ذات کا بھی مطالعہ کرتا ہوں کہ میں کیا ہوں..... کیا خیالیاں اور کیا خوبیاں ہیں۔"

20۔ "کس رنگ کی شرس اور لی شرس پسند ہیں؟"  
"دیرے تو میں ہر رنگ بہت شوق سے پہنتا ہوں۔ لیکن مجھے لال رنگ بہت پسند ہے اور کالا بھی اچھا لگتا ہے۔"

21۔ "جب جان پر بن آئے؟"  
"پھر چھوٹ کا سہارا لیتا ہوں۔ کہ اس کے سوا چارہ نہیں ہے۔"

22۔ "مجھے اندر کیا تہذیبی لائی ہے؟"  
"مجھے اپنا قصہ سم کرتا ہے۔ اللہ کرے کہ کامیاب ہو جاؤں۔"

23۔ "اللہ مجھے غلط کرے؟"  
"ضرور ہے..... کیونکہ جب شہرت مل جاتی ہے

## شاہر حسین شاہر

شاہرین رشید



قادر للہی شروع کیں، پھر اخبار تک رسائی ہوئی۔ جب کالج میں آیا تو مجھے ایسے دوست پار اور اساتذہ ملے کہ جن کی وجہ سے ریڈیو پاکستان آجانا شروع ہوا اور یوں لکھنے کا آغاز بھی باقاعدہ طور پر ہو گیا۔ اور یہ سلسلہ 1980ء سے پہلے شروع ہوا۔ اور اب تک میری باتیں (22) کتابیں آچکی ہیں اور ان باتیں کتابوں میں پاکستان کی ذمہ داری ہے۔ ہسٹری ہے 14 اگست 1947ء سے لے کر آج تک کی ہے۔ اس کے تین ایڈیشن آچکے ہیں..... ”ادریٹ فاطمہ جناح“ کی حیات و فکر پر میرا ایک کتاب لکھ چکا ہوں اور اس کتاب کو ردوفی اعزازات ملے ہیں، صدارتی ایوارڈ ملے ہیں اور ”دو بر اعظم ادبی“ ایوارڈ بھی ملا۔ ”ملتان ایکسپریس“ نام سے ملتان کی تاریخ پر ایک کتاب آچکی ہے۔

میں نے لکھ کر کتاب ہے جو میرٹ ہے۔ شاہ

”ایف ایم جمیل پور سے پاکستان میں اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ہمارے انٹرویوز کا دائرہ گونا گونا گئی ہی ہوتا ہے..... اور دیگر مجتبیٰ کے پرزہ نوز کو گونا گونا گیت دیتی ہے کہ ہم انہیں جگہ نہیں دیتے..... جسکیا یہاں کہیں سے نہیں جب ایسے سوچتا ہوں ہے کہ دیگر شہروں کے آرزو کے انٹرویوز بھی آتے ہیں۔ اس بار بار FM-93 ملتان کے آ رہے ہیں۔ شاہر حسین شاہر“ سے میں کے۔ جو بیک وقت کی خوبیوں کے مالک ہیں۔ بے حد صدفہ ہے ہیں مگر ہمارے لئے بہت ہی شاد فائز میں انہوں نے انٹرویو دیا ہے۔ لے لے ہم ان کے بے حد محظوظ ہیں۔“

☆ ”میری اللہ کا شکر ہے۔“

☆ ”پہلے تو اپنے بارے میں کچھ بتائیے؟“

☆ ”میرا اصل ملتان شہر سے ہے..... اور ملتان میری پہلی اور آخری محبت ہے اور یہ ملتان کے بارے میں مونا ہے کہتا ہوں کہ اس سے زیادہ خوب صورت شہر پوری دنیا میں نہیں ہے..... میں اسی شہر میں پیدا ہوا اور اب میری وصیت بھی یہی ہے کہ مجھے اسی شہر میں دفن کیا جائے۔ میری والدہ کا انتقال لاکل پور (پھل آباد) سے ہے جبکہ والد کا انتقال ملتان سے۔ دونوں بھائی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور چونکہ میں ملتان میں ہی رہا تو مجھے یہاں کی سرائیکی زبان پر عبور حاصل ہے اور میں کی وی بہت دور جو پروگرام کہتا ہوں وہ بھی سرائیکی زبان میں ہوتا ہے اور سرائیکی زبان میں میری کتاب بھی آچکی ہے۔ لی وی یہ سرائیکی زبان میں جو پروگرام کہتا ہوں وہ ”کرنٹ ایئرڈ کا پروگرام ہے۔ اور آپ کو بتاؤں کہ اسکول کے زمانے سے ہی میں نے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ پہلے

ای اور بھی لکھا تھا اور شائبہ تھا چھاتی ہیں۔“

47. ”کھانے کے لیے پسندیدہ کھانہ؟“

”مجھے آتی باقی بار کر چٹائی ہے پیچھے کر کھانے میں بہت مزا آتا ہے۔“

48. ”پسندیدہ لباس؟“

”مجھے شاد رنگیں بہت پسند ہیں۔“

49. ”میری اہم ان میں سے کون ہے؟“

”تو بہت کچھ کہوں گا..... صرف باتیں نہیں بتاؤں گا۔ عوام کے حقوق کی جنگ لڑوں گا۔“

50. ”حق کی وجہ؟“

”قبضہ.....“

”ہمد جہد مسلسل میں ان باتوں کے لیے ناگہم ہی نہیں ملا۔ اپنے کام پر فوسس رہا ہوں۔“

51. ”میں محبت نامی بہری ہوتی ہے؟“

”ہی..... بالکل..... سنا ہے کہ جو ایک مرتب محبت میں ڈوبا پھر ابھر کر لکھنا مشکل ہی ہوتا ہے۔“

52. ”عورت کے لیے آپ کی سوچ؟“

”کیا ہے؟ ذہن اور بہت ذہن ہونا چاہیے اور خوب صورتی اس کی پیشکش کرنی ہوتی چاہیے۔“

53. ”نرم گوشہ کش میں ہوتا ہے۔ مرد یا عورت؟“

”میرے خیال سے مرد زیادہ نرم دل ہوتے ہیں۔“

54. ”سکون ملتا ہے؟“

”کمرے کی بات کر رہی تو مجھے اپنے اورای کے کمرے میں سکون ملتا ہے۔“

55. ”زوالہ کب لگتی آتا؟“

”جب ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور اپنے کام پر فوسس رہیں۔“

☆ ☆

**اعتذار**

اس ماہ میرا کہ ناول ”من سورکہ کی بات نہ داتا“ کی قسط ایسے مرزا کی طبیعت کی نمائندگی کی بنا پر شامل اشاعت نہیں ہے۔ آپ اگلے ماہ قسط پڑھ سکیں گی۔ ان شاء اللہ

39. ”کوئی تنقید کرے تو؟“

”دل ٹوٹ جاتا ہے۔ تعریف نہ کر حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ دل خوش ہو جاتا ہے۔“

40. ”پسندیدہ پیشہ؟“

”میری اپنا شہر..... بندے کو جس چیز کا شوق ہو اس میں جانا چاہیے۔“

41. ”زندگی کا مقصد؟“

”اپنے مذہب کی عزت کرنا اور کرنا..... والدین کا خیال رکھنا۔ اپنے بہن بھائیوں سے محبت اور بارے کے ساتھ رہنا۔ خاص طور پر اپنی بہنوں کے لیے کچھ کرنا۔“

42. ”سب کچھ آسانی سے ملایا؟“

”نہیں..... اس دنیا میں سب کچھ اس وقت آسانی سے ملتا ہے جب آپ سونے کا نوالہ لے کر پیدا ہوتے ہوں۔ ورنہ تو سب کچھ جدوجہد سے ہی ملتا ہے۔ اور مجھے بھی جدوجہد کے بعد ہی سب کچھ ملا ہے۔“

43. ”وقت سے کیا ملا؟“

”کچھ نہیں سب کچھ محنت سے ملا اور پیہر بھی محنت سے ملتا ہے قسمت سے نہیں۔“

44. ”آپ صحت مند ہیں؟“

”جب مجھے کوئی سوتے میں اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ میں مجھے بہت پیاری ہے۔“

45. ”خوف زدہ ہو جاتا ہوں؟“

”میرے سمندر کو دیکھ کر، غمناک رہتے سمندر کو دیکھ کر اور میرے پانی کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتا ہوں۔“

46. ”مگر میں اچھا لکھنا کون کیا ہے؟“

”میرے پرائیوٹ اٹھے جاتی ہے۔ اور





”جی“۔ جب میں لوگ ڈرائیو پہ ہوتا ہوں تو مختلف جیتل تبدیل کرتا رہتا ہوں۔ مجھے اپنا ہی ایف ایم 93 جو کہ سرکاری جیتل ہے جس میں ایف ایم 101 بھی شامل ہے بہت پسند ہے کیونکہ ہم ہمسایہ ملک کے گانے نہیں سنو اتے۔ پاکستان سے محبت میرے وجود کے اندر ایک بنیادی طرح ہے۔ ہمارے خزانوں میں پاکستان سے محبت کا بیٹا مان جاتا ہے۔ بانی خزانوں کے لیے بھی یوں کہ مقابلے کا دور ہے اور ایک سے بڑھ کر ایک جیتل آگیا ہے۔ ایک سے ایک کو بڑھ کر آگیا کا کام کر رہا ہے۔ صرف ”اے ایم“ ہوتا تھا دایاں آف امریکہ، دایاں آف جرمنی یا بی بی پی ہوتا تھا۔ اب اسنے یں کائی جیتل کل گئے ہیں۔ ہاں ضرور ہے کہ پہلے والا دن نہیں ہوا ابھی آواز اور اچھا سمجھ، شستہ اردو اب یہ سب محقق ہو زیادہ برا ہوتا ہے اس سے زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ بہر حال میری تو پہلی اور آخری محبت ایف ایم 93 ملان ہی ہے۔“

پر گرام کرنا ہے اور یہ بھی آپ کو بتاؤں کہ یہ حیثیت کمپینر کے بھی کسی ایک پیمانے ہے اور جب مجھے ”تحفہ اشراف“ ملا تو میرے تعارف میں اس بات کا بھی ذکر کیا گیا کہ میں ایک بہترین کمپینر بھی ہوں۔ میرے والدین کی دعا میں ہیں، احباب کی مہربانی اور محبت ہے کہ وہ مجھے پسند کرتے ہیں میری نظاکت کو سراہتے ہیں۔“

”جی“۔ خدا داد صلاحیتیں ہوں تو پھر کہیں بھی جگہ بنانے میں مشکل نہیں ہوتی اور یہ تحفہ خدا نے آپ کو بھی دیا۔ ایسا ہی ہے نا؟“

”جی“۔ میں بھی بہت خوش قسمت ہوں کہ مجھے اپنی جگہ بنانے کے لیے درودوں کی طرح پاپڑ نہیں بیٹنے پڑے۔ میں اس معاملے میں پراخوش قسمت ہوں کہ جب ریڈیو پاکستان ملان میں میرا انتخاب ہوا تو اس سے پہلے چونکہ ہم پروگرام کرنا چاہا کرتے تھے تو وہاں کا ماحول میرے لیے بہت شانسا تھا۔ اور بہت سے دوست پروڈیوسر کے عہدے پر بھی فائز ہو گئے۔ لی ڈی کے لیے ”دچا“ نیوز کے لیے ملان سے پہلا نیوز چیف مجھے مقرر کیا جناب پروڈیوسر اور صاحب نے اس مسئلے میں لاہور جا کر میں نے فرینک بھی لی، لیکن پھر جب میں نے دیکھا کہ یہ تو 24 گھنٹے کی جاب ہے تو میں نے سرور منیر راؤ سے مددرت کر لی، کیونکہ میں کسی بھی جیتل کے لیے پابند نہیں ہوتا جاتا تھا۔ میں نے استعفیٰ دیا اور ملان واپس آ گیا پھر سرور منیر راؤ صاحب کو ملان آئے تو ان کے چارٹرڈ جرنلسر نے تربیت لے کر آئے تھے ان سے انہوں نے کہا کہ آپ شاکر سے پروگرام کرنا سیکھیں تو انہوں نے کہا کہ باس امریکن کے لیے بندہ ہے جس پر وہ صاحب نے انہوں کو اکٹیں مرا لیں اور اردو میں عبور حاصل ہے آپ کے لیے یہ پروگرام کر دوں۔ چنانچہ ان کی وجہ سے آپ نے لی ڈی پہ پروگرام ملا جو کہ میں آج تک کر رہا ہوں۔“

”جی“۔ دیگر ایف ایم کے پروگرام سننے ہیں آپ؟“

بھی لکھا۔ روزنامہ ”لوائس“ وقت“ روزنامہ ”فرین“ روزنامہ ”آج کل“ سب میں لکھا اور ”روزنامہ“ ”یڈیو میرا انتخاب“ اس طرح ”نمبر“ اسکول کے زمانے سے ہی میں نے ریڈیو جانا شروع کر دیا تھا۔ وہاں میرے چچا حسین صاحب ایک ملازمین کے طور پر کام کرتے تھے۔ ان زمانے کو تو شاکر پروڈیوسر اور دچان صاحب مقابلت بیت بانی کی ہوتا تھا۔ بزم طلبہ میں، ان ہی پروگراموں کی وجہ سے مجھے بھی ادب سے لگاؤ ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ملان میں فلم وادی کی بہت سی تقریبات ہوتی تھیں۔ اگر چاہ بھی ہو لی میرا پہلے جیسا معیار نہیں رہا ہے۔ پھر جب اے ایم کے بعد ایف ایم کا زمانہ شروع ہوا تو مجھے ایف ایم پہ پروگرام کرنے کا موقع ملا اور آج تک ایف ایم پہ پروگرام کر رہا ہوں۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ جب ملان میں ایف ایم 93 شروع ہوا تو پروگرام ”ناروں ہمیری رات“ کے نام شروع کیا اور آج تک میں یہ پروگرام کر رہا ہوں اور بیٹے میں 3 بار پروگرام کر رہا ہوں۔“

”جی“۔ کشش کس کام میں محسوس کرتے ہیں۔ ریڈیو کی دلی کے پروگرام کر کے کیا نہیں لکھ کر یا کام لکھ کر؟“

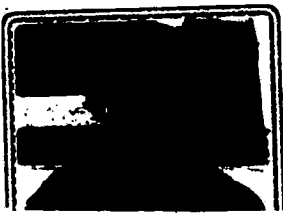
”جی“۔ کشش جس کام میں ہے وہ بولنا، لکھنا اور پڑھنا ہے۔ میرے لیے لکھنا کوئی مشکل کام نہیں ہے خواہ وہ لکھنا کی کوئی بھی صنف ہو اور ہولنے میں تو اتنی مہارت ہے کہ آپ مجھے کسی تقریب میں لوڑا کر دیں اور صرف یہ بتا دیں کہ آپ کو کس موضوع پر بات کرنی ہے، میں کر دوں گا اور آپ کو لطف کی بات بتاؤں کہ گزشتہ تین بار وہ سال سے ریڈیو پہ کام کر رہا ہوں مگر میں نے بھی انکرپٹ نہیں لکھا۔ اسی طرح لی ڈی پہ پروگرام بھی لی ایف ایم کرتا ہوں۔ انکر اپنا ہوتا ہے کہ لی ڈی پروگرام کی ریکارڈنگ کے لیے جاتا ہوں تو میرے پروڈیوسر ہی وقت بٹھاتے ہیں کہ آج آپ کو کس موضوع پہ

بزم وادی حضرت یوسف شاکر پر ایڈیو اے کرام زمر ہیں ان کی سوانح حیات پر میری ایک کتاب شائع ہو چکی ہے۔ میرے مضامین کی ایک کتاب ”مطلوہ پورا آدھی پوری“ شائع ہو چکی ہے۔ ”تیرا انتظار کرتے ہیں“ شاعری کی کتاب ہے۔ فیض صاحب کے خاکوں پر ”تیری یادوں کے نقش“ کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ ان کی صد سالہ سالگرہ پر شائع ہوئی، یہ کتاب بزم صرف بہت پسند کی جگہ ”ایم فل“ کے مضمین میں بھی شامل ہے۔ لکھتے پڑھتے کا دل کرتا رہتا ہوں اور سیاست پہ بھی لکھتا ہوں۔“

”جی“۔ نظیر بیگم کی شہادت کے موضوع پہ میں نے دو کتابیں لکھیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرا اصل کام تو لکھنا پڑھنا ہے۔ اور بولنا ہے۔ ایف ایم 93 پہ پروگرام کرتا ہوں۔ بیٹے وارث میں پروگرام کرتا ہوں لی ڈی کی ملان جب سے وجود میں آیا ہے میں پروگرام کر رہا ہوں۔ ہم چہ بھائی ہیں۔ اور ہمیں نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم سب ہمنا یوں کو بنیاد دی ہیں۔ میری پہلی اولاد بی بی ہے۔ پھر دو بیٹے ہیں۔ میری چوتھی میری چچا زاد ہے اور شاکتہ جنول ان کا نام ہے ہماری اگلی میری بہن ہے۔“

”جی“۔ ”اللہ آپ کو بہت قابل انسان ہیں ریڈیو کی لی ڈی کیا نہیں کتابیں بھی لکھیں۔ کیا خواہش ہے کہ لوگ آپ کو کس حوالے سے پہچانیں؟“

”جی“۔ میں آپ کو بتاؤں کہ میں کچھ ہمسر سودیہ بھی کر رہا۔ اور جب وہاں سے واپس آیا تو میری شادی ہوئی۔ اور میرا اپنا ایک ہائیڈک ڈاکس ہے جس کو میں 30 سال سے چلا رہا ہوں اور آپ نے پیمانے کے بارے میں پوچھا تو میری پہچان میری کتابیں ہیں۔ اردو کتاب ہی میری زندگی کے کتاب سے ہی میں نے سب کچھ پایا ہے اور میری میرے روزگار کا ذریعہ بھی ہے۔ بیٹے میں دو کام لکھتا ہوں، کالم نگاری کا آغاز ”کینہیں لیں“ اخبار سے کیا۔ روزنامہ ”آفتاب“ اور روزنامہ ”سنگ میل“ میں



ہے..... جو طمع سے بھرا تھا اب نہیں آتا..... ہے  
ماشا اللہ میں ہیں مگر کسی کا بھی رجحان کھینے کی طرف نہیں  
آتا..... سب سے لگاؤ ہے اور بے نظیر منصوبہ بری  
آئینہ ہیں..... ان کے بعد کچھ چاہئیں..... ہم وہ  
لوگ جنہوں نے خیام الحق کے زمانے میں شعور  
سنبھالا، کوڑے، چالساں اور لاٹھی چارج  
دیکھے..... ابھی تک وہ چیزیں چل رہی ہیں۔ اب تو  
کوئی آئینہ نہیں ہے۔“

☆ ”کھانا کھانے یا کھانے کا شغف ہے آپ  
کو؟“

☆ ”نہیں بچن میں صرف بانی بننے کے لیے  
جاتا ہوں یا برتن رکھنے جاتا ہوں کوکب بھی نہیں کی اور  
آپ کو کھانے کی بات کر رہی ہیں مجھے تو ابھی تک میکرو  
ویوان چلا تاہیں آیا..... میں باہل ناں تکلیف دی  
ہوں..... مجھ سے تو آپ کو ابلی کام کروائیں..... کھانا  
کھانے میں بھی خیر نہیں دکھایا جو مل جائے گا لین  
ہوں..... کبھی کھانے پر تنقید بھی نہیں کی۔“

☆ ”پلٹے پلٹے رہتا ہے کہ آپ کے کالو پر  
کبھی کوئی توجہ دلائے لوں گا کیا؟“

☆ ”پرویز شرف کے زمانے میں بطور کھاداری  
کے مجھے خواتین کی قبل کا دورہ کر دیا، رمضان کا  
زمانہ تھا میں نے دیکھا کہ 35-30 خواتین الگ  
سے بیٹھی ہیں۔ میں نے ڈیسرے پوچھا کہ ان خواتین  
کو کیوں الگ سے بٹھایا ہوا ہے تو اس نے بتایا کہ ان  
خواتین کی قید کی عمر پوری ہوئی ہے لیکن ان کے پاس  
جرمانے کی رقم نہیں ہے اور ہمارے پاس کوئی ایسا ذخیرہ  
فرد نہیں ہے کہ جو ان کے جرمانے کی رقم ادا  
کر سکے، ان خواتین کے ساتھ ان کے بچے بھی ساتھ  
تھے جنہیں کا دورہ کرنے کے بعد میں نے نوائے وقت

”پچان کے معاملے میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر  
ہے کہ خود کھیل ہوں۔ لوگ بہت آسانی سے پچان  
لیتے ہیں نہ صرف ملتان میں بلکہ ملتان سے باہر بھی  
میری ایک پچان ہے۔ اب ٹریڈ بدل گیا ہے پہلے  
لوگ پچان کر ڈاکر ف لیتے تھے اب سب سبلی عواتے  
ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کے کام سے کئے ہیں  
تو کام وہ آپ کا بعد میں کریں گے پہلے تصویر بنوانے  
کی بات کرتے ہیں۔“

☆ ”واہ..... تقریبات میں جاتے ہیں۔ مشکل  
ہیں آپ؟“

☆ ”میں تقریبات میں زیادہ نہیں جاتا..... اگر  
جاتا بھی ہوں تو ابی ٹنگٹو کرتا ہوں اور پھر واپس آ جاتا  
ہوں۔ کیونکہ مجھے اور بھی کام کرنے ہوتے ہیں۔  
سوکل میں عمر آجے کا کئی حد تک..... میری ٹیلنٹ ہے۔ اس  
مجھے بہت زیادہ عزت و احترام دیا ہے۔ میں اللہ کا بھتا  
بھی شکر ادا کروں کم ہے۔“

☆ ”مجھے بھی خراب میں، ٹریک میں ہمیں  
گئے ہوں۔ پروگرام کرنے کا سوڈ نہ ہو یا دیو جانا ہے تو

کیا کرتے ہیں؟“

☆ ”میں مرتبہ ایسا ہوا کہ میں ٹریک میں ہمیں  
گیا اور عموماً ٹریک میں ہی پھنسا ہوں۔ مگر پھر بھی  
میں وقت پر ہی پہنچتا ہوں اور کرلا کر پتہ پروگرام ہو کر  
بہت سی چیزیں کوئی کرنا ہی دینی پڑتی ہے۔ میرا پروگرام  
رات سے ہی شروع ہوتا ہے اور مجھے 10 بجے  
سے پہلے پہنچنا ہوتا ہے۔ فیصلہ کی بہت سی  
تقریبات ناس طور پر شادیوں میں شرکت نہیں کر سکتا  
یا میرا آرام کرنے کو دل چاہتا ہوتا ہے کہ آرام بھی کر لیں  
پاتا..... ظاہر ہے کہ کچھ بنانے کے لیے کچھ کھانا بھی  
پڑتا ہے اور اگر آپ پر کسی نے کوئی ذمہ داری ڈالی ہے  
تو اسے ضرور سمجھا جاتا ہے۔“

☆ ”مزاج کے کسے ہیں انہیں کا رجحان ہے  
لکھنے کی جانب؟ مزید متغی؟“

☆ ”مزاج کا نتیجہ بھی ہوں اور جولی بھی ہوں  
اور مزاج میں بہت سی وقت کے ساتھ ساتھ آتی رہتی

تھوڑی پروگرام کرنا کیسا لگتا ہے اور ویڈیو لگانے  
ڈے پر پروگرام کرتے ہیں آپ؟ اور آپ کے  
پروگرام کی کوئی خاص بات ہوتی ہے؟“

☆ ”تہوار کوئی بھی ہو اگر میرے شیڈول میں  
آتا ہے تو ضرور کرتا ہوں..... اور تہواروں میں پروگرام  
کرنا مجھے زیادہ اچھا لگتا ہے اور میرے پروگرام کی  
خوبی یہ ہے کہ کبھی بھی شوہر شخصیت کی ساگرہ کا دن ہوں  
یا وفات کا دن ہوں میں ان کے بارے میں بتاتا ہوں۔  
بروز کل انڈاز میں..... اس طرح سامعین کو اس  
شخصیت کے بارے میں ساری معلومات حاصل  
جاتی ہیں۔ ایس کے پروگرام کرتا بھی پسند ہے اور  
اتفاق یہ ہے کہ ابھی تک ویڈیو لگانے ڈے سے میں نے  
کوئی پروگرام نہیں کیا..... لیکن ہمارے سارے  
پروگرام محبت کے بارے میں ہی ہیں۔ اس  
دنیا میں جو کچھ بھی ہے محبت کا پھیلاؤ ہے۔ اچھا اسلام  
اچھی لگم ہے کہ ”جو کچھ بھی ہے محبت کا پھیلاؤ ہے۔“  
☆ ”ایک آدے کے اندر کن خوبیوں کا ہونا

ضروری ہے؟“

☆ ”ایک آدے کو ملنا پھرنا اسٹانڈ پینڈ یا ہونا  
چاہیے اور جو چاہیے اور جس وقت چاہیے اسے  
معلومات فراہم کر دے کیونکہ آپ کے سامعین  
پروگرام کے دوران بھی کبھی کبھی دقت آپ سے  
مجھ پوچھ لیں کوئی انڈاز میں لینا چاہیں تو آپ کے  
پاس وہ انڈاز ہیں ہوتی چاہیے..... میں مرتبہ ایسا ہوتا  
ہے کہ پروگرام کے دوران ان کی ناسور شخصیت  
کی وفات کی خبر آ جاتی ہے تو آدے کے پاس اتنی  
معلومات ضرور ہو کر وہ فوری طور پر ان کے بارے  
میں کچھ بتا سکے..... کہیں کو آپ ڈینڈ رہتا چاہیے۔  
اس کا مطالعہ بڑا اچھا ہونا چاہیے اس کا تلفظ بہت اچھا  
ہونا چاہیے۔ جس کا تلفظ اچھا نہ ہو اسے صرف پروگرام  
سننا چاہیے۔ بہت سی ہے کہ دیگر شخصیات اس بات پر توجہ  
نہیں دیتے۔“

☆ ”آپ اتنی نپس شخصیت ہیں لوگ آسانی  
سے پچان لیتے ہیں آپ کو؟“

☆ ”پچان کے لیے آپ کو؟“

## کچن اور آپ

اس ماہ ”رضوانہ کھیل“ کو بکچن اور آپ میں انعام کا حق دار قرار دیا ہے ادارے کی طرف سے رضوانہ کھیل کو  
تین ماہ کے لیے ”ماہنامہ مکرن“ مفت دیا جا رہا ہے۔



نکبت عبداللہ

# پولیس سٹی پولیس

ہندو علی اور احمد علی دو بھائی تھے۔ حیدر علی بڑے تھے چھوٹے بھائی احمد علی کے لیے وہ مشفق باپ تھے۔ احمد علی کا انتقال ہو چکا تھا اور حیدر علی جس حد تک ممکن ہوتا ہوا مزاج اور بچوں کی مدد کرتے ہیں۔ حیدر علی کو ان کے مزاج کے برعکس بیوی کی ہیں وہ جیتنے نہ خوتے حمیدہ بیگم اس قدر غیر مصلحتی اور کسی حد تک بد زبان بھی۔ احمد علی کی بیوی کا خرواہن ہی کی طرح نرم مزاج اور درگزر کرنے والی ہیں حیدر علی کی تین بیٹیاں سونہ، خیزہ اور شہرینہ ہیں جبکہ احمد علی کے دو بچے تیرہ اور بیلا تھے۔ سونہ کی شادی ہو چکی ہے۔ خیزہ اپنے پاس بیورو خانی کو پسند کرتی ہے جبکہ خیزہ کا خالہ زاد بھتیجی اس کو چاہتا ہے۔ خیزہ اور شہرینہ کا رشتہ حیدر علی نے حمیدہ بیگم کی مرضی کے خلاف بھائی کی زندگی ہی میں ان کی کم عمری ہی میں کر دیا تھا جو وقت کے ساتھ ساتھ ان کے دلوں میں کسی مضبوط ہو چکا ہے۔

چوتھی قسط



”دیکھا کسی ایدہ پیشہ ایسی کرتی ہے، بلکہ مسل کرتی ہے آپ کو اور ڈیڑی کو بھی لیکن اس کی اس ناجائز بات کے سامنے آپ کو کون سے ہتھیار نہیں ڈالتے، سن رہی ہیں ناں کی.....“ مہینلا نے غصے میں بولتے ہوئے شاگرد کیٹھن پیشہ کو جاکے جھوڑ ڈالا تھا۔

”میں نہیں کوئی تو بتا رہی تھی تمہارے ڈیڑی نے مجی بھی کر دیا ہے اور میں بھی نہیں چاہتی اسے کیسے سمجھایا جائے۔“ ٹمہرہ اسے سمجھانے کے معاملے میں بے بسی نظر آنے لگی تھیں۔

”کوئی ضرورت نہیں اسے سمجھانے کی، خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔“

”مجھے تو لاگت بات جالاک لگے،“ ٹمہرہ نے کہا تو مہینلا دانت چرس کر کہنے لگی۔

”صرف جالاک نہیں ملا رہی تھی، یہ نچلے طبقے کے لوگ امیر بننے کے لیے ایسے ہی لڑکیوں کو چھانٹتے ہیں۔ مجھے تو ربیکا پر حیرت ہو رہی ہے اس نے تو بھی معمولی چیزوں پر دھیان نہیں دیا اس کی باتوں میں کیسے آئی۔“

”اب میں کیا کہوں؟“ ٹمہرہ نے گہری سانس لے کر دیکھ کر ہنسی چکی۔

”ڈیڑی سے کہیں اسے فارغ کریں، میرا مطلب ہے اس لڑکے کو دھکے دے کر نکال دیں اپنے آپ اس سے اور ربیکا کا بھی آس جانا بند کریں۔“ مہینلا کا پریشانی کیٹھن پر ہوا تھا۔

”ریٹیکس بیٹا! غصہ اور جی سے ربیکا کو نہیں رکھا جا سکتا تمہارے ڈیڑی کی علی باب اس میٹر کو چنڈل کریں گے، ہم کچھ نہیں کر سکتے۔“ ٹمہرہ نے مہینلا کا ہاتھ پاؤں میں لے کر کہا تو وہ مزید اگڑ بگڑی۔

”فانگا! سب کی آپ ربیکا سے ڈرتی کیوں ہیں؟“

”ڈرے کی بات نہیں ہے، میں اس کی سچے سے خائف ہوں تم جانتی ہو جس بات پر او جاتے۔“

”تو اس مسئلہ کی آپ لوگوں کی ہے..... آپ کی ڈیڑی کی..... شروع سے اس کی پر بات مانتے چلے آئے۔ مجھے نہیں یاد تھی آپ یا ڈیڑی نے اسے کسی بات سے متنبہ کیا ہو یا سمجھانے کی کوشش کی ہو کہ یہ اس کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔“ مہینلا اب ٹمہرہ کو الزام دے رہی تھی اور کچھ غلط بھی نہیں تھا جب ہی وہ خاموش ہو گئی تھیں۔

شام میں حسان صاحب آئے تو انہوں نے خود ہی ٹمہرہ کو بتایا کہ ”انہوں نے مزہ کی طبیعت صاف کر دی ہے اور انہیں امید ہے کہ وہ ربیکا کی طرف پیش رفت نہیں کرے گا۔“

”لیکن حسان آپ اگر اسے اپنی فرم سے نکال دیتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔“ ٹمہرہ نے ان کی ساری بات سن کر کہا تو وہ سر جھٹک کر بولے تھے۔

”تم غور میں جلد باز ہوئی ہو ورنہ اسے نکالنے کا مطلب اپنی جی کو فوسے ختم کرنا تھا جبکہ میں چاہتا ہوں سانپ بھی مر جائے اور لاڈ بھی نہ ٹوٹے۔ اس لیے میں نے انہی اسے صرف وارن کیا ہے۔“ ٹمہرہ انہیں دیکھ کر لیکن جب کہ چہرے پر گرمندی کی جوں کی توں موجودگی۔

”ڈونٹ دری اسب ٹھیک ہو جائے گا۔“ حسان صاحب ان کا چہرہ دیکھ کر کہنے لگے۔ ”تم ابھی ربیکا سے اس سلسلے میں کوئی بات مت کرنا۔“

”میں نے تو اس دن کے بعد سے کوئی بات نہیں کی، میں آج مہینلا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔“

”پھر؟“ حسان صاحب نے فوراً ٹوٹا تھا۔

”پھر..... ربیکا تو کمرے میں بند ہو گئی لیکن مہینلا بہت ناراض ہو رہی تھی۔ وہ بھی اپنی جگہ ٹھیک ہے، اس کے سرالے تک بات نہ تھی کی تو تھی ہرٹ ہوئی اور ہرٹ تو ہم بھی ہوں گے۔“ ٹمہرہ کو زیادہ غمراہی بات کی

”جی۔“ کچھ نہیں ہو گا تم لوگ بات کا منتظر مت بننا۔“ حسان صاحب کے جھنجھلاہٹ پر ٹمہرہ کو وہاں سے ٹھکے میں مالیت نظر آنے لگی۔

☆☆☆

کل وہ انتہائی غصے میں تھلا ہوا آفس سے نکلا تھا اور اس نے سوچا تھا کہ وہ دوبارہ کبھی ادھر تو نہیں آئے گا۔ بات ہی اس کی یہ کہ وہ لڑکی ربیکا حسان خوری اس کی طرف بائیں تھی اور جب اس نے حوصلہ افزائی نہیں کی تو چاہنے اپنے ڈیڑی سے کیا کہا کہ وہ اس پر چڑھ دوتے تھے۔ کوئی اور بات ہوئی یا آفیشل معاملے میں وہ اسے سرزنش کی تو وہ بھی سریش نہ لیتا تھا کیٹھن انہوں نے تو انتہائی بے ہودہ الزام لگا کر اس کے کردار کی دیکھیں اور اڑا دی تھیں اور یہ اس کی برداشت سے بہرہ تھا۔

رات اس نے بہت سوچا تھا کچھ نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ یہ جب اسے بہت خوار کی کے بعد کی تھی، رہزائن کا مطلب تھا پھر خوار کی اور اس نے خوار کی منظور کر لی۔ عزت نفس سے بڑھ کر کچھ نہیں تھا، اس نے سوچ لیا وہ کتنے مزدوری کرے گا، پھر توڑے گا لیکن یوں ذلیل ہو کر دوبارہ اس آفس میں نہیں جائے گا۔ یوں صبح سے شام سے خارج ہوتے ہی اس نے رہزائن کی طرح حسان صاحب کا ہی سہل کر دیا اور کیونکہ وہ ناخبرہ کو جواب جانے کا بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے معمول کے مطابق کمرے سے نکل آیا تھا۔

اب اسے جب کے لیے سنے سرے سے تنگ و دوڑ کر ہی تھی اس لیے وہ ایک جانے کے ہوٹل میں آ بیٹھا اور چائے پینے کے ساتھ اخبار میں رولیسر دیکھتے ہوئے اس نے کافی وقفہ وہاں گزارا پھر ایک دو جگہ اپنی ہی وہی دے کر اس کی کچھ نہیں آ باب کیا کرے، کہاں جائے۔ ایک بیج رہا تھا بے مقصد سڑکوں پر ایک دوڑاتے ہوئے اسے خود کی پٹائی چلا دو شہرینہ کے کان کے سامنے آن کا تھا۔ اصل میں اس کا ذہن بے حد الجھا ہوا تھا آگے کی گزریا یہ تھی۔ خدا خدا کر کے اب تو حالات بہتر ہوئے تھے کہ پھر زندگی جانے کون سا امتحان لینا چاہتی تھی وہ اسی سوچ میں تھا کہ اپنے نام کی پکار پر چونک کر سمجھنے لگا۔

”تم کیسے آئے؟“ ٹمہرہ نے پوچھ رہی تھی۔

”جانتیں۔“ اس نے بے حاشیائی میں کہہ کر ادھر ادھر دیکھا پھر نظر پڑ شہرینہ پر جمادی۔

”کیا ہو ہے تمہارا سب ٹھیک تو ہے ناں؟“ شہرینہ اس کی تجدی کی کے زیادہ پریشانی محسوس کر کے خائف ہو گئی تھی۔

”سب ٹھیک ہے۔“ مہینو۔“ اس نے کہہ کر ایک کلک ماری تو شہرینہ اس کا مودہ کھینچے ہوئے کہہ نہیں سکی تو اس کے پیچھے پیچہ خوری جانے کا کیا سوچی، اس کی کرتی رہی تھی۔

”کمانا کھاؤ؟“ ٹمہرہ نے ریسٹورنٹ کے پر سکون ماحول میں بیٹھنے ہی اس سے پوچھا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

”نہیں، پہلے بتاؤ جہیں کیا ہوا ہے، اسنے پریشان لگ رہے ہو۔“

”اسی لیے تو میں گھر نہیں گیا کیا واقعی میرے چہرے سے پریشانی ظاہر ہو رہی ہے؟“ وہ یوں اپنا چہرہ چھونے کا جیسے پریشانی نوچ پھینکے گا۔

”بائے ناں ظاہر ہو رہی ہے اب بتا دو جہاں تم سے زیادہ پریشان ہو رہی ہوں۔“ شہرینہ کی بے صبری پر وہ جیسا سکر اہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

”میری جاب پائی کی ہے۔“

”کہاں؟“ وہ بے ساختہ کہہ کر جھنجھلائی تھی۔ ”آف مزہ تو نے تو میری جان ہی نکال دی اسی شکل  
بائے ہوئے جو پیسے پائیں کتنا بڑا سانحہ ہو گیا ہو۔ اللہ بزرگے... تو بے قرار۔“

”سانحہ تو ہے۔“ حزرہ نے کہا تو اس نے فوراً ٹوکا۔  
”جی نہیں سانحہ وہ ہوتا ہے جس کی تلائی نہ ہو اور یہ تو سنا ہے ایک درہندو کیلئے۔ تم خواہ خواہ پریشان  
ہو رہے ہو، اللہ پر ہمدرد سانحہ وہ جلدی کی دوسرا سبب پیدا کر دے گا۔“ وہ لاپائلی کی لڑائی کرتے آرام سے اسے تشویش  
سے نکال بیٹھی تھی۔

”ہوں۔“ حزرہ نے پھینچی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا پھر کہنے لگا۔ ”بہر حال میں نے صرف  
جہیں بتایا ہے اور نہ اس کی سے ذکر کرتا۔“

”نہیں کروں گی کچھ جان کو بھی نہیں چاہا؟“ شہرینہ نے اس کی بات مان کر پوچھا۔  
”نہیں۔ میں انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ کشش کروں گا جلد نہیں اور جب کل جائے تو پھر بتانے کی  
تو بہت ہی نہیں آئے گی۔“

”اللہ کرے ایسا ہی ہو، ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ چلو اب جلدی سے کچھ کھائے کو مگواؤ، جھوک لگ رہی  
ہے۔“ شہرینہ نے کہتے ہوئے ہینوک ڈاکٹر کا اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔  
”تم بتاؤ کیا کھاؤ گی؟“

”زیادہ کچھ نہیں کھائی۔“ وہ اب اس پر زیادہ بڑا نہیں ڈالنا چاہتی تھی حزرہ بریانی آرڈر  
کر کے اسے دیکھنے لگا سوچتا ہوا انداز تھا۔

”کیا ہوا؟“ شہرینہ نے تو کئے کے ساتھ اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ بھی اٹھایا تو اس نے یوں ہی لٹی  
میں سر ہلایا پھر کہنے لگا۔  
”سوچتا ہوں زندگی میں کتنے ایسے موڑ آتے ہیں جن کے بارے میں ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوتا، ایسا  
کیوں ہوتا ہے؟“

”پائیں۔“ شہرینہ کی لاپرواہی اس نے نظر انداز کر دی اور دوسرے کرگویا ہوا۔  
”سوچتا شہرینہ تو خود کرنا پھر اس پر دس کر لیں گے۔“

”ابھی بات ہے، ابھی تو جلدی کھاؤ اور جلدی چلنا، ایسا نہ ہوا می گھر آ کر خیر کو فون کر دیں کہ میں ابھی تک  
گھر نہیں پہنچی۔“ شہرینہ پر اس خیال سے گتے ساتھ روٹی کی اور دو مکی جھٹکا تھا اس لیے اس کی طرح جلدی جلدی  
کھائے لگا تھا۔

☆☆☆

”مجھ آفس آتے ہوئے دو عہدہ دیکر سے کہہ آئی تھی کہ وہ مزہ کے ساتھ مارکیٹ جائے گی اس لیے واپسی  
میں درہو جوائے گی۔ اصل میں سعد باپ کی شادی کے سلسلے میں اسے کچھ شاپنگ کرنی تھی اور شہرینہ کے لیے  
ایک دوسوٹ لینے کا سوچ کر اس نے اپنی نیا چھٹی پریس میں رکھ لی تھی اور اب وہ مزہ سے پوچھ رہی تھی۔  
”سنو مارکیٹ چلو گی؟“

”مارکیٹ۔“ کیا لیتا ہے؟“ مزہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔  
”میں لیتا ہے کچھ۔“ میری کرن کی شادی ہے۔“ اس نے کہا تو مزہ ہونٹ سیکی کر بولی۔  
”او۔۔۔ پھر کبھی شاپنگ ہوگی ایسا کر دیکھ پر رکھو۔“

”کل سے تو کشاکش شروع ہیں یارا۔“

”پھر آج تو میں نہیں جا سکتی کیونکہ مجھے خود جلدی گھر پہنچنا ہے، مہمان آرہے ہیں۔“ مزہ نے نہ جانے کی  
وجہ بتائی تو اس نے بے ساختہ پوچھا تھا۔  
”تم نہیں دیکھتے؟“

”ہاں کچھ ایسا ہی سلسلہ ہے۔“ مزہ ہنسی تھی۔  
”جلو انداز تمہاری نیا پارک گئے پھر میں ایسا کرتی ہوں ابھی کل جاتی ہوں تاکہ شام تک گھر پہنچتی جاؤں۔“

اس نے کہتے ہوئے ٹاکہ دیکھا چارنگ سے نئے۔  
”باس سے پوچھ لو جانے دیں تو پکی جاؤ۔“

”ہوں۔۔۔۔۔“ اس نے گاؤں والے سے ادھر نظر ڈالی، تیور غزنی فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اس نے اس  
کے فارغ ہونے کا انتظار کیا پھر پھر کراس کے درم میں آئی تو وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ پہلا  
موقع تھا وہ ہمیشہ اسے متوجہ کرنا پڑتا تھا۔

”ہینیسس کس خزینہ؟“ خاما دوستانہ انداز تھا، شاید اس نے کردہ اپنے دل کی بات اس کے ساتھ شہر کر گیا  
تھا۔ خزینہ سے چیخ کر طرف دیکھا ضرور لیکن ہینیس نہیں دیکھا اسے کوئی کی چیز کی بات نہیں کرتی تھی۔  
”سرا مجھے مارکیٹ چاہا ہے اگر کوئی ضروری کام نہ ہو تو میں ابھی۔۔۔۔۔“ وہ اس سے غلط بیانی نہیں کر سکتی تھی۔

”کام۔۔۔۔۔“ تیور غزنی نے چند سے سوچا پھر اسے دیکھ کر بولا تھا۔  
”ہاں مجھے بھی باہر کے ایک دو کام ہیں آپ جیسے میاں آتا ہوں۔“

”اللہ اے کبھی جب میرا کبھی ہو سکتا تو کچھ پر مہربان کیوں ہے۔“ وہ وحشی ہوئی واپسی آئی اور اپنا ٹیک اٹھا  
کر کرگوا خدا حافظ کہتے ہوئے آفس سے نکل آئی تھی۔

تیور جیادس منٹ بعد تیور غزنی پارک سے گاڑی نکال کر اس کے قریب آئے یا تو وہ خاموشی سے اس کے  
ساتھ بیٹھ گئی۔ اس دوران اس نے اپنے طور پر کچھ لیا کہ تیور غزنی اسے اس لڑکی کے بارے میں بتانا چاہتا ہوگا  
جس کا اس دن اس نے ذکر کیا تھا۔

”کو کس۔۔۔۔۔“ وہ بھی کئی پھر بھی اس کے بارے میں نہیں مانتا چاہتی تھی کیونکہ اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ جس  
معضل کو وہ اپنا محبوب باقی ہے اس کے لیے ہر کسی اور کا نام ہو۔ کبھی جانے انجانے میں اس کا اندر مہمان ہو گیا تو  
تیور غزنی تو جو بھی مجھے وہ خود اپنی نظروں میں سے دھت ہو جائے گی۔ اس لیے وہ اس کی طرف سے انجان ہی  
نی رہی گی اور جب اس نے شاپنگ مال کے پارک میں گاڑی رکھ دی تو وہ پریشان ہوئی کیونکہ اسے منجھے مال  
سے شاپنگ کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

”سرا! اپنا کام کر لیں، میں ٹیکس ویت کر لوں گی۔“ اس نے خود پر قابو پا کر سہولت سے کہا تو وہ  
قد سے حسرت سے اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔  
”واٹ ڈیو میں۔۔۔۔۔ کیا آپ کو شاپنگ نہیں کرنی؟“

”کرتی ہے۔“ سر اور میں کھڑے اپنی سسٹر کے ساتھ جاؤں گی۔“ اس نے جڑ بڑھ کر بات کہتی تھی۔  
”او۔۔۔۔۔ سسٹر کے ساتھ بھی چلی جائے گا ابھی تو میرے ساتھ آئیں۔“ تیور غزنی نے لاپرواہی سے کہہ کر  
پیلے اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا تو اسے اترنا پڑا۔

پھر وہ قدر آ کر روٹ کی طرح اس کے ساتھ چلی رہی تھی کیونکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ کسی چیز کو کچھ کراس  
کی آنکھوں میں لینے کی چمک باند لے سکتے کی حسرت اٹھائے۔ اس لیے ہر طرف سے بے نیاز وہ جہاں نکلا وہ  
رک گئی، وہ چلا تو وہ بھی چل پڑی۔ جانے دیا کیا لے گا پھر تھا وہ ڈاکٹر پر بیٹھا تو وہ بھی بیٹھ گئی، اس کے

چہرے پر بے زاری داغ نظر آنے لگی تھی۔

”آپ شاید یورو ہو سکتے۔“ تیورغزنی نے اس کی بے زاری محسوس کر کے کہا، وہ کچھ نہیں بولی۔ ایک نظر اس پر ڈال کر گلاس والے سے باہر دیکھنے کی دعوت میں یوں لگتا تھا جیسے سمندر مونی اجمال رہا ہو لیکن چند لمحوں میں ہی اس کی آنکھوں میں جبین ہونے لگی تو اس نے اُدھر سے نظریں منائیں۔ تیورغزنی خودی چائے کے ساتھ سینڈوچز کی ٹرے اٹھا کر آیا تھا۔

”مرا اس کی ضرورت نہیں تھی، ہمیں چلنا چاہیے۔“

”ضرورت تو کسی چیز کی نہیں تھی، اس نے کہا تو وہ مگر یہ سانس سمجھ کر بولا۔

”پھر؟“ اس کے صرف ہونٹوں نے بے ہوشی کی جب کہ انھیں سوالیہ نشان بن گئی تھیں۔ تیورغزنی نے پہلے جانے لگا کہ اس کے سامنے رکھا پھر لنگ۔

”وہ ایسا ہے کہ اس روز میں نے اپنی پراہم..... نہیں براہم نہیں کہا چاہیے۔ ہاں دل کی بات آپ کے ساتھ شیئر کر سکتی۔“

”تو کیا وہ کیسا مان گئی؟“ اپنی بے اعتباری پر وہ خود ہچکچاتی تھی۔

”نہیں..... میرا مطلب ہے ابھی میں نے اس سے بات نہیں کی کیونکہ مجھے پتا کہ اس کے دل میں میرے لیے کیا ہے۔ وہ مجھ پر بند کر رہی ہے یا نہیں یہ سب جاننے کے لیے آپ بتائیں مجھے کیا کرنا چاہیے۔“ اس کی ساری باتیں کر خیریت نہ دل میں اسے گالی دی کہ اور دل تو ابوریہ بہت کچھ چاہ رہا تھا، مشکل اسے سمجھا کر گویا ہوتی تھی۔

”مرا؟“ اس کو نئی صدی میں رہے ہیں؟ کیا یہ کیسویں صدی ہے پھر دیکھنے میں آپ کوئی ایسے لمبے لٹکے بھی نہیں لگتے جو اظہار محبت کے جواب میں مہلتا پڑ جائے یا غصہ شدہ ہو۔“ اس کے سچے کی کوئی محسوس ہو رہی تھی، وہ اسے دیکھا رہ گیا۔

”میں غلط فہم نہیں مرا اب کوئی پادشہیں بنلیے پڑتے۔ آپ سید سید میرے اس سے کہہ دیں کہ آپ اسے پسند کرتے ہیں اور اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد ہائی کام کا اس کا، وہ وہاں کرے یا ناں۔“ وہ اس موضوع سے جان چھڑانا چاہتی تھی کہ کیا چاہک تیورغزنی نے اس کے دل پر ہاتھ رکھ دیا۔

”تو کیا جواب ہے تمہارا؟“

”جی..... سارے منشی جڈوں پر حیرت غالب آ گئی تھی اور تیورغزنی اس کی پوری کھلی آنکھوں میں دیکھ کر کہنے لگا۔

”جو بھی ہوں یا فداغ تمہارے سامنے ہوں، کیا تم مجھے میری فیملی کے بغیر قبول کر سکتی ہو..... میں بڑے بڑے دعوے کر کے خود کو لگا نہیں کرنا چاہتا جس اتنا کہوں گا کہ.....“ اس کا سر گئی میں بیٹے دیکھ کر وہ ایک دم خاموش ہو گیا اور جب تھا کہ خود پر ہنستا۔ وہ میرے سے بولی کہ۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا۔“ تیورغزنی قدرے خائف ہوا تھا، کہیں وہ نہ کہہ دے کہ سارہ کی موجودگی میں تم ایسی بات کیسے کر سکتے ہو، جب ہی اسے تو کہیں اور اس کی ایک ایک حرکت دیکھنے کو۔ خیریت کی نظر اسے اپنے ہاتھوں کی لکڑوں میں بھٹکنے ہوئے جانے کا تلاش کر رہی تھیں پھر اسی طرح وہ نظریں اٹھا کر ناٹو لیتی تھی۔

”جب میرے ہاتھ کی لکڑیوں میں ازل سے آپ کا نام لکھا گیا ہے تیورغزنی تو میں اسے منانا نہیں سکتی۔“ تیورغزنی نے کب سے رکی سانس پھر کر کہا کہ کمال کی گئی۔

☆☆☆

شام اتری تھی جب وہ ہماری شاہ پڑے لدی ہندی مگر میں داخل ہوئی تو پہلے مرطے پر ہی سید آپا کی

آدھ کے جا چھوڑ کر کے اس نے سید صاحبے کمرے کا رخ کیا اور تمام شاہ پڑ الماری میں بند کر کے پھر سیدہ بیگم کے کمرے میں آئی تھی۔

”السلام علیکم!“ اس نے قصد اٹھا انداز اختیار کیا تھا، سیدہ بیگم جواب کے ساتھ ہو گئیں۔

”جی، آپ کب آنیں سیدہ آپا؟“ اس نے سیدہ کے گلے لگتے ہوئے پوچھا، ساتھ اس کے بچے کو پیار بھی کیا تھا۔

”کانی ہو رہی امی نے بتا یا تم راکٹ جاؤ گی کیا لائی ہو؟“ سیدہ جیسے اسی اختصار میں چٹمی تھی اور اسے خود پتا نہیں تھا تیورغزنی نے وہ ساری شاٹنگ اسے تھیادی تھی۔

”کچھ خاص نہیں شہرینہ کے لیے سوٹ لینا چاہ رہی تھیں لیکن مجھ میں نہیں آئے۔“ اس نے بتاتے ہوئے شہرینہ کو آٹھ ماری برس سے وہ بھی سیدہ کے سامنے نہیں دکھانا چاہتی پھر کئی منہ پھلا کر بولی گئی۔

”کئی ہندی میں، میں کیا پہنوں گی؟“

”کوئی ضرورت نہیں ہندی وہ ہندی میں جانے کی، یہ کوئی موقع ہے خوشیاں منانے، خالہ نے بھی احساس نہیں کیا۔“ سیدہ بگڑ گئی تھی۔

”کیا ہو گیا ہے سیدہ آپا خالہ اسے اجازت لے کر ہی یہ سب کر رہی ہیں، مجبوری تھی امی کی۔“ خیریت نے سمجھا چاہا وہ اور بگڑ گئی۔

”کئی مجبوری..... دیکھتے رہے ہیں امی کی عدت ختم ہونے میں، اس کے بعد کی تاریخ رکھ لیتیں، کیوں امی؟“

”میں چپ ہو جاؤ۔“ سیدہ بیگم اس بحث میں نہیں اٹھنا چاہتی تھیں۔

”میں تو چپ ہو جاؤ گی، دنیا کیا کہے گی۔“

”دنیا کو پھوڑیں یہ بتائیں آپ نہیں کیا شادی میں۔“ خیریت نے گویا چلتی پر تپتی بیگم کا تھا۔

”لیٹی بیٹی میرے سال میں باتیں نہیں سہیں کہ چاہ کو کمرے سے جھڑک دوں نہیں ہوئے اور اسے شادیاں سوچ رہی ہیں۔ میں نے تو کسی کو بتایا بھی نہیں، طلاق تو کبھی نہیں چاہا اور خیر اہم توگ بھی ان کے سامنے ذکر کرتا۔“

”نہیں کریں گے۔ آپ اب ایک بات بتائیں اگر اس وقت میرے لیے کوئی پر پولز آ گیا تو کیا آپ صرف اس لیے منع کر دیں گی کہ یہاں باؤں کا موقع نہیں ہے، چار مہینے بعد آئے گا۔“ اس کی بات پر لا جواب ہو کر سیدہ نے سیدہ بیگم کو پکارا تھا۔

”ایک دیکھ رہی ہیں یہ مجھے کیسے منج کر رہی ہے۔“

”کوئی نہیں، میں نے تو ایک بات کی ہے۔“ وہ ہنسنے ہوئے کمرے سے نکل آئی، اب وہ کیسے ہائی کا اس کا دل اٹھایاں کرنے کو چاہ رہا ہے۔

”خیر.....“ شہرینہ کی پاکار وہ ان ہی کر گئی اور آسان کی دستوں میں کچھ تلاش کرنے کا شغل جاری رکھا۔

”کیا یاد کیج رہی ہو؟“ شہرینہ اس کے کمرے میں آئی۔

”اپنے بخت کا ستارہ۔“ وہ کہنے کے ساتھ ہنسنے لگی۔ ”وہ دیکھو۔“ دیکھو شہرینہ! اکتا روشن ہے۔“ شہرینہ نے سب اختیار اس کی اٹھی کے اشارے کی دست نظریں اٹھائیں پھر ایک دم بھٹک گئی۔

”کیا یہ فتویٰ کی باتیں کر رہی ہو کم از کم تم پر ایسا باتیں باطل سوٹ نہیں کر سکتی۔“ وہ ہاتھ نیچے کر کر

پوری شہرینہ کی طرف گھوم گئی۔

”کیونکہ جیسے میں تم جیسا کچھ دار کھتا ہوں۔“ شہرینہ ہنسی تھی۔

”آف! میں تو دہری کی مٹی میں نہیں تم مجھے بوڑھی نہ کہو۔“ اس نے کہا تو شہرینہ چھینرنے سے باز نہیں آئی۔  
”بیسے میرا ایک مطلب تھا۔“

”شٹ اپ۔“ بڑا ڈسینڈر آکا کیا بدگرا ہے؟“ اس نے ٹوک کر پوچھا۔

”کھانا کھا کر جائیں گی اور اسے۔“ کھانے کے ساتھ ہی شہرینہ کو کانا یاد آیا تو بچن کی طرف دوڑ لگا دی جب کہ اس کا بالکل دل نہیں جا رہا تھا کوئی کاس کرنے کے خواہش مند اور آکا کچھ شہرینہ کی مدد کر دے لیکن پھر سر جھٹک کر وہیں جن میں بیچہ کی گورکھ سدی کا دروٹ چٹا کھانے شام میں کھلی چوڑھ جاتی تھی اور اسے تنگ تھا وہی گنگ دہری کی۔

وہی بات دل کا موسم اچھا ہوتا سب اچھا لگتا ہے ہر طرف سے بے نیاز وہ ان گھوں میں گھونگی جب تیور غزنی نے اس کی دل پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ اس کی ایک ایک بات سمجھتی اور وہ اس میں ہر اسے کی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی خواب ہو جس نے اس پر رحم طاری کر دیا تھا اور وہ اس سے محبت لکھنا نہیں چاہتی تھی۔  
”تھی دیر ہو گئی سرسختی شام سے یاد اور وہی اوڑھ لی تھی لیکن اسے کوئی ہوش نہیں تھا جب شہرینہ نے پکارا جب چہ کتنے کے ساتھ ہی اس نے بھر پوری کی، اچانک شٹنگ کا احساس ہوا تھا۔

”بہار پڑنے کا ارادہ ہے کیا؟“ شہرینہ کہہ رہی تھی۔

”ہاں۔“ دل چاہ رہا ہے شاید کوئی عیادت کو آ جائے۔“ وہ اپنی خود کلاہی پر خود ہی معقول ہوتی اچھے کر اندر آ گئی۔

پھر کھانے کے بعد طاق اپنے بچوں کو لے کر چلا گیا تو معمول کے مطابق حیدر عظیم کے سونے تک وہ ان کے پاس بھی پھر اپنے کمرے میں آئی تو شہرینہ بری طرح بھٹکا رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی بولی گئی۔

”کھانا کھا رہا ہے تم نے میرا سٹ، میں ڈھونڈ ڈھونڈ تھک گئی۔“

”میرے نہیں ہے تم۔“ اس نے الماری کے اوپر سے چائی اٹھا لے ہوئے کہا پھر شہرینہ کو دیکھ کر بولی۔

”دیکھو شہریت چائے آرام سے ساری شام چائے دیکھنا۔“

”کسا مطلب؟“

”کوئی مطلب نہیں، یہ۔۔۔“ اس نے چائی شہرینہ کے ہاتھ پر رکھی اور خود کھل میں اتنی باقی مار کر بیٹھ گئی اس کی بے نیازی میں اسرار تھا۔ شہرینہ الماری میں سے شاپر نکال نکال کر بیڈ پر رکھتے ہوئے حیرت میں مبتلا بھی پھر خود ہی تو اسی حیرت سے پوچھنے لگی۔

”کیا کیا لے آئی ہو؟“ وہ بڑی اٹنی شامک کے لیے جیسے کہاں سے آئے؟“

”ہنسوں کا حساب کتاب بعد میں کرنا چاہیے یہ دیکھتے ہیں۔“ وہ کہہ کر شاپر زمین سے ڈبے نکال نکال کر کھولنے لگی۔ بہت خوب صورت ریڈی میڈ سوتے، اس کے علاوہ میں جیولری کی مینی رسٹ اور ایسے ہی جیتی مو بال فون پر لٹو۔ ایک ایک اشتیاق سے دیکھتے اور دل کھول کر تعریف کرنے کے بعد شہرینہ کا پھر وہی سوال تھا۔

”اے تم جیسے کہاں سے آئے؟“

”بولس ملتا تھا۔“ اس نے جیتی تیل فون پر نظریں جماتے جواب دیا تھا، اصل میں وہ کچھ عجیب سا محسوس کرنے کی گئی کیونکہ وہ اگر میر نہیں گئی تو غریب بھی نہیں گئی۔ وہ گھلوں کے خواب نہیں دیکھتی تھی، اس کے دل نے

تیور غزنی کی تنہائی میں اور اس کے لیے وہی سب کچھ تھا۔

”اس نے مجھے یہ سب کیوں دیا؟“ دو سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

آج تیسرے دن بھی حذرہ آفس نہیں آیا تھا تو ریکو کا اچھا ہوا۔ کسی اور سے اس کے بارے میں پوچھنے کے بجائے وہ سید کی حسان صاحب کے درم میں آئی تھی۔

”ڈیڈی! مسٹر حذرہ نہیں آ رہے، بلو پر ہیں کیا؟“  
”نہیں، اس نے یہاں سے ریزن آ کر دے دیا ہے۔“ حسان صاحب نے مصروف انداز میں یوں جواب دیا جیسے ان کے نزدیکی اس کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

”ریزن آ کر دے دیا، کیوں؟“ ریکو کا کچھ لگا تھا۔

”آئی ڈیڈی! مجھے نہیں معلوم“ ہو سکتا ہے اسے یہاں سے اچھی جا مل گئی ہو۔“ حسان صاحب نے بے نیازی سے کہہ دیا کہ تو وہ ایک اس کیفیت سے نکالنے کی خاطر تیل پر ہاتھ مار کر کھینکی۔

”لیکن ڈیڈی! وہ ایسے کیسے جا سکتا ہے، آئی میں اسے پہلے سے ان تارم کرنا چاہیے تھا۔“ جیتی کا کینی دول (اصلی) ہے، آپ نے اس کا ریزن قبول کیسے کیا؟“

”کیونکہ وہ میری گھنٹی کے لیے اتنا اہم نہیں تھا، اس کے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ حسان صاحب نے کہا تو وہ دیر لگتی سے بولی گئی۔

”مجھے فرق پڑتا ہے ڈیڈی! کیونکہ میرے لیے اہم ہے۔ کیا آپ کو بھی یہ نہیں بتایا۔“

”ریکا۔۔۔“ قصہ ضبط کرنے کی سعی میں حسان صاحب کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

”میں!۔۔۔“ جیتی کا جیتی آپ اسے دابھیں ملائیں۔“ وہ کہہ کر ان کے درم سے اور پھر آفس سے نکل آئی۔  
اس کے اندر عجیب سی بے چینی تھیں جیتی، وہ دنیا میں ایسا تو کچھ بھی نہیں تھا جو اس کی دوسرے سے باہر ہو۔ گاڑی

پانک سے نکالنے ہی اس نے تیل فون ان اٹھا کر حذرہ کا نمبر پوچھ لیا تھا۔  
اس وقت دن کے بارہ بجے تھے حذرہ ایک جگہ سے نکل پڑے کر لگا تھا اور کیونکہ اسے وہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ لاٹرو پھول گاڑی میں ہے ورنہ ٹیکشن بیلے ہی ہو چکا تھا جب ہی وہ خاصا مایوس اور دل برداشتہ مایوس بھی سوچی

ہاتھ میں پیدل مٹرائی کر کے کہ اس کی جیب میں تیل فون بیٹھے گا، اس نے تیل فون نکال کر دیکھا جیتی فون بھر تھا۔  
”شاید نہیں اور سے کال آئی ہو۔“ اس خیال سے اس نے فوراً کال کی تھی۔

”ہیلو۔۔۔“

”حذرہ! آپ نے ریزن آ کر کیوں دیا؟“ دوسرے سے ریکو نے چھوٹے ہی پوچھا اور دوسرو مل کر بولا تھا۔

”تمہارا جواب ہے۔“

”میری وجہ سے۔۔۔“ حذرہ حان بولی۔ ”میں سمجھی نہیں؟“

”آپ بس آئی تاکہ مجھے تیل فون کا نمبر یاد ہو، آج آج اس کا نمبر کو چھوٹے کی زحمت مت کیجیے گا۔“ حذرہ نے کہہ کر ان کا کٹ دی گئی۔

”اے۔۔۔“ ریکو نے غیبتی سے اپنے تیل فون کو دیکھا پھر وہ بارہ کلاہی ملائی، دوسری طرف تیل جاری تھی

پھر ناٹ ریسٹارنگ کا ٹیپ بیٹھے گا۔ اس کے باوجود وہ بار بار اس کا نمبر پوچھ رہی تھی، وہی اسے حساب سے اس پر غصہ اور جھجھلا ہوا دوسری کی۔ ”انگ انگ مجھے لگا تھا“ اس نے موبائل رکھ کر گاڑی گھر کے راستے پر ڈال دی۔

وہ گھر سے پوچھنا چاہتی کی کراس کی حسان صاحب سے گزرنے کے بارے میں کیا بات ہوئی تھی لیکن پھر گھر



پتھ کر اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ غم سے کچھ پوچھنے سے پہلے وہ جزو سے بات کرنا چاہتی تھی، اپنے کمرے میں آئے ہی اس نے پہلے جزو کو کھینچ لیا۔  
 ”جزو! پلیز ریسیو مائی کال۔“ جواب بخار دیا۔ اس نے پہلے کال ملی پھر پتھ کر کیا۔  
 ”جزو! میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔“ وہ بار بار اسے یہی نتیجہ پہنچاتی رہی اور میں شام میں کہیں جا کر اس کا جواب آیا تھا۔

”میں ابھی تین چار دن بہت مصروف ہوں اس کے بعد۔“  
 ”اس کے بعد.....“ اس نے سوچا پھر سر جھک کر گہری سانس کھینچی تھی کہ جزو کی بات واضح نہیں تھی پھر بھی وہ قدرے مطمئن ہو گئی تھی۔ اس لیے جب حسان صاحب آئے تو اس نے ان پر کچھ ظاہر نہیں کیا اور مگر وہ اپنی دوست نانیک سے پاس جانے کا کہہ کر کمرے سے نکل آئی تھی۔

☆☆☆

خزینہ کے کہنے پر جزو شام میں ہی فارغہ دیا تو اس کے کمرے آئے تھا کیونکہ خزینہ اور شہرینہ کو کزن سعد سے کی مہندی میں جانا تھا تو جیدہ بیگم کے اکیلے ہونے کے خیال سے اس نے جزو سے کہا تھا کہ وہ بھی جان اور دیا کو تین چار دنوں کے لیے ان کے ہاں چھوڑ دے۔ جزو کا خیال تھا وہ انہیں چھوڑ کر واپس آ جائے گا مگر ان کے حمیدہ بیگم نے اسے تو لڑکیوں کے ساتھ جانے کا کہہ دیا۔ اسے اعتراض تو نہیں تھا لیکن عجیب سا گھبراہٹا کردہ وہ بن جایا مہمان بنے۔

مگر ہر حال اس نے جو رپیکہ کو کھینچ لے کر غرض سے کہہ دیا تھا کہ ابھی تین چار دن وہ بہت مصروف ہے تو واقعی تین چار دن وہ ادھر مصروف رہا تھا۔ اس کے ساتھ وہ چاب کے لیے بھی کوشش کر رہا تھا۔  
 اس وقت وہ چاب کے سلسلے میں ہی ایک دیرینہ ساعی سے ملے جا رہا تھا کہ رپیکہ نے گاڑی اس کے قریب روکنے ہی اور واٹر کھول کر اسے پکارا تھا۔

”جزو.....!“ وہ جو بائیک لاک کر کے مطلوبہ بلڈنگ کی طرف قدم بڑھا رہا تھا ہی چاہتا تھا کہ اپنے نام کی پکار پر بلارا دروازہ کھلتے ہی ٹھٹک گیا۔

”جزو! پلیز! مجھے اس کے کچھ بات کرنی ہے۔“ رپیکہ کہنے کے ساتھ اسے گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ بھی کر رہی تھی۔ اس کا دل چاہا پھر کی شوکر سے اس کی گاڑی کا دروازہ بند کر دے لیکن پھر کچھ سوچ کر وہ اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

”آپ کی مصروفیت ختم ہو گئی ہے؟“

رپیکہ نے گاڑی آگے بڑھا کر ہوائی پتھر سے غائب بات کرنے کی غرض سے یونٹی پر چھٹا تھا اور کیونکہ وہ فیملی نہیں کر رہا تھا کہ اسے اس لڑکی کے ساتھ کیا وہ یہ اختیار کرنا چاہے اس لیے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تو پھر وہ بھی اصل بات پر آئی۔

”مجھے یہ پوچھنا تھا کہ آپ نے ریوٹن کیوں دیا اور پھر آپ نے کہا میری وجہ سے تو میری وجہ سے کیوں؟“

”پہلے آپ بتائیں، آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟“ جزو نے سامنے نظر نہیں جھانکے اس سے پوچھا وہ دھڑلے سے بولی تھی۔

”میں آپ کو ہمیشہ اپنے ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں۔“ جزو اس کی بے باکی پر ششدر رہ گیا اور وہ مزید گویا ہوئی۔

”اگر مزید ملنا چاہتے ہیں تو سنیں، میں نے اپنے دل کی ریاست آپ کو سونپ دی ہے اور اس پر صرف آپ ہی حکمرانی کر سکتے ہیں اور کوئی نہیں۔“  
 ”آپ.....“ بے حد سگ کر جزو کھنکھاتا ہوا تھا کہ اس نے ٹوک دیا۔  
 ”ایک منٹ جزو! ابھی آپ کچھ نہ کہیں کیونکہ غصے اور جذبات میں کیے گئے فیصلے ہمیشہ پچھتاوے سے لے کر آتے ہیں۔“

”تو پراپر لائن سمجھتا ہوں کہ آپ بائیں گاڑی روکیں۔“ وہ اس کی مزید بکواس سننا ہی نہیں چاہتا تھا۔  
 ”ایسا مت کہیں جزو! اپنی اب تک کی زندگی میں آپ نے پایا کیا ہے اور آئندہ بھی میں آپ وہ کچھ نہیں پائے گا جو آپ کو میرے ساتھ سے حاصل ہوگا۔“ وہ بہت سکون سے جزو کے ساتھ اس کی زندگی کا سوچا کر کہا دہی گئی۔

جزو نے سختی سے اپنی ہونٹ سمجھنے لے کر کہہ کر لڑکی پر چلا دو وہ مردانگی کی توہین سمجھتا تھا۔ اس لیے چہرہ موز کر شیشے سے باہر دیکھنے لگا اور رپیکہ سے کب کسی نے منہ مڑوا تھا وہ پہلا شخص تھا اور اس کی ایسا کرنے والے ضد دلانے کے ساتھ اندر سے تو دھیمی رہی تھی۔

”جزو! آپ مجھے کی کوشش تو کریں۔“ جانے کیا تھا اس کے لہجے میں کہ ایک دیکھ دم اسے دیکھنے کا بلاشبہ وہ بہت خوب صورت کی بھی ساہ ہوگا۔ سے پہلے اس کی آنکھوں میں اپنی کتنی کارفرورام کرتا نظر آ رہا تھا۔  
 جزو کی سمجھ میں نہیں آ یا اسے کیسے روکے بغیر خود کو بولنے پر آمادہ کر پایا تھا۔

”بھئی میں کس رپیکہ آپ نے اپنی طور پر سمجھا لیا کہ میں نے اب تک زندگی میں کچھ نہیں پایا ایسا کچھ نہیں ہے۔“ یہ ٹک میرے پاس سب کچھ نہیں ہے لیکن اللہ کا شکر ہے اب ضرورتوں کے لیے مجھے بھی ترسنا نہیں پڑا اور بکواس میرے لیے بہت ہے۔“

”لیکن جزو!“  
 ”پلیز.....“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”مجھے کی ضرورت مجھے نہیں آپ کو ہے۔ آپ اپنے دل کی ریاست ایسے شخص کو سونپنا چاہتی ہیں جس کا اس کا دل نہیں ہے۔“

”اس کا فیصلہ وقت کرے گا، آپ اپنے خول سے باہر نکلیں۔“ رپیکہ نے کہا تو وہ شخص اس سے جان چھڑانے کی غرض سے بولا تھا۔

”لیکن ٹھیک ہے میں سوچوں گا۔“

”ضرور، میں بھی جانتی ہوں۔“ رپیکہ خوش ہو گئی جب کہ وہ کچھ اور سوچنے لگا تھا۔

☆☆☆

وہ سونا کے بچوں کے ساتھ کمر کھیلنے ہوئے خوشی بچہ دہا تھا، ماما کی نظریں بار بار اسے دیکھ رہی تھیں۔ کتنا خوش نظر آ رہا تھا وہ اور اب تو ماما کی اسکی خوشی کے لیے دعا بھی نہیں کرتی تھیں کہ اللہ اس کے آئین میں ایسے پھول کھلائے، جب ہی ان کی آنکھوں میں حسرت بھی جسے محسوس کر کے سوچا سرگوشی میں پوچھنے لگی۔

”کیا سوچ رہی ہیں ماما؟“

”ہیں.....“ چو گئے کے ساتھ ماما کے سینے سے آہ کی صورت سامنے خارج ہوئی تو سونپانے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

”میں جانتی ہوں ماما! یہ دکھ آپ کو اندر سے کھوکھلا کر رہا ہے۔ ہاتھ تو سمجھتا کر لیا ہے لیکن آپ نہیں کر پا رہیں اور دیکھیے گا ابھی نہیں تو وقت گزرنے کے بعد باکھی احساس ضرور ہوگا۔“

”وقت گزرنے کے بعد۔۔۔“ مانے ٹپ کر سونا کد کھنکھاتا۔  
 ”سورہ! اما بات کر ڈی ہے لیکن بھی ج ہے، مجھے سارہ سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ آپ کی اور بابا کی طرح مجھے بھی وہ بہت عزیز ہے لیکن آپ کا، تیور کا وارث بھی تو ہونا چاہیے۔“  
 ”آپ بابا کو کونش کریں؟“ خرب تک تیردوروں کے بچوں کے ساتھ خود کو بھلاتا رہے گا اور کیا آپ کا دل نہیں چاہتا کہ آپ کو دادی کے؟“ سونا نہایت نرمی سے انہیں اس قدر سی کی۔  
 ”تہارے بابا نہیں مانیں گے۔“ مانا کا انداز گویا ہوا تھا، وہ یہ یکدم پر جوش ہو گئی۔  
 ”اور آپ؟“  
 ”میں تہارے بابا کے خلاف نہیں چاہتی۔“ انہوں نے بے بسی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔  
 ”اسی لیے تو میں کہہ رہی ہوں آپ بابا کو آدھ کریں، اس وقت تک بیک میل کریں، انہیں تیور کا احساس دلائیں۔“ خود کو بلا ہا بن گئے اس سے چارے کو بھی بنے دیں۔ ”سونا دروازی میں جوت میں آیا کتنی چلی گئی۔  
 ”بس، بس کر سونا اب اس جوت میں مجھے کمرے لگاؤ کی کیا۔“ مانے ٹپ کر کہا تو وہ حیرت سے ہوئی۔  
 ”جیں آپ کو کون کمرے نکال سکتا ہے؟“  
 ”تہارے بابا کی بھی چاہتا انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے تیور کو دوسری شادی پر اکسایا تو پھر اس گھر میں میرے لیے کچھ نہیں ہوں۔“ مانا کی بات پر سونا سگ کر رات بیتی کی گپ تیور کی پکار کر پوچھنے لگا۔  
 ”سونا نی آئی ام کوں بچوں کو آؤ کھ پلے چارے ہیں آپ کھیں کی؟“  
 ”نہیں تم لوگ جاؤ اور ذرا جلدی آ جانا، مجھے کھرہ کی جاتا ہے۔“ سونا نے صرف اس لیے منع کیا کہ مانا کو راضی کر سکے۔ اتفاق سے اس وقت بابا کھر پر نہیں تھے اور وہ یہ موقع کھوتا نہیں چاہتی تھی۔ جب ہی تیور لوگوں کے جاتے ہی وہ بھر ضرور ہو گئی تھی۔

”عد کرئی میں اما بابا کی دیکھی سے آپ ڈر کر بیٹھ گئیں، یہ دیکھ کر تو آپ کو انہیں دینی چاہیے۔“  
 ”بے کار بحث کر سونا! تیور بھی نہیں مانے گا۔“  
 ”اسے میں متاؤں گی۔“ سونا فوراً بولی کی مانا بھی میں سر ہلانے لگیں تو وہ چھوٹی چھوٹی۔  
 ”کیسی بان ہیں آپ،“ سنے کا احساس نہیں۔ ”کلم کر رہی ہیں آپ اس پر اور اپنے آپ پر بھی۔“ اللہ نے آپ کو سب کچھ دیا ہے، حتیٰ کہ پھر کی آپ سناؤں میں پڑی ہیں۔“ ذرا دیکھیں ان درود پر اور وہی دیرانی کی ہے۔“  
 ”اللہ کی ہی معذور ہے۔“ مانا کے آدھ بھر نے سونا نے اپنا سر بیٹھ لیا تھا۔  
 ☆ ☆ ☆

وہ اس کی محنت نہیں تھی چر اظہار کے بعد اس کا اعتراف کن کہ ہواؤں میں اڑنے لگتا اور اس کے انتظار میں بل بل گنتا۔ وہ جوتین د بعد آنے کا کہہ نہی تو آج چوتھا دن تھا۔ وہ معمول کے مطابق اپنے کام میں مصروف تھا جب خبر پڑنے اس کے روم میں داخل ہو کر سلام کیا جب پوچھنے کے ساتھ اس کی آنکھوں میں تین دن پہلے کی شام آڑا کی تھی جب کہ وہ تو اس خبر سے کئی ہی نہیں کی۔  
 ”پلیز۔“ تیور فزنی نے اسے بیٹھے کا اشارہ کر کے پوچھا۔ ”کیسی ہیں آپ؟“  
 ”سورہ! میں آج کچھ لیٹ ہو گئی۔“ وہ بیٹھے ہوئے بولی، اس کی بات کا جواب سر کے اشارے سے دیا تھا۔  
 ”تو پراہم اب یہاں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے ہٹا کر سجدہ کیے کہ تو وہ نہ کچھ کر پریشان

ہو گئی۔

”جی؟“

”جی، ہم اب آپ کی ضرورت میرے گھر میں ہے۔“ وہ اس کی کھلی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا تو قدرے نرم ہو کر اس نے ٹپکٹپک جھکا لی۔  
 ”پھر میں کب آؤں تمہارے گھر؟“ وہ زیادہ دل چاہی نہیں کر سکتا تھا۔  
 ”جی۔۔۔۔۔“ وہ بھول گئی تو اسے پوچھا۔  
 ”کوئی پراہم ہے؟“

”نورس۔۔۔۔۔ بس ابھی آپ آتی جلدی نہ کریں، میرا مطلب ہے پہلے میں خود اپنی در سے بات کروں گی اور جب وہ وہیں تک ج۔۔۔۔۔“ وہ قدرے ہلکے آواز پر بولی۔  
 ”تم ان پر ساری صورت حال واضح کر دینا، آئی میں اپنی جگہ کے بارے میں، میں نے نہیں جانتا ہے۔“  
 ”جی ساری میں بھی جانتی ہوں۔“

”پلیز اب یہ سرسری کر دن چھوڑو میرا نام کوئی اتنا مشکل نہیں ہے جاہو تو صرف غزنی کہلو۔“ اس نے ٹپ کر کہا تو وہ کھلا ہونٹ داخوں میں دبا کر اسے دیکھنے لگی، اب اسے کیا بتانی کہ اس کا دل تو ازل روز سے اسے غزنی غزنی پکارتا ہے۔  
 ”اور ہاں، میں چاہتا ہوں کہ میں ان دے دو کیکڑا کر یہاں کی کو بھی ہمارے بارے میں شہ ہو گیا تو میں بڑی مشکل میں پھنس جاؤں گا۔“ کھرہ ہی ہوا، میرا مطلب ہے بات میرے گھر تک پہنچ سکتی ہے۔“

”تو کیا آپ بھی کھی کھی۔۔۔۔۔“ وہ اندر سے خائف ہو گئی تھی۔  
 ”دیکھو میں تمہیں کوئی جھوٹی آس نہیں دلا سکتا، امی چوتھے گنا کے کیرے والدین بھی نہیں مانیں گے تو میں نے تمہیں بتا دیا ہے۔ ہائی وقت پر چھوڑ دو ہو سکتے ہیں مگر ان کے دل نرم ہو جائیں۔ میرے لیے نہیں تو میرے بچوں کے لیے۔“ بہت سنجیدگی سے بات کر رہا تھا پھر بھی اس کی آخری بات اس کے چہرے پر دیا کے رنگ بگھڑ گئے تھے تو انہیں اس نے محسوس کیے یا نہیں، اپنی بات جاری رکھتے ہوئے گئے۔  
 ”بہر حال تم سے زیادہ مجھے اس وقت کا انتظار ہو گا اور ہاں یہاں پر انہیں دے کر تم کہیں اور جاہ کرنے کا مت سوچنا، نام سے گھر بیٹھو۔“ میں نہیں دوہینے کی سہلی کی دے دوں گا۔“  
 ”نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ بڑبڑا ہو گئی۔

”بات ضرورت کی نہیں تھی ہے اور اب تو تم مجھ پر ضرورت کے علاوہ خواہشات کا بھی حق رکھتی ہے، آئی کچھ۔“ وہ ایک اس کی آنکھوں میں دیکھ کر خوشی سے مسکرایا تو اس کے سارے خدشات اپنی موت آپ مر گئے، سنبھل کر بولی تھی۔

”مجھے آپ کے ساتھ کے علاوہ کچھ نہیں چاہیے غزنی!۔“  
 ”اور تمہیں تمہارے ساتھ سب کچھ۔“ معنی خیر مسکراہٹ بھی اسے دے پھر نرمی ہو گئی تو ادھ کھڑی ہو گئی۔

”میں چلتی ہوں۔“  
 ”کیسے جاؤ گی؟“

”جیسے آئی گئی۔“ وہ کھڑکی تو بے اختیار تیور غزنی نے اٹھ کر اس کے لیے دروازہ کھول دیا۔ انہانے میں وہ اسے مان دے کیا تھا اور پھر دیکھا ہی نہیں کہ اس مان نے اسے کتنا پریشان بنا دیا تھا۔

# منہا حسن علی

## اٹلس اوج کے



☆☆☆

جزو نے کیونکہ فخر کو اپنی جاب جانے کا نہیں بتایا تھا اس لیے وہ گھر نہیں بیٹھ سکا تھا۔ روزانہ آنس ہنم پر ہی گھر سے نکل جاتا، ماہیں انڈر پوئیں ہی دیکھتا، اس کے بعد ادھر ادھر وقت گزارتا جس سے اب وہ تنگ آ گیا تھا۔ اس وقت اسے کچھ مجھ میں نہیں آیا تو حیدرہ بیگم کی زیر نگرانی معلوم کرنے کے کہانے ان کے پاس آ گیا تھا۔

”آج آگئی نہیں گئے؟“ حیدرہ بیگم نے چھوٹے ہی پوچھا۔  
 ”نہیں، کچھ گھر کے کام نمٹانے تھے اس لیے آج چھٹی کر لی اور ابھی سوچا آپ سے بھی پوچھ لوں کوئی کام۔“ وہ انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا تو حیدرہ بیگم یاد کرنے میں لگ گئیں کہ انہیں کیا کام تھا۔ تب ہی خزیدہ آگئی، بے وقت آمد کی جب ہی حیدرہ بیگم فوراً اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔  
 ”جلدی آگئی بیٹا! تیرے۔“

”جی، پچھلی ہوئی۔“ خزیدہ گئے اگلے اگلے ایک سے خوشی پھوٹ رہی تھی، پر اس ایک طرف اچھا لکھو کہ وہ کہنے لگی۔  
 ”تم اس وقت کیسے؟“  
 ”میں نے کسی آج چھٹی کر لی۔“ وہ کہہ کر حیدرہ بیگم سے پوچھنے لگا۔  
 ”جی تائی جان آپ بتائیں۔“

”کیا بتاؤں، ذہن سے ہی نکل گیا۔“ انہیں کیا کام تھا خزیدہ کا کہہ دیتے ہی روتے ہی رہے ہیں، تم یہ بتاؤ۔“ حیدرہ بیگم جانے کی پوچھنے جاری ہیں کہ خزیدہ کو کیا گھر کا سونو ہو گئیں۔  
 ”پوچھ لیں، جو پوچھنا ہے، میں جاری ہوں۔“ خزیدہ کہہ کر کھینچے ہوئے ان کے کمرے سے نکل گئی تب حیدرہ بیگم آواز دبا کر کہنے لگیں۔  
 ”تم نے شرنیل کو دیکھا ہے نا، ابھی اس کی بہن کی شادی میں بھی تمہاری اس سے ملاقات ہوئی ہوگی، کیا برائی ہے اس میں؟“

”جی۔۔۔۔۔؟“ جزو بھانپیں۔  
 ”ہاں بتاؤ کیا برائی ہے اس میں؟“  
 ”میں کیا کہ سکتا ہوں تائی جان! امیرا مطلب ہے میرا اس سے زیادہ ملنا جلتا تو نہیں ہوا دیسے بھی آپ زیادہ بہتر جانتی ہوں گی، کیوں کوئی بات ہوئی ہے کیا؟“ وہ بہت سچل کر بول رہا تھا۔  
 ”ارے بات کیا ہوئی ہے، میری بہن اس کے لیے خزیدہ کا گھبراہٹ ہے۔ پڑھا لکھا، لکھا ہوا لاکا ہے لیکن خزیدہ ان کے نہیں دے رہی۔“ حیدرہ بیگم کہاں تو خزیدہ کو نہ نہیں لگائی تھیں اور اب ای بر مجھو سا کر رہی ہیں اور وہ حیدرہ بیگم سے پوچھنا چاہے کیونکہ یہ بات شہر میں بھی اسے جا چکی تھی کہ خزیدہ نے شرنیل کا پرنسز رینجیٹ کر دیا ہے۔

”بیٹا تم بات کر خزیدہ سے۔“ حیدرہ بیگم اسے بولے پر آمادہ نہ کیے کر خود ہی کہنے لگیں۔ ”بلکہ سمجھاؤ اسے، آج کل ایسے ہی اچھے رشتوں کا کال پڑا ہے۔ تمہارے تایا جان زندہ تھے تو مجھے زیادہ فکر نہیں کی اب تو فکر میں ہی فکر میں ہیں۔“

”فکر نہ کر تائی جان! میں بات کروں گا خزیدہ سے۔“ اسے کہنا پڑا۔  
 ”ہاں بیٹا! سمجھاؤ اسے، میں اس سے فارغ ہوں تو شہر یہ کہہ دوں گا سوچو، تمہاری اماں کو بھی جلدی ہے۔“  
 ☆☆☆

حیدرہ بیگم نے کہا تو وہ خوش گوار حیرت میں گھر گیا تھا۔  
 (باقی ان شاء اللہ آئندہ سہ ماہ)







ہوں۔ فارہ نہیں سمجھے گی، مجھ جیسوں کو تو محسوس ہوتی بھی نہیں۔ میں انسان نہیں ہوں نا، ایک مشین ہوں، جو بس کام کرنا چاہتی ہے، جس کے دل کی جگہ انجن فٹ ہوتا ہے۔ ان چار سالوں میں، میں نے حقیقتاً اپنی دوائی کا نافرمان نہیں ہوئے دیا۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر کران کو دیکھا۔ جینے بہت لاہر دیا تھا، میں نے اس کے کسی بری کھئی میں نہ پڑ جانے کی وجہ سے ہمیشہ اس پر قہر دیا۔ اس کی اسٹیز کا خیال رکھا۔ سونا آج کی لڑکی ہے نا، اس کی تمام ضروریات کا خیال رکھا۔ آپ سب کے لیے وہ سب کچھ کیا جو فاروق بھی ہوتے تو یہ کرتے اس کے آکر سب میں کچھ نظر انداز ہوا وہ بھی "میں" اور میری "جینی"۔

"آج ایک شخص نے پردہ پڑ کیا تو آپ لوگوں نے یہ کچھ کر دیا۔ ساری محنت، سب کچھ میں دل لگی۔ آپ سب کی خوشیاں خواب، خواہش پوری کرتے کرتے میں نے اپنے آپ کو مار دیا۔ اور آپ سب نے میرے لیے کیا؟ چار سالوں کے بدلے لے بھی تو "چار" لفظ۔ میں تو تاج دیوی بن گئی، سب قربان کر لی گئی۔ جان دینے کی نوبت آئی تو ایک سیکنڈ نہ سوچتی، اسی وقت دے دیتی۔ انسان نہیں ہوں نا۔" میں نے اپنی سسکیاں ہنسیں روک لی تھیں۔

"میں تو بہت بے وقوف ہوں۔ قربانیاں اور تیاگ تو وہاں دیے جاتے ہیں جہاں بدلے میں کچھ ملے۔ اور یہاں تو راکھ ہی ملے گی۔ کھالوں یا سرمے ڈالوں؟ میری عالجی کتنی ہے نمازی کتنی بہت تھوڑی ہے، اسے اور کم مت کریں۔ واپسی ہر بار آپ کو زندہ کر دینا یہ کتنی اہم اور بڑے بڑے نہیں سمجھتے۔

**سورق کی شخصیت**

ماڈل ..... رائیہ خان  
 مہک اپ ..... روز بیوٹی پارلر  
 فوٹو گرافی ..... موسمی رضا

☆ ☆

شام کے سامنے بڑھ رہے تھے۔ بارک میں معمول کی چھل چھلک مٹرب کی اڑانوں کے ساتھ ہی کم ہوتا شروع ہو گئی تھی۔ اب اکا دکا لوگ ہی بارک میں نظر آ رہے تھے۔ وہ بارک کے ایک الگ ٹھکانے کو نشہ میں بیٹھ کر پرتھی کھاتے تھے۔ براؤن رنگ کی مثال اس کے کھنکھانے سے ہوتی، چورے، چورے، چورے جو سر سے تھالی کے ڈھلک جانے کے باعث آرازی سے ہوا کے ساتھ اٹھکھٹانے لگے۔ نغمہ میں بارک کے بعد کی مٹی کی مٹی میں خوشبو پھیل رہی تھی۔ ہلکی خنڈی کی دھواں اور لطف بنانے والی مٹی کے بریک کے وہ جی پھونڈا رہی تھی، دودھ افق پر نگاہ گرائے ہوئے تھی۔ اس کی آنکھوں کے زیرِ کمرے سرخ تھے۔ آنکھیں میٹھی ہوئی معلوم دوری میں۔ بال اڑنے کے چہرے پر بکھر رہے تھے۔ دھواں بھونک رہا تھا۔ وہ تو بھٹی اڑتی قسمت کو دوری تھی۔ لہاں، قسمت کو دوری رہا تھا۔ یہ شاید اس سے تکلیف کچھ کم ہو جاتی۔ یہ موسم کی دل فریبی، بہار کی آمد یہ سب تو انہی میں بھاتا ہے جن کا دل آباد ہوا اور اس کا دل تو کب کا اڑ چکا تھا اور جن کی قسمت ان کا دل چھو جائے جو موسم کی خوش گواریت ان کے لیے بے رحم ہو کر رہ جاتی ہے۔

”کیا مانتی ہے۔ کب سے ہوں یہ بٹھی ہو۔ مگر نہیں جانتا۔“ وہ خاتون کاٹی دیے سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اب رات نہ کیا تو اس کے گریب آگئیں۔

”مگر“ اس کے لب ہولے سے بے۔ دودھ میں بھی ہلکی سی جنبش ہوئی۔ چہرے پر تاریک سایہ لہرایا۔

”دیکھ گئی ہو۔ شادی شدہ بھی دیک رہی ہو۔ کیا سوال والے اچھے نہیں؟“ بیچ پر بیٹھے ہوئے خاتون نے جو مٹی نظروں سے اے سے دیکھا۔ کانوں میں سونے کی ایک صورت آویزے، گلے میں چین، ہاتھ کی انگلی میں انگلی میں۔ یہ سب اس کے شادی شدہ ہونے کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

”شادی“ ہاں ہوئی توھی۔“ ویرب بلوئی  
 پیسے دو کچھ پا کر دیکھ رہی تھی۔  
 ”کیا کوئی بات ہوئی ہے مگر میں۔“ شوہر  
 کو کمرہ سے تھرا۔ مجھے بتاؤ میں تمھاری کیا اسے۔“  
 خاتون کو اس کی سوتی صورت پر ترس آیا۔  
 ”شوہر۔“ یہ لفظ ہوتے ہی آنسو اس کی  
 آنکھوں سے بہہ نکلے۔  
 ”اورہ نہیں رہا ہے چارو بیٹا اللہ کے کاموں  
 میں کیا دخل۔“ خاتون افسردہ ہوئیں۔  
 ”کچھ بھی نہیں رہا میرے پاس۔“ سب  
 سب شتم شتم آدھ روٹی سے بھرنے کی بازو  
 چلائے پیسے سے تھے اور وہ اپنے خالی ہاتھوں کو  
 دیکھ رہی تھی۔  
 ”مگر کرونا۔“ وہ بے اکیلا تھا؟  
 ”نہیں۔“ کس ہوا سے اور اب چھو بھی نہیں بچا  
 میرے پاس۔“ میرے آدھ خالی چھو ہاتھ خالی۔  
 خاتون نے ہم روتی سے اس کی دھڑکی کو دیکھا جو دکھ  
 والا تھی کی کیفیت سے دو چار تھی۔ الفاظ ٹوٹ کر اس  
 کے منہ سے ادا ہوئے تھے۔  
 ”جیسے ہے؟“ خاتون نے پوچھا اور اس سوال  
 پر وہ جھٹکے سے اُٹھ کھڑی۔ اپنی مثال سنبھالتی وہ چل  
 پڑی۔ پہنچ پہنچی تو خاتون نے آنسو سے اس کی دھڑکی  
 کو دیکھا تھا جو تیزی سے قدم اٹھاتی تار تار کی میٹ  
 ہو رہی تھی۔

☆☆☆

وہ آج بھی کوئی نئی بات نہیں کہتی تھی۔ یہ تیرا دن  
 حجاب وہ اس کے پیچھے کوئی روٹی تک آ گیا تھا۔  
 اسے دیکھنے اس سے بات کرنے کو بے قرار تھا اور  
 ایک دھڑکی جو ایک ہی جھٹکے میں سارے غصے کو توڑ دینے  
 کے اور بھی۔ کبلا جو کتنی اس کے دل سے بندھا تھا وہ  
 اب اس کی آسانی سے کیسے توڑ سکتی تھی۔ پیسے اس سے  
 ایسا نہیں آتے تھے۔ دکان سے اس کی زندگی میں آنا  
 ہی ہوگا۔ وہ کسی صورت اس کی سخت سے زبردگار  
 نہیں ہوگا۔ سخت سے بے پہنچ کر کھٹکتے ہوئے اس نے

کلا کی مملکت کی وہ ایک ایسا طرز تھا جس کو اس کے  
تاکر وہ جرم کی سزا دی جاتے والی تھی اور وہ حکومت  
اس زیادتی کو تسلیم نہیں کر پا رہا تھا۔

☆☆☆

ڈھولک کی آواز گھر کے باہر گونج رہی تھی  
اور ساتھ ٹریڈوں کی سرگئی آواز میں۔ ایک کے بعد  
ایک گانا ان کی زبان کی نوب پر بھر رہا تھا۔ گویا سارا  
شاک تمام کر کے ہی انہیں سکون ملتا تھا۔ ٹریڈوں  
کو گھر لڑنے کے بیچ چوڑی راہ بھیجی وہ دیا ہو  
کی دلہن کو اور دلہن کی زیادہ معلوم ہو رہی تھی، جو  
اپنے سارے ارمان نکالنا چاہ رہی ہو زور دھڑ سے  
تالیاں ہتھی اور بلاتی ہوئی وہ پوری طرح سے اپنی  
حوصلگی اچھوٹے کر رہی تھی۔ دو گھنٹے سے یہ شیل جانی  
تھا اور بچے پہننے رہنے کے اب اس کی تائیں درد  
کے تھیں۔ بچے نے گھر پر فاش کر دی وہ اپنی  
جگہ سے اٹھی۔ تالیاں ہتھی، ان کا جوسلہ بڑھاتی  
ایک دو چکر لڑ کر وہ کچھ فاصلے پر پختہ پر بھیجی ائی اور  
خالی کے پاس آ گئی۔

”آپ دونوں اتنی دور کیوں بیٹھی ہیں؟ ادھر  
کون کوئی کتا گانا گائے گا۔“ وہ دیکھتے ہی پتھر سے ادھر  
میرا ہنری ذکر پھر بول رہا ہوگا۔ قیضا اب میری  
کاتین ٹوٹ کر ادھر ہی ہوں گی۔ ”شرارت سے ہوتی  
وہی ہے چہرے پر صاف محسوس کر رہی تھی۔

”کوئی کتا تمہارا ذہن تک کا ہے۔“ سلیڈ بھونپنا  
کوئی باپوں کی دہن گانے کا نہیں۔ اپنی بے گارمی  
سے بولے پر خالہ نے گھبراتے ہوئے اپنی بھانجی کو  
کیا جواب دانت لبوں میں دبائے اپنا جائزہ لے  
رہی تھی۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں ان پر سیاہی لگن دراز  
لپٹیں، خرب صورت نعوش میں کھلی راہی اور خوشی،  
پہلے کسی کے ساتھ ایک دار بال پشت پر گھر سے  
پتھر کی جگہ میں تھی۔ وہ چہرے کے کنارے کے  
اتحاد آگے کو آئی غموزی کو چھو رہی تھی۔ دودھ سا  
پتلے رنگ کا جوڑا پہنے، کلائیوں میں پتلے  
گھر سے۔ کس ایک دوپٹا تھا جو لاپرواہی سے دائیں

کنہ سے پر ہول رہا تھا۔  
 ”عجب تو فکر رہی ہوں اسی اور ہر پہلی پہلی شادی ہے۔ مجھے کوئی دھن کے کچرے توڑی ہے۔“  
 حرسے سے ہلنی دھنسنے کی بجائے جی بھری حرسے سے چڑھے پر پھینکی جانے لگی دیکھنے سے اپنے اپنے جملے کے علاوہ ہونے کا احساس ہوا سر پر ہاتھ رکھتے، نشت لہوں میں دانے اور خال کو دیکھا جو سمجھ نظروں سے اسے بکھری تھیں۔  
 ”سدرہ شاہ زنب۔ اسی اہل شامک ہاتھ اپنی سرال جا کر کھانا نہ دے، میرے شرمندہ ہوں گے۔ لڑکیاں سوچ سمجھ کر بولی تھیں اچھی لگی ہیں۔ اسی نے سمجھایا۔“  
 ”اچھا نا ہی سوری۔“ زنب نے آگے ہو کر پیار سے ان کے کندھ پر اپنے بازو پھیلے۔ یہ اس کا سسکا گپا ناظر تھا۔  
 ”لیں آپ کی سمجھ اور جیانی بھی آگئی۔ فکر نہ کریں یہ کہے گی آپ کا نام روشن۔“ زنب نے شرارت سے چاہنے لائی تار کو دیکھا۔ چھپے ہوئے ہاتھ بھی جس جاس کا جھلس کر سکر نہیں۔  
 ”تم اپنی فکر نہ کرو۔ اس کا تجربہ تو ابھی دے اور ہر مہر کی فکر نہ کرو۔ تو کب سے نے کچھ نہیں کے فوراً بند ہے۔ یہ تم ہی ہوں۔“ زنب نے کچھ نہیں کے فوراً بند رہائی کو خبر آد کہہ کر جان چھڑائی۔ ”ہاتھ میں شرارت سے اس پر چڑ لی۔ سخت پرے سے اٹھو ان کے قریب آئی۔ دائیں ہاتھ سے ان کے ہاتھ میں پکڑی پلٹ سے منگو ایک کر منہ بند رکھتے، ہاتھیں کسی ان کے شانے پر رکھتے وہ بے تعلقی سے بول۔  
 ”ہائے ہاتھ سمجھو کچھ خیال کریں میرے معصوم دل کا۔ کھانا ہی نہیں سے کوئی دھن رہائی کی ہاتھ میں کرنا ہے اور ہر دھن کی کتاب کے اوراق پڑھنے سے تو اپنا ہی حرسے۔“  
 ”ہوں۔ زندگی کے پس پردہ آپ جو کتاب دھنا چاہی ہیں وہ مجھے سمجھ آ رہی ہے اور اس کا

کنہ سے پر جھول رہا تھا۔  
 ”عجب کو تک رہی ہوں اسی اور پھر پہلی پہلی  
 شادی ہے۔ مجھے کوئی دھن کے لئے تجر بہ توڑی ہے۔“  
 حرس سے بولتی وہ سناٹا دیکھ کر پہنچے گی، بھرا  
 کے چہرے پر پھٹکے ہوئے سامنے دیکھنے کی اس نے اپنے  
 چلتے چلے کے علاوہ ہونے کا احساس ہوا سر پر ہاتھ رکھتے،  
 نشت لبوں میں دانے اور خال کو دیکھا جو سمجھ  
 نظروں سے اسے بکھری تھیں۔  
 ”سدرہ شاہ نضب۔ ایسی ادب شناخت با تم  
 اپنی سرال جا کر کوئی تار نہ دیکھتی ہو شرمندہ ہوں گے۔  
 لڑکیاں سوچ سمجھ کر بولتی ہیں اچھی لگتی ہیں۔ اسی نے  
 سمجھایا۔  
 ”اچھا نامی سوری۔“ نضب نے آگے ہو کر  
 پیار سے ان کے کندھ پر اپنے باز پھیلائے۔ یہ  
 اس کا سسکا گپ کی بنا پر تھا۔  
 ”لیں آپ کی سمجھ اور جتنی بھی آگئی۔“ نضب نے  
 کر کے یہ کہنے کی آپ کا نام روشن۔“ نضب نے  
 شرارت سے چاہنے لائی تار کو دیکھا۔ چھپے ہوئے  
 ہاتھ بھی جس جاس کا جھلس کر کھڑا نہیں۔  
 ”تم اپنی فکر کرو۔ اس کا خبر تو دیکھو۔“  
 ہاتھ پر ڈال کر فائدہ کو جس نے کچھ پیش کے فوراً بند  
 ہے۔ یہ تم ہی ہوں۔“  
 ”بھائی نے  
 بھائی نے  
 ”شرارت سے اس پر چٹ کی۔ نضب پر سے اٹھو  
 ان کے قریب آئی۔ دائیں ہاتھ سے ان کے ہاتھ  
 میں پکڑی پلٹ سے منگو ایک کر منہ بند رکھتے،  
 ہاتھیں کسی ان کے شانے پر رکھتے وہ بے تعلقی سے  
 بول۔  
 ”ہائے بھائی کچھ خیال کر میں میرے معصوم  
 دل کا۔ کلاساں کی کہیں سے کوئی بڑھائی کی  
 ہاتھیں کر کے اور پھر دھڑکی کے کتاب کے اوراق  
 پڑھنے سے تو اپنا ہی حرس ہے۔“  
 ”ہوں۔ زندگی کے پس پردہ آپ جو کتاب  
 حرسنا پوری ہیں وہ مجھے سمجھ آ رہی ہے اور اس کا

ایک درق تو کب سے خستہ ہے۔ ”بھابی کے ہم ہم سے لے کر اس نے استغفار کیا اندیش میں اٹھیں دیکھا۔ ”جاؤ تمہارے محبت کا کافی دیر سے خون آ رہا تھا۔ اس بے چارے کی بھی سن لو۔“ پیار سے اس کی ٹھوڑی چھوئے ہوئے انہوں نے بتایا۔ نضب کے چہرے پر روشنی پھیل گئی۔

”اہم بات آپ اب بتا رہی ہیں۔ اس خوشی میں مجھے رہنے دیں۔“ مسکراتے ہوئے دوسری جانب دیکھا تھا نضب فارہ کو سب سے بڑی سہمی۔ ”فارہ میرے لیے جوں کے تو آتا۔“ دور سے ایک لگتی دو دھب دھب کر کے بڑھیاں چڑھ گئی۔ اسے دیکھتی فردوسی بیگم نے خفگی سانس بھری۔

”دیکھیں آباہر وقت آدم دم کائے رکھتی ہے یہ لڑکی۔ ہوا کے ٹوڑے پر سوار اور سے اصرار فلاں نہیں بھرتی ہوئی۔ یہ ڈھک ہوئے ہیں بھلا لڑکیوں کے۔“ ان کی بڑی بین فریہ و بیگم نے نرمی سے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

”جی ہے۔ آج کل کی بچیاں ایسی ہی ہوتی ہیں تم گرفت کر دو۔ پچھتا سہاں جا کر اسنے اچھے سے سب سنبھالنے کی کہ تو خود حیران رہ جاؤ گی۔ وقت کے ساتھ بچہ داری آئی جاتی ہے۔“

”خدا کرے کہ ایسا ہی دور زندگی لڑکیوں کے ڈھک ہی خزانے ہیں۔ گھر بنا رہے تھے بھانپا تو اٹھیں آ جائیں۔“ دے زما سب کچھ ہوتا تھا ان کی انا پر آ جاتی ہے عزت نفس بچوں جو ہوا ہے۔ قربانی کا تو فتنہ ہی ان کے لیے ہے مٹی ہے۔ جس زندگی کی گاڑی کو دکھا ہی لگا لیں تو کافی ہے۔ اب ہماری بڑی بہو کو کہہ سکتیں۔ ندر کی مہندی ہے کل اور وہ دونوں میاں بیوی دوسرے شہر سے تھیں آئیں۔ چھوٹی بہو اور چٹا دوسرے ملک سے پہنچ گئے۔ پہلے ہی اس کے مزاج کہاں ملتے تھے اور جب سے نضب کے لیے اس کے بھائی کا رشتہ بن گیا ہے تب سے سید سے من بات تک نہیں کرتی۔“ فردوسی بیگم نے بہن کے سامنے دل کی بات کی۔

”اچھا یہ کیا نضب کا رشتہ نہیں دیا۔ بسہ اور اس کے بھائی کا ایک سا حراج ہے۔ میں شی کو دل میں میں ماشا اللہ نزل پر کر دوں گی۔ کوئی بھی پتی ہے۔“ فریہ و بیگم نے فارہ کے ساتھ بھی خوش مزاج کی شکل کو دیکھا۔

”ہوں اللہ اچھا ہی رکھے۔“ فردوسی بیگم مسکرائیں۔

”ہیں! اور ماشا اللہ شہر بار بھی نضب کے جوڑ کا ہے۔ اللہ جوڑی سلامت رکھے۔“ فریہ و بیگم نے دل سے دعا دی۔

☆ ☆ ☆

مہندی کا نقش شروع ہو چکا تھا۔ نقش کا اہتمام گھر کے ان میں کیا تھا۔ پچھ دیں دیر میں نضب کو کراخوب سواری سے آئے آج پر ہٹا دیا گیا۔ پنگ اور گریں گھر کے کچھ بیٹھنے کے سوت میں تازہ پھولوں کا زیور کلاں اور کلاں میں پچھنے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ جگر جگر کی آغوشیں، چمکا چہرہ اس کے چہرے کی چمک آج ستاروں کو بھی مات دے رہی کی۔ آج سے کچھ فاصلے پر بھی زبیدہ بیگم نے دل ہی دل میں اس کی بلا میں لیتے ہوئے یوں ہی شاد و آوارہ بننے کی دعا دی اور اپنی پر آنکھیں چاڑھ کے پلے سے پوچھ گئیں۔ وہ اپنے رب کی فکر کر رہی تھی کہ یہ کیوں بدوہ مرد پر خیر۔ شہر بار کے لیے انہیں نضب کا انتخاب بہترین لگتا تھا۔ شہر بار نے ان کا بازو پکڑا ہونے کے باطن بہت مشکل وقت دیکھا تھا اور اب کچھ وہ اپنے قدم چما چکا تھا۔ وہ ایک ایسی ہی زندگی سے بھر پور لڑکی کے ساتھ کا منتخب تھا۔ وہاں سے یہ لڑکی بے حد ایک گری کی جی نضب فارہ اس کے ساتھ آ کر رہی۔

”بسہ بھابی کیوں اسنے خڑے سے بھی ہیں۔“ دائیں طرف نہ بنا کر بھی بڑی بھابی کو دیکھتے ہوئے نضب فارہ کے کان میں کسی۔ ”آئی چپ کر جائیں۔“ سن لیا تو نامناض

ہو جائیگی۔“ فارہ نے التجا پر انداز میں کہا۔

”ابھی بھی کون سا خوشی ہیں۔ گھر رہا ہے زبردستی کیا گیا ہوا ان کو کیجیے ہی سے جاؤر نہ ساری کچھ خراب کر دیں گی۔“ نضب کے جب ہوتے ہی بسہ بھابی کو اپنی طرف دیکھتا ہوا فارہ دیکھ گئی تھیں یہ الفاظ ان کے کانوں تک نہ پہنچ گئے ہوں، مگر انہیں خاموش دیکھ کر فارہ نے سکھ کا سانس لیا۔ نضب کی ستلائی نظریں آج سے بچے ہماؤں پر تھیں۔

”کامیابی ساس کو بلا کر لاؤ۔ وہ آئی اور خالہ کے ساتھ بائیں کمرہ رہی ہیں۔“ نضب نے کہا اور آج پر اپنی مٹی بھابی کو دیکھ کر لائی۔ ”شہر ہے آپ آئی تو کہ شہر شروع کریں گے رکھیں؟“

”مہر چننا۔ ابھی پورا کر کے ہیں تمہارا ہی شوق بھی۔“ شہر سے اس کی ٹھوڑی ہلاتی وہ اسے چھیننے کو بولیں اور فارہ کو کمر کی چڑی لیتے بیٹھے۔ اسی کو وہ دھپیلے ہی کہہ آئی تھیں۔ وہ اور خالہ نضب کی ساس کو آج ہی لاری میں۔

”مجھے تو اب نیچے ہی اتر جانا چاہیے۔“ بسہ بھابی نے بظاہر خود سے کہتے ہوئے انہیں سنایا اور اپنی جگہ سے اٹھیں۔

”ایسے کیوں کہہ رہی ہیں بھابی۔ بیٹھیں نا۔“ لٹی بھابی جلدی سے بولیں۔ نضب بھی اٹھیں دیکھتے لگی۔

”چھوڑو لٹی تم لوگ دم شرود کر دو۔ میرے ہونے نہ ہونے کے فرق پر جانتے گا۔“ دوسرے ہی اس گھر کے لوگ مجھے غیر سمجھتے ہیں۔ میں بھی پھر فیروں کی طرح ہی شرکت کر دیں گی نا۔“ استہزاء کی انداز میں کہیں وہ آج سے اتر گئیں۔ نضب اور لٹی ایک دوسرے کو دیکھ کر کہیں۔ اس خود ساختہ نامرضی کا وہ کیا کہیں جس کوئی خود ہی کی چیز میں شامل نہ ہونا چاہیے۔

انہیں تلاش کرتا وہ اس طرف آیا تھا۔ ستلائی نظریں گھولیں رہے ہوئی اس پر غور نہیں۔ کھلی بار وہ یوں ہانسا کر گئے سامنے کھڑی تھی۔ اس سے پہلے

جتنی بار بھی اسے دیکھا تھا وہ خود سے لا پر اسادہ سے طے میں نظر آتی تھی۔ اس کی آنکھیں زیادہ پریش نہیں تھیں یا پھر سے نفوس وہ فیصلہ نہ کر پائی کوئی ایسی شخص کی اس کے پورے وجود میں کھنکھنے سے دیکھتے ہی ایک سرسارے کی گرد بند مٹاؤں ہونے لگتا۔ اپنے نام پر کارے جانے پر وہ بیٹھے ہوش میں آیا تھا۔ خود کو سر سر کرنا وہ اس کے دھنکے لگا۔ نضب کی اس کے اس پر وہ فیصلہ نہیں کر پاتا تھا کہ یہ صرف دیکھ کر ہی تھی جو اس کی جانب توجہ ہونے پر مجبور کر دی تھی جی یا پھر محبت؟ اور اگر یہ محبت کی تو اب اور کیسے ہو سکتی تھی؟

☆ ☆ ☆

کہتے ہیں شادی کے بعد زندگی تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس کی زندگی بھی بدل گئی تھی، مگر یہ بلاؤں اس قدر خوش اور ہوا کہ تو اس نے بھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اس گھر میں وہ پہلی ہی تھی جیسے بیٹھے سے بیٹھ رہی ہو۔ شہر بار کی پہلی چھوٹی سی گھر۔ زبیدہ بیگم نہایت سادہ خاتون تھیں اور ان کی محنت کرنے والی کہ نضب کو وہ بالکل بھی رونا ہی سنی نہ لگیں۔ پھر زین تھا اس کا دوسرا بچہ۔ خوش گھروں میں رہتا۔ ایک غیر مفید سرگرم اٹل اس کے چہرے کا معاملہ نہ رکھتی تھی۔ کلا کا لاڈ ہونے کے باوجود اس میں لا روٹی نہیں کی بلکہ وہ خاصا ذمہ دار اور اماں کے معاملے میں حساس بھی تھا۔ خود شہر بار اس قدر تھا، خیال نضب والا اور محبت کرنے والا تھا کہ اسے اپنی قسمت سے رخصت کیا نہ لگتا۔ ان چندوں میں وہ انکی بہت ہی محبتیں یا کر اور حسین لگنے لگی تھی۔ خوشی اس کے ایک ایک سے پھوٹی محسوس ہوتی۔ آنکھوں میں روشنیاں آئی اتر آئیں۔ وہ نضب بھی جس کی قسمت اسی کی طرح خوب صورت تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ دونوں کارروائی میں لگے کر دیکھتے تھے۔ ان کے بائیں طرف گلاس وال تھی۔ جہاں سے ریسٹورنٹ کا لالہ نظر آ رہا تھا۔ لان کے درمیان میں چھوڑے سے اونچی جگہ بنائی تھی۔ اونچائی سے



پانی بہتا ہوا نیچے کی طرف آ رہا تھا۔ دیکھتے ہی یوں لگا جیسے آبشار بہہ رہی ہو۔ لان کی لاش پانی پر پڑی تھی جس سے اس کی خوب صورتی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ نذب کو کویت سے باہر کا منظر دیکھتے پکار کر شہر یار نے لکھا کرتے ہوئے اسے تنبیہ کی۔

”میرا خیال ہے میں اسے لے ہی آؤں کرلوں۔ تم تو کھانے کے سوا میں نہیں لگ رہیں۔“

مینو کا رد گھماوہ شرابی انداز میں بولا۔

”بہت برے ہیں آپ۔ پہلی بار بیوی کو کھانے پر لائے ہیں اور اس پر یہ بحث کرنے کے بہانے۔“

نذب نے بھی مینو کا رد گھماوہ نظر میں دودھا دیا۔

”ابھی تمہیں یہ بحث کے بہانے لگ رہے ہیں اور جو بیوی اتنی قدرتی ہے کہ سامنے بیٹھا آواز نہ سن کر شہر یار نظر آ رہا۔“

”خیر سے بولا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا جتنے ٹھوڑے سے ٹھوڑے میں اس کی زندگی میں ہی نہیں دل میں بھی آگئی تھی۔“

”میں آپ کو دیکھتی رہوں اور آپ سارا کھانا کھا جائیں۔ جی نہیں آج تو میں آپ کا خوب خرچا کرواؤں گی۔“

لب دانتوں میں دہائی وہ بولی۔

”کچھ مینو کا رد گھماوہ تھا اور انھوں میں ترقی صاف نظر آ رہی تھی۔ شہر یار محظوظ ہوتے ہوئے مسکرایا۔

”پھر آج میں اپنی جیب خالی ہی بھجوں۔“

خوش گوار باور میں کھانا کھاتے، اپنی باتیں کرتے وہ دونوں کمن سے اپنی زندگی کی اس خوب صورت وقت کو اجڑائے کر رہے تھے۔ کھانے کے بعد نذب پھر سے گلاس والے سے پوچھنے لگی تھی۔

”شہر یار دوش رو دم کیا تھا۔ پانچ منٹ بعد اس کی دایاں ہوتی۔ بیٹھے ہی اس نے نذب کا اڑنا ٹوٹ لیا۔

”باہر کا منظر بھی کچھ زیادہ ہی پسند آ گیا ہے۔“

”ہوں۔ مجھے لان بہت پسند ہے۔“

بیش سے میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس کھر کے لان کو خوب صورتی سے سجاؤں اور یہ جو پھولوں پر پانی بہہ رہا ہے۔ نا۔ یہ میں نے بار بار لے یہ تصویر میں سوجا

آ گیا تھا۔

”ہاں تو دو دیکھتے ہی وہ مجھے کھڑی دیکھتے ہوئے دھڑکے سے بولا۔ میں چاہتا تھا اس بار میں وہ پہلا شخص ہوں جس کے ساتھ چم اپنا یہ تاجیل ڈے سلیم بٹ کرو۔“

انھوں میں محبت سمونے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

نذب کے کیک کاٹنے کے بعد اس نے گولڈا بریڈسٹ اس کی ٹاؤک کلائی میں پہنایا۔

”کیسا لگا رہا ہے۔“

”بہت اچھا۔ سب کچھ خوب سا لگ رہا ہے۔“

بریڈسٹ پر سے نظر ہٹائی بے ساختگی میں لکھی۔

”ہوں یقینی میں تمہارے خوابوں میں آنے والا شہزادہ ہوں۔“

اس کے چہرے پر ہنس مکھ مسکان دیکھتے ہوئے وہ شرابی نے انداز میں بولا۔

”جود میں آ نہیں ان کے خوابوں میں آنے کی ضرورت نہیں رہتی۔“

محبت سے اسے دیکھتی وہ سوچ رہی تھی۔ اسے کئی بار اندھ کر خود کو دیکھتے پکار کر شہر یار نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تھا اور وہ عجیب کر اپنی پانٹ پر جھک گئی۔



”ہوں کیا خوشبو ہے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی تمہارے جملے میں آ گیا تھا۔ آج ان کے ہاتھ کی برائی کھانے کو لے لی۔“

گھر میں اس نے کھڑے ہوئے انداز میں تار تارہ کر کے کچھ کر چکے تھے۔

”دیکھ میں بھی شادی کے بعد اسے فہر بہ بنائے جاتے ہیں۔ آپ بھی کچھ کیوں نہ کریں۔“

شرارت سے کمری پر ترقی نذب نے کہا۔

”جی نہیں تو جی ہے میری اماں بہت اچھا کھانا بناتی ہیں۔ اس میں فہر بنانے والی کوئی بات نہیں ہے۔“

ہاں اگر کوئی اپنے ہاتھ کا ذائقہ نہیں چکھنا ہی نہیں چاہتا تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ بغیر کھانے تو خالی خولی کر تریف نہیں کر سکتے۔“

شہر یار نے اسے ساتھ بیٹھی نذب کو چھوڑتے ہوئے مسکرات دہائی۔ اس سے پہلے کہ نذب اس الزام پر احتجاج کرانی کوئی بول

”نڈ کر دی ہوں فہر کیسے بنائے جاتے ہیں۔“

اماں سمیت سب ہی بے ساختہ فہر پر دے تھے۔

”بٹے پر دھانی پر دھیان دیں۔“

شہر یار نے ہنستے ہوئے کہا۔ جس پر زمین جھینپ کر کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔

”فہر بنانے کب جاتا ہے۔“

اماں کے پوچھنے

پڑا۔

”میں نے خود روکا ہے۔ نذب کو شادی کوون ہی کتنے ہوئے ہیں جو یہ جگہ میں چلنا ہائی کرنے کوئی ہوا جائے۔“

”بڑے لگی ہیں بھائی آپ۔“

ساس بہو والی بیٹش سے تو پوچھ ہی رہے کی۔ برائی کے اوپر رائیڈ ڈالنے ہوئے زمین حڑے سے بولا۔

”اللہ خیر کرے دن پھرے تو نہیں لگتی۔“

شہر یار نے معمولی افسردگی سے کہا۔

”برائی کیا۔ بیٹا۔ ایک اماں نے منہ سے نہیں لکھ لکھنا شروع کرو۔“

اماں نے دونوں کو ٹوکا۔

”میری اور اماں کی فکر تمہیں نہ کرو۔ اپنی بیوی کی خیر مٹاؤ جس نے اچھی آنا ہے۔“

نذب نے زمین کو گھورا۔

”وہ معصوم بچ میں کھر سے آگئی۔“

زمین کے کہنے کی دیکھی۔ نذب اور شہر یار نے مٹی خیر انداز میں ایک دوسرے کی جانب دیکھتے ہوئے ”معصوم“ لفظ پر زور دیا۔

”دیکھ رہے ہیں ہم۔ اچھی سے کتنا خیال ہے جہیں اس کو صدمہ۔“

شہر یار نے اماں کو دیکھا دیا۔ جو زرب اس کے جاری میں۔

”ہاں تو ہوتا چاہیے نا خیال۔“

بیوی کی ایک الگ حیثیت ہوتی ہے جس کی کئی باتیں کی جاسکتی اور پھر اماں کی تو کیا بات ہے۔ میری اماں کی حیثیت کو کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔“

مکمل انداز بولا تو خیر وہ اماں کو کچھ کر سکتا۔ شہر یار بیٹیدگی سے نذب کی طرف بھاگا۔

”نڈ کر دی ہوں فہر کیسے بنائے جاتے ہیں۔“

اماں سمیت سب ہی بے ساختہ فہر پر دے تھے۔

”بٹے پر دھانی پر دھیان دیں۔“

شہر یار نے ہنستے ہوئے کہا۔ جس پر زمین جھینپ کر کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔

”فہر بنانے کب جاتا ہے۔“

اماں کے پوچھنے

پرنسب کا برائی والا ہاتھ رکھا۔  
 ”ہفتہ ہی ہو گیا ہے۔ اگلے اتوار کو میری فلائٹ ہے۔“ چادلوں سے مجھرا بھڑکے شہر یار نے بتایا۔ نرنب نے مزید برائی ہی ڈالنے کے بجائے ڈش داہن رکھ دی۔ اس کا دل ایک دم سے اجاٹ ہو گیا تھا۔ جلدی سے پینٹ خالی کر لی وہ برتن کینے کے لیے اٹھ کھڑی۔ اماں بھی ساتھ ہی اٹھ گئیں۔ وہ اسے زیادہ کام نہیں کرنے دیتی تھیں۔ جہن بھی خودی سنبھالی تھیں۔ وہ خود ہی ان کی مدد کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔ شہر یار زین سے اس کی پر حاشی کے معلق پر چھ رہا تھا۔  
 ”یہ سال ختم ہوتے ہی تم باہر کی یونیورسٹیز میں اپلائی کرنا۔“

”جی جی میں سوچ رہا ہوں اسکالرشپ کے لیے اپلائی کروں پر اماں کا خیال آتا ہے۔“ زین تذبذب کا کھار تھا۔ ان کی آواز میں کھنک آ رہی تھی۔ نرنب برتن سیٹ کر رہی تھی اور اماں چولے پر چائے دکھ رہی تھیں۔  
 ”زین یہ میری اور اماں دونوں کی خواہش ہے۔ جہیں اسکالرشپ ملے پانے پڑے میں نہیں سب سے اچھی پوری دیتی ہے۔ پر حاشا جاتا ہوں بلکہ میرے خیال میں نہیں ایک دو سال باہر چاہیے۔ شہر یار کے کچھ میں اس کے لیے باپ بھی لگ رہی۔  
 ”پر بھائی یہاں اماں اور باجی..... میں کیسے جاسکتا ہوں۔“  
 ”چلو کچھ سوچتے ہیں ابھی تو نام ہے۔“ پھر تھوڑی گپ شب کر کے دونوں اٹھ گئے تھے۔ ساڑھ بیس بج چائے کا کپ رکھی نرنب کے چہرے پر پھٹی افسردگی کو اس نے نوٹ کیا۔  
 ”کیا ہوا ہے۔“ شہر یار کے پوچھنے پر وہ لٹی میں سرلائی مڑی تھی۔ جب اس نے ہاتھ تمام کر اپنے پاس بٹھایا۔ ”اداس ہو؟“  
 ”آپ چار ہے ہیں؟“ اس نے نظر میں اٹھا کر

مدد بھی امیر کے سہارے سے دیکھا، جیسے وہ کہہ دیں گے کہ اسے نہیں میں جانا۔  
 ”میرے جاتے ہیں ابھی دن ہیں۔ پر جانا تو مجھے ہے نا نرنب۔“ انگلیز میں میری چاب ہے۔ اس نے ہنسا ہنسا۔  
 ”آپ یہاں چاب کر لیں نا۔ اسنے سالوں کا تجربہ ہے آپ کے پاس کوئی نہ کوئی اچھی چاب مل جائے گی۔“ اس کے بولنے پر وہ مسکرایا۔  
 ”ایک دم سے میں چھوڑ نہیں سکتا کزنٹریٹ کیا ہے اور پھر میں شہر یار سے اداس کے لیے ایک خوب صورت سا گھر بنانا چاہتا ہوں۔ زین کو پر حاشا ہے اور اس کے لیے دو تین سالوں تک مجھے یہ چاب کرنی پڑے گی۔ پھر میں وہاں آ کر یہاں برس کر پاس گا۔“  
 ”اتنی جلدی چار ہے ہیں مہینہ بھی نہیں ہوا ہماری شادی کو۔“ نرنب نے غصے سے کھوکھو کیا۔  
 ”مجھے آئے ہوئے بھی تو تین مہینے ہو گئے ہیں۔ آتا تو میں دو تین دنوں کے لیے تھا پر میرے وہ دم گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس بار میں شادی کر کے جاؤں گا کیا کر لیں اماں نے لڑکی اسکا پیچندگی میں کھینے لیے پر پھر ہو گیا۔“ شرارت سے اس کے بالوں کی کٹ چھیننا یاد دہشت ہوا۔  
 ”جائے غصٹی ہو رہی ہے۔“ نرنب نے جھنجھپ کر کہا۔  
 ”پہلے چائے پانے والی کو تو دیکھ لوں۔“  
 جذب سے بولنا وہ اپنے کچے گیا۔  
 ”میں نے نہیں بتائی۔ اماں نے بتائی ہے۔“  
 بلاؤں اٹھیں۔ ”اس نے لب دانتوں میں دبائے اپنی ہنسی روٹی۔  
 ”میں سہرا بی۔ فی الحال میں پانے والی سے گزرا کر لوں گا۔“ مزے سے بولتے ہوئے اس نے چائے کا کپ لوں سے لگایا۔ وہ بھی مسکراتے ہوئے چائے پیتے گی۔

☆☆☆

اسے آواز میں دتا وہ لاؤنج میں آیا تھا۔ وہ زین کے ساتھ برتن سیٹ کر رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی چند مہمان خانہ میں سے لڑکیاں زین کے ہاتھ شہر یار کے شہر یار کی طرف متوجہ ہوئی۔  
 ”کوئی کام ہے آپ کو۔“  
 ”ہوں تم آؤ ذرا میری شرٹ کا بٹن لگا دو۔“

سنبھکی کے بولتے ہوئے اس کی آنکھوں میں شرارت کی جھلک تھی۔ زین نے اس کے ہاتھ کو ہاتھ لگا کر بٹن لگا دیے۔  
 ”بٹن جا رہے ہو؟“ اماں نے اسے تیار دیکھ کر پوچھا۔

”جی ایک دوست سے ملنا تھا۔ تیار ہوا ہمارا پھر اس شرٹ کا بٹن ٹوٹ گیا۔“ شرٹ کے بٹن ہاتھ لگا کر بٹن لگا دیے۔  
 ”بٹن جا رہے ہو؟“ اماں نے اسے تیار دیکھ کر پوچھا۔

”اماں یہ ان کی شرٹس کے بٹن کچھ زیادہ ہی نہیں ہونے لگے۔ کل بھی جو شرٹ پہنی تھی اس کا بٹن ٹوٹا ہوا تھا۔“ سنبھ نے بولنا وہ اماں سے غلط تھی۔

”بٹن کچھ ہو گئے ہوں گے تم ایسا کر دساری شرٹس بچھے لا دو میں سپ کے بٹن کچھ کر دوں گی۔“ اماں سارکی سے کہہ رہی تھیں۔  
 ”نرنب سے۔“ اماں نے ابھی تو تم ڈکنا۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ اماں نے کہہ کر وہ اس کی طرف مڑا۔  
 ”اماں آپ بٹن لگا دیں جتن جتن میں سالن دیکھ لیں وہ اسے دم آ گیا ہو گا۔“

”ہاں دیکھ لو کتنی دیر ہو گئی اسے رکھے۔“ نرنب سر ہلاتی رہی۔ سنبھ نے دہائی اٹھ دی۔ اس کی طرف دیکھنے بغیر بھی جانتی کہ اس وقت وہ اپنے ہی گھر ہوا ہو گا۔ دس منٹ بعد وہ کمرے میں لٹی تھی۔ جوئے پینے کے بعد اب وہ اپنے کے ساتھ کھانا ہالوں میں برس پھیر رہا تھا۔ نرنب کھانا کھاتی ہوئی اس کے پیچھے آ کر کھڑی ہوئی۔

”یہ ناراضی کیسے تک چلی گی۔“ لب دانتوں میں دبائے وہ پوچھ رہی تھی۔

”جانتا تم اسے ضرور کی کیا تھا۔“ پر غصہ کا بے درخ اشتعال کرنا وہ کھلی سے بولا۔

”اچھا اب چھوڑ دیں نا۔ میں تو آپ کو کھنک کر رہی تھی۔ آپ بھی تو روز اس بھانے سے مجھے اپنے پاس بٹھاتے ہیں اور چہرہ دیکھیں اپنا بالکل بچوں کی طرح منہ بٹھالنا ہے۔“ اس کے کھنک بھرے تاثرات پر وہ ہنسی تھی۔

”ابھی مجھیں میری پروا نہیں ہے۔ جب چلا جاؤں گی اور مڑ کر بھی نہیں لکھوں گا تب تدبر آئے گی۔“ کھانہ کی طرف متوجہ ہوئی۔  
 ”اگلا ہی کھڑکی باغیچہ وہاں۔ اس سے پہلے کہ آگے بڑھتا نرنب نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

”کچھ بھی بول دیتے ہیں آپ۔ میرے جذبات کی بھی پروا ہے۔ ایک چھوٹی سی شرارت ہی تو کی تھی۔“ اس کی آنکھوں میں کھنک دیکھ کر وہ شرمندہ ہوا۔

”سواری میرا وہ مطلب نہیں تھا چلو اب سکرادو تاکہ میں جاؤں۔“ عمر انتظار کر رہا ہو گا۔ اس کی فرمائش پر وہ ہنسی کھنک کے ساتھ زبردستی مسکراہٹ چہرے پر لائی۔

”اے نہیں سنبھ سے سکرادو۔ چاہے نرنب، تمہاری سکرادو مجھے بہت پیاری لگی ہے کیونکہ جب تم دل سے سکرادو ہونا تو ساتھ میں تمہاری یہ خوب صورت آنکھیں بھی سکرانے لگی ہیں۔ ایک دھک ہوئی ہے ان آنکھوں میں کس کس دیکھتے رہے کو چل جاتا ہے۔ ہوش اے ہی سکرانے۔“ جذب سے بولنا وہ اس کی آنکھوں میں تھا کہ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں وہ اپنا کھس ساف دیکھ رہی تھی۔

”ابھی بہت ہو گئے ڈانٹنا۔“ چائیں دیر ہو رہی ہے۔“ اپنے کندھوں پر سے اس کے ہاتھ ہٹاتی وہ پیچھے ہوئی، چہرے پر بڑی پیاری مسکراہٹ پھیلی تھی۔

”وہیے میں نے سنا ہے میاں کی محبت کا بخار چاروں کا ہوتا ہے۔ کچھ سالوں بعد یوں کی تحریف کرنا بھی بھول جاتے ہیں۔“ کمرے سے نکلتی وہ

شرارت سے بولی۔

”ہائے، اگر یہ بخار ہے تو میں تمام عمر اس بخار میں تپا رہوں اور ادھ تک نہ کروں۔“ مظلوم ہوتا وہ اس کے پیچھے ہی سر سے لٹکا تھا۔

☆☆☆

دو دن بعد وہ چلا گیا تھا۔ شروع شروع میں وہ بہروں بیچ کر اس کے خون کا انحصار کر لیا تھی۔ اس کا بیٹا رکن میں ایک آدھ بار بات ہو جاتی۔ پھر آہستہ آہستہ اس نے اماں کا ہاتھ مٹانا شروع کر دیا۔ اس طرح اس کا رھانہ بھی مٹا رہا تھا۔ سال بعد نصفہ اس کی کوئی آگیا مگر پھر جیسے معصومیت ہی معصومیت تھی۔ سارا دن اس کے چھوٹے چھوٹے کام کرتے ہی گزر جاتا۔ اس کی بیٹا ایش پر شہر یابی میں بھی لچھی لے کر آتا تھا اور وہ زندگی کا پہلے چلے گا۔ چار سال کے بعد اس کی گود میں مثال آئی تھی۔ اب تو وہ بھی ٹھٹھوں کے چل چلے گئی تھی۔ پانچ سال کو یا زندگی کی کتاب کے وہ ورق تھے جو تیزی سے چلت دیے گئے تھے۔ اس دوران زمین بھی اس کا رشتہ پر پڑنے امر کا چلا گیا تھا۔ اس کے جانے سے پہلے ہی زہیدہ بیگم نے اپنے بھائی کو دالیا تھا جو سالگاہ میں شام تھے۔ بیٹا احمد سا بکالوئی کے پرٹاؤ پر دو بیٹے تھے۔ یہی سالوں پہلے وفات پا چکی تھی۔ بچے تھیں اور دوری شادی کرنے پر وہ بھی رضامند نہ ہوئے تھے۔ بس کتابیں تھیں جن سے انہوں نے انور ٹیوٹر جوڑ رکھا تھا۔ زہیدہ بیگم کے بلانے پر وہ بیگم کی بس واپس کے اپنا شہر پہنچ گئے تھے۔ کمرہ تو وہ بھی آتے تھے کہ بچوں کے آتے ہی واپس چلے جائیں گے پر اب کتابوں کے ساتھ ساتھ بچوں میں بھی ان کا خوب دل لگ گیا تھا۔

☆☆☆

”غیب آئی ہے جیسے ہی سانچہ آرہے ہو میں نے سوچ لیا اس بار تو سارے دوست انکے ہوں گے۔ بچی درسی کے بعد سب ایسے غائب ہوئے

ہیں۔ پچھلی بار تم آئے تھے تو وہ سے دونوں کے لیے تھے۔ کوئی بلان ہی نہیں بن سکا تھا۔“ گاڑی ڈرائیو کرتا عمار غسل بولے جا رہا تھا۔ فرنت سیٹ بیٹھے زمین نے تائید میں سر ہلایا۔

”ابوں۔ سب معصوم ہی تو ہو گئے ہیں۔“

”تم اپنا ہاتھ تو تم تک ہو پاکستان میں؟“

عمار نے ہنسا۔

”جی جی بار تو ہفتہ ہی دو رہا تھا۔ نئی جاپ تھی اور جو انکب و بگمی تھی۔ اس بار دو مہینے کی پچھلی لے کر آیا ہوں۔“

زمین نے بتایا۔

”ریش کرپت یار۔ پھر میں سب کو اکٹھا کرتا ہوں۔ مل کر کپ لگاتے ہیں۔“ عمار خوش ہوا تھا۔ اسے گاڑی روکنے دیکھ کر زمین نے چپک کر گاڑی کو دھکا اور اس کھر، کھر جس کے سامنے عمار نے گاڑی کھڑی کی تھی۔

”ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟“ وہ عمران سا اس کی طرف مڑا۔ پچھلی سیٹ سے سفید رنگ کا شاپر اٹھا کر اتر دھکا تو ہے عمار بولا۔

”اس کے لیے غیب آئی ہے تو تھا کہ راستے میں ڈراپ کیا جاؤں۔“ زمین نے سر ہلایا۔

”ابرو بھی۔“ اسے بیٹھے دیکھ کر اشارہ کیا۔

”میں جا کر کیا کروں گا تم سے آؤ۔“

”مانا کہ میری پوجو کا کھر ہے پر تمہاری بھابی کا کیا بھی تو ہے۔ چل آ جا۔“ گاڑی سے نکلا وہ اس کے اٹھنے کا منتظر ہوا۔

بیٹھے کیا۔

”میں آئی بس چلتے ہیں۔“ زمین نے انکار کر دیا۔

”اگلی تو آئے ہو بیٹا۔ ایسے کڑے سے کڑے دروازے سے میں رخصت نہیں کروں گی۔“ فردوس بیگم نے بیٹھے ہوئے کہا۔

”اس کو چھوڑیں پوجو پوجو۔ تو خواہ مخواہ تکلف کر رہا ہے پر میں تو جانے لے کر ہی جاؤں گا۔“ عمار جڑے سے بول نکلا۔

”میں نے ہاتھ دیا۔“ فردوس بیگم سرگرم تھیں۔

”کیوں نہیں میں اس کی جانے پلانی ہوں۔“

”ای۔ آپ کا جڑا میں نے اس کی اسڑی کر دیا ہے۔“

”اگر آئی ہے تو میں دیکھ دوں گا۔“ فردوس بیگم نے کہا۔

”میں نے ہاتھ دیا۔“ فردوس بیگم نے کہا۔

”میں نے ہاتھ دیا۔“ فردوس بیگم نے کہا۔

”میں نے ہاتھ دیا۔“ فردوس بیگم نے کہا۔

”میں نے ہاتھ دیا۔“ فردوس بیگم نے کہا۔

پر سر جھکا لے بیٹھے زمین کو کھاس نے سر ہلایا۔

”میں..... میں کچھ فریسی لے آئی ہوں۔“ پھر سارے وقت عمار ہی بولتا رہا تھا۔ زمین جب چاہے جانے کے کھوف مجھڑتا رہا، جو وہ کھڑی دیر بعد سے کر چکی تھی اور اس بار اسے دیکھنے سے گریز ہی نہ تھا۔

”میں نے ہاتھ دیا۔“ فردوس بیگم نے کہا۔

”میں نے ہاتھ دیا۔“ فردوس بیگم نے کہا۔

”میں نے ہاتھ دیا۔“ فردوس بیگم نے کہا۔

”میں نے ہاتھ دیا۔“ فردوس بیگم نے کہا۔

”میں نے ہاتھ دیا۔“ فردوس بیگم نے کہا۔

”میں نے ہاتھ دیا۔“ فردوس بیگم نے کہا۔

”میں نے ہاتھ دیا۔“ فردوس بیگم نے کہا۔

”میں نے ہاتھ دیا۔“ فردوس بیگم نے کہا۔

”میں نے ہاتھ دیا۔“ فردوس بیگم نے کہا۔



کے بل لیا اور اس کی جانب مڑا۔  
”کوشش کریں۔“ نیندیں ڈوبی اور آواز میں اس نے مشورہ دیا۔

☆☆☆

کاؤنٹر بل ادا کر کے وہ مڑے ہی تھے کہ غار  
کو روکنے والے کچھ کرین نے سوائیہ نظروں سے اسے  
دیکھا۔  
”کیوں نہیں کیا کر رہی ہے۔“ زین نے بھی  
اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ جیسے جیسے  
میں ٹرس بستی وہ ٹھیک ہی اس سے پہلے کہ غار  
آگے بڑھتے ہیں اس کی نظرس پر پڑی وہ ہاتھ ہلاتی ہوئی  
ان کے پاس آئی گی۔

”تم جہاں کیا کر رہی ہو؟“ اس کے سلام کا  
جواب دیتے ہی غار نے پوچھا۔  
”شانگ کر رہی ہوں اور کیا کرتے ہیں  
شانگ بال میں۔“ ٹھیک سے منگلی سے اسے دیکھا۔  
بلورنگ کے ٹکمر اینڈ ڈسٹ میں، آپٹکس میں کٹے  
کٹے بالوں کے ساتھ وہ بہت ابھی لگ رہی تھی۔  
آگہوں میں کابل بھی لگ رہا تھا۔ جو غار کو اس کی  
منگلی پھر آگہوں میں اور کی بھلا لگا۔  
”جیسٹس شانگ..... پارا کھینچے نہیں میری  
برتھ ڈے تو نہیں آ رہی۔“ شہزادے سے لب دہا تا وہ  
زین کی طرف مڑا۔ زین کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ  
بول پڑی۔

”زیادہ خوش فہم ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔  
بھیا کی برتھ ڈے ہے۔“ اس کی لیے شانگ  
کر رہی ہوں اور ہائے داوے میں آپ کو دیکھ کر نہیں  
آئی۔ زین بھائی کی وجہ سے اس طرف آئی۔“ اسے  
جواب دے کر وہ زین سے مخاطب ہوئی، چہرے پر  
نری کا تاریخی ابھرا۔

”کاش زین زین بھائی آپ؟“  
”جی اللہ نہ باکل ٹھیک،“ سکرپٹ دہاتے  
ہوئے زین نے جواب دیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ بیٹھنا  
دونوں میں زبردستی ہم کی لڑائی چل رہی ہے، کیوں

کہ وہ کاؤنٹر سے ہونے ہی پائے جاتے تھے۔  
”اچھی آئی ہو۔“ غار اس سے بولے بغیر وہ  
بھی نہیں سٹکا تھا اور نہ وہ جواب دیے بغیر وہ نکلی۔  
”شانگ فارہ ساتھ ہے۔“ اس نے تاتے  
ہوئے پیچھے دیکھا۔ زین کی نظرس بے اختیار اس  
طرف اٹھی تھیں۔ جیسٹس کیلین سے منگلی وہ فارہ ہی  
تھی۔ ایک ہاتھ میں اس نے شرٹ پکڑ رکھی تھی۔ ٹھیک  
کے ہاتھ ہلانے پر اس نے آٹکس دیکھا تھا۔ وہ ٹھیک  
کر رہی تھی۔ غار کے بھی ہاتھ ہلانے پر وہ بھی کمر  
ان کی طرف بڑی۔ اس کی جھجک زین کی نظرس سے  
پشیدہ نہیں رہی تھی اور وہ جانتا تھا کہ یہ جھجک اس کی  
وجہ سے تھی۔ منگلی کے بعد دونوں کا یہ پہلا آنا سامنا  
ہوئے دونوں تھا۔

”شانگ بلکے تیل کا دھیان رکھیے گا۔“ غار نے  
اسے کتہی رائے سے منگلی سے باور کرایا، لیجے میں واضح  
شرارت تھی۔ فارہ کو دیکھ کر زین کے چہرے پر جو  
روشنی کی چمکی کی وہ ابھی طرح دیکھ چکا تھا۔ زین نے  
اسے مصنوعی منگلی سے گھورا، جبکہ سکرپٹ چھپاتا  
فارہ کی جانب مڑا جو غریب آج بھی۔ دونوں کو سلام  
کرئی، کیونکہ نظریہ کی جاسی نے زین پر ڈالی  
تھی، پھر وہ غار کی طرف متوجہ ہوئی جو اس کا حال  
احوال پوچھ رہا تھا۔

”یہ شرٹ بہت اچھی ہے، بس یہ یی ڈن  
کرتے ہیں۔“ اس کے ہاتھ سے شرٹ کے ٹھیکین  
پوری طرح جائزہ لے چکی تھی۔  
”چلو پھر تم دونوں کو ڈراپ کر دیتے ہیں۔“  
غار نے منگلی کو پیچھے ہونے کہا۔

”بالکل نہیں،“ پیچھے قائم ہے، اور ہم لگے بغیر  
سکھیں نہیں جا رہے۔“ ٹھیکین نے اپنے اسٹائل میں  
گہرا اعلان کیا۔

”یہ جی آج آپشن ہے۔“ غار متفق ہوا۔ زین  
محض سکرپٹ یا اندر سے خوش بودہ تھی ہوا تھا۔  
”آں..... آپ نہیں کمر ہی ڈراپ کر رہی،  
ای اور خالہ کھانے پر انتظار کر رہی ہو گی۔“ غار

چہ کتہی فارہ نے ٹھیک کہا بولے دیکھا پیسے آگہوں ہی  
آگہوں میں پکھ کمر رہی ہو۔  
”اچھی تو تم نے طے کیا تھا پچ کرنے کا اور  
پچ پیچھے کمر جا کر وہ ٹھیکے گوشت نہیں کھانا۔“ وہ  
ٹھیک ہی کیا جو چپ کر جاتی۔ فارہ کی آگہوں میں  
مجھبی بات سمجھتے ہوئے بھی اٹھان بن گی۔ فارہ کو اس  
کی بھی خبر کتا ڈ آ رہا تھا۔ مگر وہ مسلسل بولے جاری  
تھی۔ ”اور اب تو زین بھائی بھی وہاں سے ڈائریکٹ  
رشتہ دار ہیں۔ کیوں زین بھائی۔“ ٹھیک کے مخاطب  
کرنے پر زین سکرپٹ کی نظرس پچ و تاب کھاتی فارہ پر  
تھیں۔

”بالکل بلکے پھر یی طرف سے ہوگا۔“  
”آپ دونوں بہن، بھائی طے کر چکے ہیں تو  
ٹھیک۔“ غار شرارت سے بولا۔ پھر اس منٹ میں  
بل ادا کر کے وہ پچ کرنے کے لیے ٹھیک کے ٹھوٹ  
ریسٹورنٹ آگئے۔ ٹھیک کے کمرہ وہ چاروں آئے  
ساتنے بیٹھے ہوئے تھے۔ غار اور ٹھیک جب سے بیٹھے  
تھے مسلسل بولے جا رہے تھے۔ زیادہ تر آؤڈر بھی  
دونوں نے ہی کر کوٹ کر دیا تھا۔ اس دوران فارہ  
ریسٹورنٹ کا انٹیریئر دیکھتی رہی تھی۔ جبکہ ساتنے  
بیٹھے زین کی لگا ہیں بار بار اس کی طرف اٹھ رہی  
تھیں۔ پچ کمر کے ٹھیکرائڈ ڈسٹ میں ٹھیکوں، اپنے  
مخصوص اسٹائل میں دونوں چار پر اوڑھے بغیر کسی سبک  
اپ کے وہ ہمیشہ کی طرح اسے پیادہ رہی گی۔  
دوایں کھاتی پر اس نے خوب صورت کی ٹھیکری ہانڈھی  
ہوئی تھی۔ ساتھ میں نازک سا بریکسٹ پہن رکھا  
تھا۔

”اب ذرا دو لی آئی والا دھام کھائیں کریں۔“  
دونوں کھانا پھیل کر رہ گئیں پوری طرح غار کی  
طرف متوجہ ہوئی۔ انعام دیا تھا پیسے یا کھانا کھانے کو  
تیار ہو۔

”تم ابھی تک وہیں اڑی ہوئی ہو۔ خیال کرو،  
کچھ ان دونوں کا نہیں تو میرا ہی کرو۔ تمہارا منگیت  
ہونے کے ساتھ تم سے پارسل بڑا اسی ہوں۔“ غار

نے اسے شرر ملا جاتی۔  
”کرتو زری ہو عزت۔“ ایسا آپ جناب کرتی  
ہوں، اسی سے لڑا کر رہیں۔“ ٹھیک کی بات پر فارہ  
اور زین کے لبوں پر سکرپٹ کی چمکی۔  
”روٹی آئی کیوں کمر رہی میں کراپ کسی اور  
میں انٹر سٹل تھے۔“ ٹھیک نے جرح شروع کی۔  
”بہنو! ڈھانچہ ہم تو اکیس انواؤں میں لڑتی رہتی  
ہیں۔ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے۔“ غار نے مزے  
سے کہتے ہوئے زین کا تکیہ طلب نظروں سے دیکھا  
جو ان کی ٹوک جھوک کو انجانے کر رہا تھا۔

”مجھ نہ سمجھ جاتی تو ہوگی، ورنہ وہ ایسی بات  
کیوں کر تھیں اور پھر وہ آپ کی چچی ہیں، جانتی تو ہوں  
کی آپ کو۔“ ٹھیک اپنی بات پر قانع نہیں۔ جا چکی  
نظرس غار کے چہرے سے پڑی تھیں۔  
”تم ان کی بات نہیں سمجھیں، کتاہو یہ جا رہی  
تھیں کمر ان کی چچی میں انٹر سٹل تھا، کیوں کہ بیان  
کی دلی خواہش تھی۔“ غار سمجھنے سے بولے اس نے  
ساتنے بیٹھے ٹھیکوں نظرس سے دیکھی ٹھیک کو دیکھا۔  
”تم جی تو میری کرن ہو۔ تم کتنا جانتی ہو  
مجھے۔“

”اب یہ یی گلے سے کہ نہیں جانتی۔“ ٹھیکین  
خراب موڈ کے ساتھ بولی۔ منگلی کا تاثر صاف چہرے  
پر نظر آ رہا تھا۔  
”غار بھائی آپ اس معاملے کو پیچیدہ نہیں لیں  
گے تو فلا فیلان پیچیدہ آپ دونوں کے پچ رہیں  
گی۔“ غار کے کچھ بولنے سے پہلے ہی فارہ پیچیدہ  
سے بولی تھی۔

”آپ اعتبار دلی تو کرے۔“  
”آپ اعتبار دلی تو اور یہ رشتہ تو اعتبار کے  
بغیر ہے مٹی ہے۔ جہاں تک میں تھی ہوں جس پر  
آپ اعتبار کر سکیں، اس سے ایسا نازک رشتہ بنانا  
ہی نہیں جاوے۔“ سمجھدی سے بولتے ہوئے اس  
کے چہرے پر کھوسیت اور لیجے میں مینڈی تھی۔  
”اور اگر کوئی تیرا اس رشتے کے پچ آنے کی

کوشش کرے تو.....“ زین کے سوالیہ انداز میں کہنے پر فارہ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوئی، جو شکر مسما اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ زیادہ دیر اس کی طرف دیکھ نہیں سکی۔ جانے کیوں اس کی آنکھیں پٹی ہوئی سی محسوس ہوتی تھیں۔ ٹپکس جمنا سے اس نے جواب دیا تھا۔

”اضرار کا رشتہ مضبوط ہو تو کسی تیسرے کی اہمیت نہیں رہتی۔“ بڑی خوب صورت مسکراہٹ زین کی لہجوں پر عیاں تھی۔ اس کے خیالات سن کر وہ اور بھی دل سے غریب محسوس ہوئی۔

”دیکھا، غلطی آپ کی ہی ہے۔ الٹا آپ میرا فون بھی نہیں اٹھا رہے تھے۔“ فارہ کے خاموش ہونے کی ٹپکوں کو بولے کا مومن غل تھا تھا۔

”بڑی تھا یا اس وقت۔ اب دفتر میں بیٹھ کر میں اپنے کمرے پر کھینچنے لگ کر رہے ہوں۔“ عمار نے سمجھانے کی کوشش کی۔

”دوسرے بندے کو بھی دیتے ہیں کہ وہ بیجا ہے۔ آپ تو میرے بیچڑ کا جواب اتنا تیار دیتے ہیں کہ میں خود بخود جانی ہوں کہ کتنی کب کیا تھا۔ آپ بتائیں زین بھائی، آپ بھی فارہ کے ساتھ یہ سب کرتے ہیں۔“ مسلسل بولتے ہوئے وہ ایک دم زین کی طرف مڑی۔ زین کو ایسے سوال کی توقع نہیں تھی۔ اس کی نگاہیں فارہ پر لگی تھیں، جس نے اسی وقت اس کی طرف دیکھا۔ ایک لمبے کے لیے دونوں کی نگاہیں ملیں۔ مجبورہ نظریں بھاگی۔

”آہ.....“ عمار نے ہنسنا شروع کیا۔

”آپ کے پاس نہیں ہیں۔“ اس نے بھی ایسا ٹونٹ نہیں آئی۔ ”جواب دو دنیا خاموشی جیڈی کہ کہ گیا۔“ ٹپکوں کے چھوڑے کے تاثرات تیزی سے بدلے تھے۔

”آپ کے پاس نہیں ہیں۔“ اس نے بھی ایسا ٹونٹ نہیں آئی۔ ”جواب دو دنیا خاموشی جیڈی کہ کہ گیا۔“ ٹپکوں کے چھوڑے کے تاثرات تیزی سے بدلے تھے۔

”آپ کے پاس نہیں ہیں۔“ اس نے بھی ایسا ٹونٹ نہیں آئی۔ ”جواب دو دنیا خاموشی جیڈی کہ کہ گیا۔“ ٹپکوں کے چھوڑے کے تاثرات تیزی سے بدلے تھے۔

زیر لب مسکراتے جارہا تھا، کن گھنٹیوں سے کلیدوزی فارہ کو بھی دیکھ رہا تھا۔

”مواہل نکالیں اور نمبر نکلیں۔“ ٹپکوں کی اگلی فرمائش پر زین سیدھا صوفے پر گھس گیا۔

”کس کا؟“ فارہ نے بھی ہیشٹا کر ساتھ بیٹھی گھٹن کود دیکھا۔

”بھئی اچی جیکٹر کا۔ کسی بھی کوئی ضروری بات کرنی پڑ سکتی ہے۔“

”ہاں لائبر پر گنڈ کو بھی ملانا ہو تو پہلے زین کو کال کر لیتا، میں اس سے بھی پہلے آڑا ہوا ہوتا ہے۔“ بھئی دباوے عمار نے شرمزیدہ لہجے میں فارہ سے کہا۔ پھر لاکھ فارہ نے اسے سمجھوڑا، اپنا پاؤں اس کے پاؤں پر مارا، مگر اس نے زین کو نہ ہٹو کر ادھر ہی دھکیلا۔

وقت کا سال بھی دوانی۔ پھر خود کو گھورتی فارہ کو دیکھا۔

”تم کیا بھیجے دیکھے جارہی ہو۔ نمبر سیدو کہہ رہے۔ ہوزین بھائی کال کریں اور تم، بھائی صاحب رانگ نمبر سے کہہ کر بند کرو۔“ فارہ نے دل میں اسے خوب آناجے ہوئے منڈ بیک سے مواہل نکالا۔

”آج تم مجھے اندازہ ہوا ہے کہ آپ خاصی سمجھ دار ہیں۔“ شراوت سے لب داخوں میں دیا بازو زین اس صورت حال سے خامسا محفوظ لگ رہا تھا۔ پھر چادر نکالنے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے جو دیر ستر گر رہا تھا۔

☆☆☆

”فارہ اپنے آپ کو تھوڑا ابدلو۔“

”کیا مطلب؟“ فارہ نے انہیچھے سے ہنریاں کاٹتی زین کو دیکھا جو سامنے بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔ آج اوتار اوتار اوتار اسے صبح ہی زین کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ کمرے کے باقی افراد بیوہ جیڈی کے دور کے رشتہ دار کی فوج میں گئے ہوئے تھے۔ اسی لیے زین نے فارہ کو بلایا تھا۔

”اورا علیہ دیکھو اپنا۔“ زین نے چو لیے کی آج آہستہ کرتے ہوئے کہا۔ فارہ نے حیرت سے

ایک نظر اپنے لباس پر ڈالی۔ سب کی کاٹشیں کاٹنے کے بعد اب وہ جگن کاؤنٹر سے لپک لگائے اطمینان سے سب کھانے میں مصروف تھی۔

”کیوں، کیا ہوا ہے میرے لیے کہ ٹھیک تو ہے۔“

”ہاں کال سا دھ ہی رہتی ہو ہر وقت۔ اب ٹپکوں کو ہی دیکھو، ہر وقت ٹپک ماب رہتی ہے۔“

”میں کی کوئیوں دیکھوں اور پھر ٹپکوں کو بچپن سے تیار شیار رہنے کا شوق ہے۔ میری اور اس کی بچہ میں بہت فرق ہے۔“ فارہ نے تجویز سے کہا۔

”اسی لیے تو کہہ رہی ہوں خود بدلو۔ میں یہ نہیں سمجھتی کہ بالکل ٹپکوں کو فالو کرنا شروع کر دو۔ مگر بھی بچہ بچہ جھکا ہوا ہو جائے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“ انگریز کے بعد تھماری شادی ہو جائے گی۔ اس سے پہلے ہی خود ہی عادت ڈالو۔ زین کو اچھا لگے گا۔ اگر تم بھی دوسری لڑکیوں کی طرح خود کو فٹ پاب رہو گی۔“

زین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”سادگی کوئی پری چیز نہیں ہے اور پھر جب وقت آئے گا تو دیکھ لیں گے۔ ابھی مجھے پر حائل پر فوکس کرنے دیں۔ میرے لیے پر حائل ہی اس وقت سب سے اہم ہے اور آپ کے کہہ کر وہ دوسری لڑکیاں اتنی پسند ہیں تو ان سے شادی کرادیں۔“ آخر میں خڑے سے مشورہ دیتی وہ پلٹ کر بچہ کی نگاہیں زین سے اسے ملائی نظروں سے گھوڑی۔

”شرم کرو۔ میرے استے شریف دیوار کے پائوں سے اسیے کہہ رہی ہو۔“

”میں تو بس آپ کی بات کا جواب دے رہی ہوں اور مجھے یقین ہے آپ ہی اس سے آپ سے یہ سب کہا ہوگا۔ انہیں کہیں مجھے اس سے اتنا زیادہ دین کہ میں شادی کے نام سے ہی بھاگنے لگوں۔“

”پر یقین سے انداز میں بولتی وہ زین کو دیکھ رہی تھی، جس کے لہجوں پر مسکراہٹ تھی۔

”اجہا ٹھیک ہے، میں اسی سے کہہ دوں گی کہ فارہ سے مجھ نہ کہیں، بس انگریز کی تیاری کرنے

دیں۔ تم لینش نہ لو۔“ اس کے تسلی دینے پر وہ بھی مطمئن ہوئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کوئی سوئٹ ڈش بنادے کہ کسی کے ٹھکانے پر بری طرح چوٹی زین بھی چونک کر متوجہ ہوئی۔ سامنے کھڑے زین کو دیکھ کر وہ جھٹ سے سیدھی ہوئی۔ چہرے پر غلات کے تاثرات ابھر آئے۔ اس نے کچھ نہ زینا ہو۔ اس کا کہہ بھی تو ساتھ ہی تھا۔ پہلی سوچ فارہ کو یہی آئی۔

”اگرے زین تم مجھے نہیں۔“ زین نے جرت سے کھڑے کھڑے زین کو دیکھا، جو جلی جلیجی ہوئی شرت پہنے تھوڑا دم سا لگ رہا تھا۔ بالوں کی اس کے ہاتھ تیار ہونے کی غلطی تھام رہی تھی۔ چہرے پر شیدہ جانے کے بعد کی فرمائشیں بھجوا رہی تھیں۔

”مجھ کو طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ نچھلت لے کر سو گیا۔“

”اچھا، اب شہنشاہی کا کال آ رہی تھی۔ شاید تمہارا ہی ہاتھ چاہر ہے تھے، پر میں اٹھا نہیں سکی۔ خیر تم کہیں جا رہے ہو؟“ زین نے اس کی تیاری سے اندازہ لگایا۔

”جی..... عمار کا فون آیا تھا۔ اس نے کوئی پروگرام بتایا ہے۔ پہلے اگر ناٹشال جائے تو بہت اچھا ہوگا۔“ خوش دلی سے بولتے اس نے زین کے دائیں طرف کھڑی فارہ کو دیکھا جو اس کا بازو لے رہی تھی۔ نظریں لے کر ٹپکس بھجوا رہی تھیں۔

”میں ناٹشال جاتی ہوں۔“ زین نے چھری رکھ کر سب کا قافلہ کھول کر ہاتھ دھوئے۔ اسی وقت کمرے سے آئی رونے کی آواز سن کر وہ فارہ کی طرف مڑی۔

”فارہ! زین کا ناٹشال بنادو۔ میں مثال کو دودھ پلا کر سلائی ہوں۔“ جلدی سے اسے دہات دیتی وہ کمرے کی طرف بھاگی۔ زین کا ڈاکٹر کے دور کی طرف رگے اسٹول پر بیٹھا گلاس سے منہ لگا لگا پانی پی رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے ہی فرنیچ سے ہٹ کر نکال کر اس نے گلاس اٹھا کر۔ گلاس خالی کرنا وہ صومار

قدہوں سے چلنا کا ڈنٹر کے دوسری طرف آیا، جہاں فارہ کھڑی تھی۔ اس کے قریب رکھتے ہوئے وہ سکھارا، اپنا اعتماد بحال کر لی وہ اس کی جانب مڑی۔ ساتھ ساتھ وہ آلیٹ بنانے کے لیے اغڑہ چیمٹن رہی تھی۔

”کیسے ہیں آپ؟“

”تو آپ بتائیے، انگلیکاپ آپ کو کیسا لگتا ہوں؟“ زین نے اس کی جھپٹتی سیاہی چلوں کو دیکھا، جن کی لکڑی اس کے رُوس ہونے کا پتا دے رہی تھی۔

”فریش لگ رہے ہیں۔ اب آپ جانیں، میں آپ کا ناشا بنا رہی ہوں۔“ فارہ نے اسے ٹپک سے لکائے کے لیے کہا، ساتھ میں ہاتھ سے اشارہ بھی کیا۔

”ہوں..... دو تیس دن دیکھ رہا ہوں، میری پسند کا کچھ کچھ اندازہ ہوتا چارہ ہے۔“ زین نے اپنے سینے پر بازو پٹپٹے ہوئے دھکی سے اس کے لوں پر جھکی دیکھی مسکان کو دیکھا۔ اشارہ اپنے لمبوت آلیٹ کی طرف تھا جو وہ بنا رہی تھی۔ اس دن کے بعد سے ان دونوں کے درمیان ہونے والی جھکی بات چیت سے کم از کم وہ ایک دوسرے کی پسند نا پسند کا جاننے لگے تھے۔

”چلیں آپ بتائیں ناشا، مزید آپ کو ڈسٹرب نہیں کرتے، بالکل واضح میں تھیں کہ اسے مارے دارا بننے کا انتظار کرتے ہیں۔“ زین کے کہنے پر وہ مسکرا کر ہلٹی جانے کے لیے پالی کر گئی۔ ”فارہ.....“ زنی سے اسے لکاتا وہ مڑے مڑے دکا۔ لکھیں بے اختیار اس کی جانب انھیں۔ انداز سوالیہ تھا۔ اس کی طرف دیکھتا سے شکل رکا، مگر کچھ تھا اس کی لودنی آنکھوں میں کہ وہ دیکھنے لگی۔ چہرے پر دلچسپ مسکراہٹ سما کر وہ دو قدم آگے بڑھا۔ دروازہ بند ہونے کی وجہ سے سمجھنا اس کی جانب بھٹکا۔ ”بھابھی سے کہیے گا۔ فارہ، زین کو ہر روپ میں اچھی لگتی ہے۔“ اس کا چہرہ تیزی سے سرخ

ہوا تھا۔ جس پر سے لگا ہوا تھے وہ تیز تیز قدم اٹھاتا کچن سے نکل گیا۔ وہ چلا گیا تھا۔ مگر اپنی بہت کی خوشبو چھوڑ گیا تھا۔ جس کو فارہ نے اپنے اندر تک پھیلنے محسوس کیا تھا۔

☆☆☆

”واپسی کے لیے کب کا لٹ کر دیا ہے۔ اب بتا بھی دیں۔ پہلے بھی آپ سے تھا، مگر سر براؤز نڈیا کریں۔“ جس کا پتے جیسے ہوئے زین نے کھٹکی سے اسے اٹھوڑا، جو پوسٹ لٹ کے چکا تھا، مگر پوچھنے پر ہال جاتا۔

”سن کر تم کون سا خوش ہو گی۔“ شرارت سے بولتے ہوئے ایریا کی طرف دیکھ رہا تھا، جہاں حذیفہ کھیل رہا تھا۔

”سر براؤز سٹلے سے بہتر ہے پہلے ہی معلوم ہوا۔“ زین نے اسٹرا گو میں بھی مثال کے منہ میں ڈالی جو کالی دیے جس کی طرف ہاتھ کیے آواز میں نکال رہی تھی۔

”بھئی سر براؤز کا تو اپنا حراسہ۔“ شہریار نے مسکراتے ہوئے دھکی سے اپنی محبوب بیوی کو دیکھا۔

”سر براؤز دینے کا بہت شوق ہے اسے۔“ دونوں چونک کر اس ڈاڑھی جانب مڑے۔

”آج میں نے تمہیں سر براؤز دکرایا تھا۔“ جیسے سے کورے ہوئے شہریار کو دیکر وہ مسکرائی۔ زین نے حیرت سے اس کی لڑکی کو دیکھا۔ بیوی کی جگہ کے اوپر اس نے واٹھ پاپ بکھن رہی تھی۔ سنہری تراشیدہ ہال کنڈھوں سے ڈرا پیچے تک آتے تھے۔ رنگت سے حد کوڑی کی اور چہرے کے نفوس میں کھلا مغز اور دھڑکی بہت خوب صورت تھا۔ پلاشہ وہ بے پناہ تھیں۔ ”مجھ کو خود کو دیکھتی زین کی طرف مڑی۔

”تم زین ہو، واٹھ۔“ وہ پیسے کٹہر کر رہی تھی۔ شہریار کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔ زین نے اثبات میں سر ہلایا اور شہریار کو دیکھا کہ وہ اس کا

عراق کر دے۔ مگر وہ اس کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا۔

”آپ شہریار کی کوئی ہیں؟“ زین کو خود ہی پوچھتا ہوا۔

”ہاں، یہ میری کوئی ہے۔“ شہریار کا سینے میں اٹکا سانس بحال ہوا تھا۔

”بس کوئی.....“ وہ استہزاء انداز میں لہجے میں لڑنے میں اردو بولتی وہ اسے آدھی گریز کی بھی لگی۔ مگر اس کی اردو صاف تھی۔

”شائین تم..... تم ابھی جاؤ، ہم مہربات کریں گے۔“ شہریار نے جلدی سے کہا۔ ”بھئی، آپ ہمارے ساتھ بیٹھیں، لٹج کریں۔“ زین کو شہریار کی بے دردی اچھی نہ لگی، مجبوراً اسے آکر کھڑی پڑی۔

”آپ تو اب شہریار کی نہیں کرنا ہے گا۔ پر میں اپنا مکمل تعارف کر دوا کر ہی جاؤں گی۔“ کرسی کی پشت پر دونوں ہاتھ رکھتی وہ بولی۔

”شائین پلیز۔“ شہریار کی آنکھوں میں اچھا تھی، جسے انکو کرنی وہ زین کو دیکھنے لگی۔ جو تیز زنی کوڑی دونوں کے عجیب رویے دیکھ رہی تھی۔

”میں سر شہریار احمد ہوں۔“ اچھی سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتی وہ مضبوط لکھے میں بولی تھی۔ زین کو کچھ بھی آگیا کہ وہ یہ خاق کیوں کر رہی ہے۔ امید سے شہریار کو دیکھا کہ وہ کچھ بولے مگر وہ خاموشی میں حذیفہ کو دیکھ رہا تھا۔

”اب بہتر تو شہریار ہی بتا سکتا ہے، مگر میری معلومات کے مطابق میں شہریار کی بہن بیوی ہوں۔“

چوتھی ہوئی نظروں سے زین کو دیکھتی وہ سر دھکیے میں بولی۔ زین کی گرفت ڈھکی پڑی۔ اس کی کوڑ سے اترنے کے لیے مثال نے ہاتھ پاؤں مارے اس نے جبکہ کر اسے اترنے سے روک دیا۔

”آپ..... خاق کر رہی ہیں۔“ شہریار نے..... وہ اس کی طرف مڑی۔ اسے نظریں چراتے دیکر اسے اپنے پیروں سے زمین سرکھٹیں محسوس ہوئی۔

”خاق تو ہم دونوں کے ساتھ ہوا ہے، بلکہ دھوکا کہتا ہے۔“ وہ کچھ اور بھی کہہ رہی تھی، مگر زین کے دماغ میں گویا دھوکا کے دورے تھے۔ اسے لگا سی نے اسے بڑھکتے ہوئے شعلوں میں جھینگ دیا ہو۔ کیوں اس کے عجیب شوہر نے نظریں چرائیں تھیں۔ کیوں وہ اس کی کوچہ نہیں کر دوا رہا تھا۔ اس کے اندر اتنا خورہ تھا کہ اسے لگا سی کی ساعت چھین جائے گی۔ وہ بہرہ کی ہوجائے گی۔ وہ وہاں سے سر پٹ پٹا ہو گا، کیوں نا شہریار کا ہاتھ پڑا تھا، مگر کچھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ یہی مہول کی تھی کہ اس کے بچے وہیں رو گئے تھے۔ چہرا آنسوؤں سے تر ہوتا جا رہا تھا اور کالوں میں ایک ہی جھٹکے کی بازگشت ہو رہی تھی۔

”میں سر شہریار احمد ہوں۔“ شہریار کی پہلی بیوی۔“ وہ اسے آواز دے کر بھی نہیں روک پایا تھا، نہ ہی وہ بچوں کو چھوڑ کر اس کے پیچھے چا سکتا تھا۔ ”سہارا کام ہو گیا شائین۔“ مگر میں اس وقت کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔“ پریشانی سے پریشانی مسکرا وہ بار بار پیچھے دیکھ رہا تھا جہاں سے وہ گئی تھی۔

”ہات تو چھین کر لی ہو گی۔ دھوکا دیا ہے تم نے مجھے۔“ ”ایک دھوکے باز انسان کہہ بھی کیا سکتا ہے۔“ اس نے نظریں چراتے۔ پٹیل پر ہاتھ باری مثال کو اٹھایا۔ اسی سے حذیفہ کو لے کر گھر چلا تھا۔

گھر..... ہاں وہ گھر جاسے وہو کے سے بنایا تھا۔

☆☆☆

”بھابھی مجھے نہیں لگتی لگ رہی ہیں۔ کچھ ہوا ہے آپ لوگوں کے درمیان۔“ اس کے گھر کچھ ہی دن میں پہلا سوال یہ ہی کیا۔ کیوں کہ جس حالت میں وہ اسے روڈ پر لے گئی تھی، وہ بہت پریشان ہو گیا تھا۔ پھر سارے راستے وہ کم ہی سمجھتی رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی بھری ہوئی تھی جس جہاں سے چہرے کو بھگوے جاری تھی۔ زین نے اس سے شہریار اور

بچوں کا پورا چاہا کہ وہ کہاں ہیں، وہ تو ان کے ساتھ بھی تھی، مگر ایسا کیوں ہے۔ پر وہ چاروں کو بیٹھتی تھی۔ نہ ہی شہر پر اس کا فون تک گزرا تھا۔ سخت نشیمن میں وہ کمر پہنچا تھا۔ مگر کچھ کراس نے پھر شہر پر کو فون کیا اور نوبت کے گھر پہنچنے کا سن کراس نے ”میں رہا ہوں“ کبھی کون بند کر دیا تھا۔ گھر پر کوئی نہیں تھا۔ زید زید، امیر حبیب، ماموں کل پر گئے ہوئے تھے۔

”کہاں ہے۔“ پڑھائی مسئلہ وہ منظر تھا۔  
”اسنے کمرے میں ہیں۔“  
”تم مجھ کو اپنے کمرے میں لے جاؤ، میں دیکھوں۔“ شہر پر نے کمرے سے بند دروازہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔  
”ماما کہاں ہیں؟“ عذیلہ نے باپ اور چاچو دیکھا۔

”مما آرام کر رہی ہیں۔ ان کی طبیعت خراب ہے۔“ آپ چاچے کے ساتھ جاؤ۔ ”شہر پر نے اسے پیار سے سمجھایا اور مشال کو زین کی گود میں دے دیا۔ وہ آؤ کی بند میں تھی۔  
”بھائی ہو گیا ہے؟“ زین نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ کچھ نہیں پتا تھا کہ آؤ خراب کیا ہوا تھا ان کے درمیان، وہ دن ان کے درمیان تو ہمیشہ جیت ہی نظر آئی تھی، پھر اس کا ہوا تھا۔

”ایسے فلفل ہو گیا اور اب لگتا ہے کہ سب کے پاس سوال بہت ہوتے ہیں۔“ پر میرے پاس شاید دینے کے لیے کوئی جواب، کوئی تو نہیں ہے۔“ نظریں چراتا وہ اسے حیران چھوڑ کر کمرے کی طرف چلا گیا۔  
☆☆☆

دروازے کے پینڈل پر ہاتھ رکھتے ہی اسے پتا چل گیا تھا کہ وہ لاک نہیں ہے۔ اسے اندر دست تک کرتا وہ اندر داخل ہوا، سامنے ہی وہ اپنا سامان بیچ کر بیٹھ گیا۔ وہ پریشان حال کی طرف بڑھا۔  
”کھم کھم جا رہی ہو؟“ اس کی طرف سے جواب نہ پا کر اس کو کھائی سے پکڑ کر موڑنا چاہا، مگر وہ

اس کا ہاتھ بے دردی سے جھٹکتی غضب ناک انداز میں اس کی جانب مڑی، چہرہ اشتد کر رہے سرخ تھا۔  
”مجھے باختم لگتا ہے۔“ سختی سے اسے وارن کر دیا وہ اسے کوئی اور ہی نہیں لگی، جس کے لیے میں کی اور انھوں میں نفرت تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔ مگر اسے بولنا تھا، اسے روکنے کے لیے۔

”نوبت تم مجھ سے پچھو۔ سوال کرو مگر اس طرح سے جاؤ۔“ اس نے اٹھائی۔  
”سوال..... میں باپ سے کتنی ہوں شہر پر امجد کہ تمہارا کہ بیان پڑا کر تم سے سوال کر لوں۔ پوچھوں تم سے، کیوں دیا مجھے دھوکا، کیوں میری زندگی پر ہادی۔ جب تمہاری زندگی میں کوئی اور لڑکی تھی، مگر مجھے لگتا ہے کہ اس کی ضرورت نہیں رہی۔ جب میں تمہیں امید سے دیکھتی رہی کہ تم کچھ بولو گے۔ جب تم چروں کی طرح نظر میں آتے رہے۔ اب سب ختم ہو گیا ہے۔ مجھے تمہاری کسی معافی کی ضرورت نہیں ہے۔“ مجھے کچھ بھی بولتی وہ اسے جھپتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ بے چارے میں جیسے سب کچھ بدل گیا تھا۔ وہ اس کے لیے آپ سے تم ہو گیا تھا۔ تو دل میں بھی اس کی جگہ نہ رہی تھی؟ اپنے اندر اٹھتے سوالوں کو اتار دے۔

”ایسے فلفل کو نوبت۔ میں صرف تم سے محبت کرتا ہوں۔“ شائین سے شادی میری مجبوری تھی۔ میں..... چہرے پر پچھلے آسروں کو ہاتھ کی پشت سے مٹاتے، اس نے سختی سے اس کی بات کاٹی۔  
”اس سے جا کر کہو مجھ سے شادی تمہاری مجبوری تھی۔“ کتنے دوہلے ہوتے ہوئے تم مرد اور مجھ سے شادی تو بیعتا تمہاری مجبوری رہی ہوگی۔ کچھ فلفل نہیں کوئے تم۔ اسے بتانا کہ اس نے زبردستی کروا دی۔ یونو پاکستانی نہیں۔ ان کی بیگ بیگ۔ اچھا بھاتا ہے گا۔“ استہزائیہ انداز میں بولتی وہ بیگ کی زپ بند کر رہی تھی۔ جس میں اس نے اپنا اور بچوں کا

ضروری سامان رکھا تھا، ورنہ اس گھر سے اس کا کتنا بھی اٹھانے کا دل نہیں کر رہا تھا۔  
”میں نوبت، تم سے شادی میں نے اپنی خوشی سے کی تھی۔ پہلے میں انکار کرنا چاہتا تھا۔ مگر جب تمہیں دیکھ کر مجھے لگا میری زندگی میں صرف تمہاری ہی کی ہے۔ تم میرے لیے بہت اہم ہو نوبت۔ میں نے صرف تم سے محبت کی ہے۔“ مضبوط کچھ میں بولتا وہ اسے اپنی محبت کا یقین دلانا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ خوشی سے نہال ہو جاتی، مگر اس وقت وہ اس کی شکل میں نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس نے سامنے سے بیک پیچہ رکھ کر پینڈل سے پکڑ کر کھینچا۔  
”پینڈل مت جاؤ۔“ شہر پر نے بیک پکڑ کر

رہا۔  
”میں اسے چھوڑ دوں گا۔ تمہارے لیے میں اسے چھوڑ سکتا ہوں۔ میرے لیے صرف تم اہم ہو۔“ نوبت نے تنبیہ کی سے اسے دیکھا۔  
”کتنا آسان ہے تمہارے لیے چھوڑ دینا۔ پھر ایسا کرو مجھے چھوڑ دو۔“ اس نے گویا دھماکا کیا تھا۔ شہر پر ادا ایک سے ملتی نہیں سکا تھا۔ اس پر سخت گاہ ڈالنی وہ بیک کھینچ چلی گئی۔  
☆☆☆

”پینڈل جاؤ۔ تمہارے یوں اسٹریس لینے سے کچھ ٹھیک نہیں ہوگا۔“ آؤ مجھے کھینچے سے وہ پرن ہی کرے میں پھر لگا رہے جا رہی تھی۔ چہرے کے حسین نقوش میں تباہی ٹھک رہا تھا۔  
”تم نے لوں اسٹریس، وہ مجھے..... شائین حیدر کو چھوڑ کر اس لڑکی کے پاس چلا گیا۔“ لنگی سے اپنی طرف اشارہ کرتی وہ اپنی دوست سے مخاطب تھی۔

”اس کی بیٹی ہے، بچے ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے اس کے پیچھے کیا ہوگا اور پھر ہمیں کتنا تنگ کیا تھا۔ اس سے شادی کا فیصلہ بھی تمہارا تھا۔ ابھی بیٹی اعطارت نہ کرنے کی مرضی بھی تمہاری تھی۔ کتنا بھجایا تھا کہ ایک ایسا ملائی ہی رہے، وہ رشتہ مت

جوڑو اس سے۔“  
”کی کی توں میں بات مت کرو، مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتی کہ میری شادی کے اتنا خلاف کیوں تھیں۔ آج بھی وہ ایسے رہ سکتے ہیں دیتی۔ جبکہ خود انہوں نے پاکستانی مرد سے شادی کی کی اور یہاں تک کر ڈیڑھ کی محبت میں مذہب تک چھوڑ دیا۔“ اس کے کچھ میں فکرت بھی جو اسے کسی سے شہر پر کے ساتھ روئے پر تھی۔ شازین اس کی بہترین دوست تھی۔ اس کے ڈیڑھ کے بچپن کے دوست کی بیٹی۔ دووں انہیں کبھی اور ایک دوسرے سے ہمیشہ سے قریب تھیں۔ اسی لیے دل کی ہر بات کہہ دیا کرتیں۔

”آئی غلط نہیں شائین۔ تم اسنے اور اس کے ریلیشن شپ کو بھی تو دیکھو۔ وہ اگلے کس آس میں لڑا، اپنی حالت قائم کرنے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اتنی مراعات کا شاید اس کے خواب میں بھی نہ سوچا ہوگا۔ وہاں تک بھی ٹھیک ہے۔ پر بھی اہمیت اسے دیتی ہو۔ بھی محبت کرتی ہو۔ سوری، بٹ وہ نہیں کرتا۔ مجھے تو بھی نہیں لگا کہ اسے بھی تمہاری محبت کی پروا ہے۔ اس کے ساتھ وہ نام اسپنڈل کر رہا تھا تو خوشی کی ہے چہرے سے اس وقت۔“ شازین کو اس کا چلنا چھوڑا دیا۔  
”اب جب وہ اس کے ساتھ بیٹھا تھا۔“ ہم بھی اٹھنے نام اسپنڈل کرتے ہیں اور وہ میرے ساتھ خوش تھی ہوتا ہے اور اب مجھے بھی کرتا ہے۔ شائین حیدر کے ہوتے ہوئے وہ کسی اور کو اہمیت نہیں دے سکتا۔ اسے میرے پاس لوٹ کر آنا ہی ہوگا اور وہ آئے گا۔“ میرے کچھ میں بولتی وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔  
”آئی کی کال آ رہی تھی۔“ شازین نے بات بدلی۔

”کمی کوئی بتانا ہم کہاں ہیں۔ وہ یہی سمجھ رہی ہیں کہ ہم لڑا اور مانگ سے ملنے پر نہیں سمجھے ہیں۔ ڈیڑھ کو معلوم ہے، میں انہیں کال کر لوں گی۔“ شازین سے سر ہلایا۔



زنبب کا گھر چھوڑ کر تاواور شہر پار کا پہلے سے شادی شدہ ہونا، اس کے گھر والوں کے لیے ایک دھماکا تھا۔ اتنے سالوں میں کسی کو بھی یہ شک نہیں کزرا تھا کہ شہر پار پہلے سے شادی شدہ کی ہوسکتا ہے۔ فردوس عظیم اور شاہ نواز صاحب کے سر پر تو گویا آسمان کی کٹ پڑا تھا۔ ابھارک سوچا تھا۔ اپنے گھر میں خوش باش آباد، بھائی بچی یوں گھر چھوڑ کر آجائے گی۔ یہاں تک یہ بات ابھی نہیں چکی تھی، چونکہ ایک دوسرے سے جانتا تھا تو دوسرا ملک سے باہر تھا۔ اسے گھر چھوڑ کر آئے دوسراں تھا جب شاہ نواز صاحب نے زبیدہ عظیم اور شہر پار کو گھر بلایا۔ زنبب نے ان کے آنے کا سن کر ملنے سے صاف انکار کر دیا۔ جس پر دونوں میاں، بیوی کچھ نہ بولے۔ ان کے جانے کے بعد وہ اپنے گھر سے کمرے سے نکلی تھی۔ فردوس عظیم لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ اسے دیکھ کر اپنے پاس بلایا۔ بچن سے نکلتی فارہ بھی خاموشی سے آ کر فریضے صوفے پر بیٹھ گئی۔

”بات ہوئی ہے۔ ہماری۔ زبیدہ عظیم کو تو خیر ہم کہہ سکتے، وہ خود لاکھ میں شہر مند ہیں، بسے جاری ماں جو کہیں۔“ پرچی پارکس شہر مند، بلکہ لاکھ کی کو چھوڑنے پر بھی تیار ہے۔ ”ان کے خاموش ہوتے ہی دوبارہ لگی۔

”مجھے کوئی سر دکھا نہیں، وہ اسے چھوڑے یا رکھے۔ ایک بات ملے ہے کہ مجھے اس شخص کے ساتھ نہیں رہنا۔“

”کیوں نہیں رہنا اس کے ساتھ، معافی مانگ تو رہا ہے۔ اس لوگ کو بھی چھوڑ دے گا۔ مرد ہے، ہوگی کلک۔“ آگیا ہے جارہ لاؤنج میں۔ پاس کی بجلی پیچھے پرکھی گئی اور اسے پیسوں کی ضرورت تھی۔ ایسے میں اگر مجبوراً شادی کرنی تو اس شہر مند کی تو ہے۔

انہوں نے نگاہیں چراتے ہوئے کہیں۔

”تو آپ کیا باتیں ہیں اس خود غرض اور لاڈلی انسان کے ساتھ چل جائوں۔ جس کو احساس تک نہیں

کہ اس نے کسی کی زندگی برباد کر دی۔ ایسا نہیں کر سکتی۔ میرے دل میں اب اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔“ زنبب کے بے چلک اعزاز پر انہیں ناؤ آیا۔

”تو حقاً شوق پیدا کر دینے دل میں۔ یہاں اسے شوہروں کے ساتھ ہی اچھی لگی ہیں اور بھریوں گھر نہیں بنا کرے دل بار بار پڑتا ہے۔ اپنی انا کو چلانا پڑتا ہے۔ بگھ اور نہیں تو اپنے بچوں کا سوچو۔ باپ سے وہ ان کا۔ اور بھرقارہ کا سوچو، اس کا بھی رشتہ جڑا ہے اس گھر سے۔“ فردوس عظیم کی آخری بات پر فارہ بے اختیار بول پڑی۔

”ای پیچیز، مجھے درمیان میں مت مگھشیں۔ آپ کو اپنی مرضی کا فیصلہ کرنے دیں۔“

”میں فیصلہ کر چکی ہوں۔ آپ ابو کو بتادیں، مجھے شہر پار سے ملائی جاوے۔“ انہں کیسے میں بولی وہ ان کے سر پر چھوڑی اٹھ کر چلی گئی تھی۔ جبکہ دوسرے پکار کر بیٹھ گئے۔ اسے سمجھا نا عجب تھا۔

☆☆☆

”فارہ تم جیسے نارٹی بات کیوں نہیں کر رہی۔“ فون پر بھی وہ دوسری طرف موجود فارہ کے لیے میں در آئے والے بلاؤنگز کھینچ کر ہاتھ۔

”اب کچھ بھی ناؤں نہیں ہے اور شاید وہ بھی نہیں سکتا۔“ اس نے گہرا سانس لیا۔

”ایسے مت کوفارہ تم یہاں بھی کی وجہ سے اپ سٹ ہوئے۔ تم بھی ابھی تک شک میں ہیں، مگر یقین کر لو اس معاملے میں ابھی اسے اتنے ہی ہے جڑے ہے حقیقت تو یہ بھی کہ وہ ابھی بھی ایک دوسرے سے نفرتیں چھڑا رہے تھے۔ عجیب سی خاموشی نے ان کے گھر کی فضاؤں میں ابھیرا کر لیا تھا۔ وہ سب اس رشتے کے انجام کا سوچ کر پریشان تھے اور زنبب کا مطالبہ جس کی ایک تکیہ چکا تھا۔

”میں کیسے ماں لوں کہ چھ سال سے وہ شادی کیے بیٹھے ہیں اور آپ کو بچہ تک نہیں۔ آپ کی تو بڑی دہی ہے اپنے بھائی سے۔“ اس نے پیچھے ہوئے۔

لجے میں کیا۔ ایک ہاتھ سے اپنے دیکھتے ہوئے سر کو مسل درمی کی۔ گل بوے بھائی آ رہے تھے۔ ایلوے ان کو بلایا تھا اور رسم بھائی کے آنے کا سوچ کر ہی لیٹش ہو رہی تھی۔

”پاس دو دہی ہے، مگر مجھے اس بات کا واقعی علم نہیں تھا۔“

”ایک منٹ۔ آپ تو اگھنڈ بھی گئے تھے۔ اپنے بھائی سے ملے۔ پھر کیسے آپ پہلو بچی کر سکتے ہیں کہ آپ یہ پہلے سے نہیں جانتے۔“ فارہ کو ہر دت یاد آیا بھائی بارتھ کے بتایا کہ زین اپنی ویشینز میں امریکہ سے اگھنڈ گیا تھا۔ شہر پار سے ملے۔

”میں کیا تھا پر ہم دوست اٹھنے گئے تھے میں ان ہی کے ساتھ رہا تھا اور بھائی سے ہم کام کو باہری کی اس بات پر ملتے تھے۔ ساتھ کھانا کھاتے تھے پھر ان کی شادی تو میرے خواب و خیال میں ہی تھیں نہ ہی میں وہاں ان کی جاسوسی کر رہا تھا۔“ زین نے اس کا شک دور کرنا چاہا مگر ایک خطرے کی گھنٹی اس کے اندر بجنا شروع ہو گئی تھی۔

”مجھے اس بات پر یقین نہیں ہے۔ آپ ان کے پاس سے ہو کر آئے اور ان کی شادی آپ سے بھی ہو رہی۔ یا تو آپ غلط بات کر رہے ہیں یا اپنے بھائی کو کورسہ رہے ہیں۔“ اس الزام پر زین ایک ہنسنے سے اٹھ بیٹھا تھا۔

”کیا مطلب ہے اس بات کا۔“

”مطلب یہ کہ ہوسکتا ہے آپ نے بھی کوئی شادی کر لی ہو اور اس کو چھپانے کے لیے آپ اپنے بھائی کے معاملے میں معصوم بن رہے ہیں کہیں وہ آپ کا لازاؤ شکار کر دیں۔“ بگمائی سے بولنے ہوئے اسے معلوم بھی نہیں تھا کہ دوسری طرف موجود شخص کو اس کے الفاظ کیسے تکلیف دے رہے تھے۔

”تم نے کیا اسے؟“ وہ دہشک بول پالیا۔

”مجھے تو میں شہر پار بھائی کو بھی ایسا نہیں کی۔“

پر دھوک تو انہوں نے دیا نا۔ اب آپ پر کیسے اعتبار کروں۔“ فارہ نے فون بند کر دیا تھا۔ زین فون ہاتھ

میں لیے بے یقین رہا بیٹھا تھا۔ یہ اس نے کیا کہا ہوا تھا کیا اب اسے اس جرم کی سزا ملے گی جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔

☆☆☆

”ہماتھ گھر جانا ہے۔“ مجھے یہاں نہیں رہنا۔“ وہ مثال کے کپڑے بدل رہی تھی جب حذیفہ کمرے میں آیا۔

”بابا ابیں چلے گئے ہیں۔“

”میرے اب ہاتھ سے ملے بغیر نہیں جاسکتے۔“

آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔“ نکلی سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے لیے جب باپ کے لیے یقین تھا۔

”برہی بات حذیفہ ما کا لیے نہیں کہتے۔“ اس کی آنکھوں پر سے نظر مٹانے ہوئے ٹوکا اس کی یادیں بافل شہر پار کی آنکھوں میں جس اور وہ اسے یادیں کرنا چاہتی تھی۔

”سوری ما۔“ پر مجھے اپنے گھر جانا ہے۔ بابا“

دادی اور چاچہ کے پاس۔ آپ بابا سے ناراض ہیں نا۔ میرے بابا بہت اچھے ہیں وہ جھوٹ بھی نہیں بولتے۔ کسی کو کھنگ بھی نہیں کرتے۔ آپ ان سے سنا کر میں نا پیلے بابا۔“ مجھے یہاں نہیں رہنا ہے۔ میرے بابا کو کھانا ملے گا۔“ ان کی بات پر وہ بھی۔

”کسی نے کچھ کہا ہے آپ سے۔“ حذیفہ کو ہاتھ سے پکار کر فریضہ کیا۔

”آئی کی کدہری جس میرے بابا اٹھے نہیں ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں اور تانیہ اور فرح، مثال کو رات سے ہیں۔“

”نکلی تنگ کرتے ہیں۔ مجھے اٹھنا بابا کے پاس جانا ہے۔“

”اچھا تمکھ ہے پر ابھی تو ابنا ناؤ ناؤ خالہ ناراض ہو جائیں گے نا کہ حذیفہ ان کے پاس رہتا ہی نہیں ہے۔ وہ تو آپ سے پیار کرتے ہیں نا اور میں آئی کی دانوش کی تمکھ سے۔“

”آپ آئی کی کو کہا میرے بابا بہت اچھے ہیں۔“ وہ معصومیت سے بولا۔ ایک بات جیسے اس کے ذہن میں بیٹھ گئی۔ زنبب نے سر ہلاتے ہوئے

پلٹ گئی۔

اس کے ماتھے پر پیار کیا تھا۔ پھر اسے مثال کے پاس  
بٹھا کر وہ بھابھی کے پاس آئی۔

”بھابھی! آپ نے حذیفہ سے کیا کہا ہے اس کے باپ کے ہاڑ سے میں؟“

”یہی کہا کہ ہرجوڑا ہے۔ دھوکے ہاڑ ہے۔ تم بھی کہتی ہو میں نے کھدیا تو کون سا گناہ کر دیا۔“ وہ اپنے مخصوص انداز میں بولیں۔

”بچوں سے اسکی بات نہیں کرے۔“ اس نے نظر کس چرائیں۔

”اُن کے سامنے نہیں تھکتی تو کیا ہوا۔ اس حقیقت کا انہیں پتا چلنا ہے۔ اُمی سے جان لیں تو اچھا ہے۔ باپ سے دور دور ہیں گئے۔ تمہیں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔“ بھانجی کو کھنکھاتا ہے کار۔ تمام دھڑکتی ہوئی اُمی کے پاس گئی۔ وہ دھڑکے سالن کی تیار کر رہی تھیں۔

”اُمی یہ بھانجی واپس کب جائیں گی۔ دوپٹے مونے ہیں انہیں آئے ہوئے۔“

”اپنی مرضی سے رہ رہی ہے میں کیسے واپس بھیج دوں اور جب اپنی بیٹی پر زور نہیں چلتا تو پرانی سے کپا شکایت کرنا۔“ وہ ناراضی سے بولیں۔

”ای آپ کب تک ناراض رہیں گی اور عہدہ عورتیں بھی تو زندگی کی گاڑی چلائی لیتی ہیں جن کے شوہر نہیں رہتے۔“ فردوس بیگم چپ کر اس کی طرف مڑیں۔

”زندہ کو مارو گی تو کیا باقی سب یقین کر لیں گے۔ یہ دھوکا تم خود کو تو دے سکتی ہو، دوسروں کو نہیں۔“

”دھوکا ہی سہی میں اس دھوکے کے ساتھ ہی خوش ہوں۔“ کاؤنٹر کی سلیب پر انگلی پھیرتی وہ نظر س ج ا رہی تھی۔

جو تم اوڑھنے چلی ہو، پچھتاؤ کی ایک دن کیونکہ وقت کی وصول پچھتاؤ تو بڑھاتی ہے پر دو انہیں کرتی۔" سنجیدگی سے کہتی وہ نگاہ پھر گئی۔ زینب خاموشی سے

☆☆☆

”تم نے تو کہا تھا اعتبار کارِ شمشیر مضبوط ہو تو کسی  
تیسرے کی اہمیت نہیں رہتی۔ پھر میں کیا کہوں کہ  
ہمارے درہمان اعتبار کارِ شمشیر بھی قائم نہیں۔“ وہ اس  
سے ملے ہوئی درخت کی آگیا کہ کچھ روک روکوں سے  
خون نہیں اٹھا رہی تھی اور وہ اندر اندر ملے لگا رہا تھا۔  
”آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟“ اس کی عجیبہ  
گہری آنکھیں خود بخود پھر محسوس کرتی وہ دلچسپ جھکاؤ کی اتنا  
عجیبہ ہوتا ہے کہ کسی نہیں دیکھا تھا۔

”مجھے اپنے سوال کا جواب چاہیے۔“  
 ”جب کسی کے اعتبار کی عمارت آپ کے  
 سامنے زمین بوس ہو جائے تو غلط اعتبار سے بھی اعتبار  
 اٹھ جایا کرتا ہے اور اب بہتر یہی ہے کہ آپ مجھے  
 مزید تنگ مت کریں۔ ہمارے بڑوں کو یہ فیصلہ  
 کرنے دیں۔“ سرٹھا کر اس کی طرف دیکھتی وہ کہہ  
 مٹی تھی۔

”میں اتنی آسانی سے اپنی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ کسی اور کو نہیں کرنے دوں گا اور پھر اس جرم کی سزا مجھے کیوں ملے جو میں نے نہیں کیا۔“

”یہ میری زندگی ہے اور مجھے حق ہے کہ میں فیصلہ کر سکوں اور کوئی مجھے مجبور نہیں کر سکتا۔“ وہ تپ کر بولی۔ اسے جیتے دیکھ کر گہری سانس لیتا وہ دھیمّا پڑا۔

نہیں ہوتا۔ فارہ جہاں سے علاوہ میری زندگی میں کوئی اور نہیں آ سکتا۔ محبت سے اسے دیکھنا آج وہ خود اپنا بدل اس کے سامنے کھول گیا تھا۔ یوں تو اس نے بھی اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ یوں بھی نہ فارہ اس قدر ریزہ ریزہ بات کرتی تھی کہ معمول کی باتوں کے علاوہ کوئی ایسی بات ان کے درمیان نہ بنی تھی۔

”آپ کی بات سن کر مجھے یہ ہے کہ یوں جذباتی داؤد آج آزما کر مجھے جسے میں اتار بیٹھ گویا۔ آپ کی غلط فہمی ہے۔ میں کیسی لڑکی نہیں ہوں جو باتوں کے چال میں محسوس جائے۔“

”فارم تم میری توہین کر رہی ہو۔“ اشتعال کی  
تیز لہر اس کے اندر اٹھی تھی جس کو اس نے بمشکل  
دبایا۔ چہرے سے غصہ جھلک رہا تھا۔ وہ ایک سیکنڈ  
بھی یہاں نہ رکنا اگر سامنے کھڑی لڑکی سے اسے  
شدید محبت نہ ہوتی۔

”آپ پلیز یہاں سے چلے جائیں۔ میرا  
تعارف نام بتائیں۔“ وہ اس وقت ڈیپارٹمنٹ کے  
بان میں کھڑے تھے اور اس پاس موجود اسٹوڈنٹس  
نہیں کالی در سے دکھ رہے تھے۔

”اگر آپ اس مگنی پر اتار رہے ہیں تو اس  
مغزور رشتے کو میں آج ختم کرتی ہوں۔“ ساٹ لہجے  
س بولتے اس نے اپنی انگلی سے انگوٹھا اتار دیا۔

”اگر آپ اس مگنی پر اتار رہے ہیں تو اس  
مغزور رشتے کو میں آج ختم کرتی ہوں۔“ ساٹ لہجے  
س بولتے اس نے اپنی انگلی سے انگوٹھا اتار دیا۔

”یہ کیجیے اپنی انگوٹھی اور آج کے بعد میرے  
سے ملنا مت آئیے گا۔“ اس نے انگوٹھی لینے کے  
بعد ہاتھ نہیں چھو رہا تھا۔ وہ تو بس یہ یقین سنا فارہ کا  
خواب دیکھے جا رہا تھا جو اس حد تک بھی جاسکتی  
ہے۔ انگوٹھی تو یہی بیخود رہی تو تیرہ تیرم لٹا اٹھی چلی  
گئی۔ وہ اسے روک کر کچھ مبالغہ کرتی تھی۔

اٹھاتا وہ لب پہنچ گیا۔ اسے بھی تو وہ یوں ہی ناقدری سے چھوڑ گئی تھی۔

☆☆☆

”کیا اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا؟“ کا زیدہ پر تکیں فولدے کی بنیاد پر جی صو نے پریشی زیدہ بیکم کی گود میں سر رکھے تھا۔ جیسے کوئی چھوٹا سا بچہ ماں کی گود میں منہ چھپائے سکون تلاش کرتا ہے۔ زیدہ بیکم نے گھر اسٹائل لیا۔ اس کے بالوں کو سہلائی لان کی اگلیاں بھی لہجہ کو گھم کی گئیں۔ یہ وہ سوال تھا جس کا جواب وہ خود تلاش نہ کر پائی تھیں۔

”دل تو بھی چاہتا ہے کہ سب پہلے جیسا ہو جائے، مگر جب اس بنگا کا سوچتی ہوں تو زبان پر تالا لگ جاتا ہے۔ خود میں اتنی بات نہیں کہہ سکتی کہ اس کا سامنا کر سکوں۔ میں تو اسے دھکے کھانے کے باقی نہیں رہی کہ میرے بیٹے نے اس کا اس قدر دل دکھایا ہے۔ جس شخص پر وہ صرف اتنا ہنسنے کی جگہ اب اس میں کوئی اور بھی حصہ دار ہے۔ یہ سہنا آسان نہیں ہے۔“

"ان! اگر مجھے وہاں نہ آئیں تو تھوڑے سا  
شال کا کیا ہوگا۔ ان کی کوڑ سے سر اٹھا دو سیدھا  
دیوڑھا۔ یہ دیکھ بیگم خاموش ہی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ  
سمیان تو اسے وقتہ اندر حصص بچوں کی طرف  
لے کر رہتا تھا۔ آخر ان کا مستقبل اس باپ سے  
شرور تھا۔ دونوں خاموش سے اپنی سوچوں میں غرق  
تھے۔ تنکا کا شمشیر یا زرخند اسے سلام کرتا وہ سامنے  
کھڑے ہونے پر پیشگی کیا۔ گاؤں کی چابی بھی بغیر  
ملی۔

”کہاں گئے تھے؟“ زبیدہ بیگم نے پوچھا۔  
 ”شالین سے ملنے۔“ شہریار نے اپنی کنپٹیاں  
 ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ زمین نے لبختی سے  
 سچ لے۔

نہ سمجھایا ہے اسے کہ وہ بے کار میں اپنا وقت  
 بے کربانی کر رہی ہے، مگر وہ بخند ہے کہ مجھے ساتھ لے کر  
 گئے گا۔ وہ سمجھ کر رہی ہے کہ فیملی پر رش کیا ہے۔

دیں گے۔  
”تم پریشان مت ہو۔ ہم تمہارا رشتہ نہیں ٹوٹے  
رہنے دے دیں گے۔ یہ بہلاؤ نہیں جاہیے۔ آپ  
کی طرف سے یہ تقویٰ بہت ہے۔“ بدھ بڑی سی اس  
کا ہاتھ جھٹکتے ہو چلا آیا۔ شہر یا جی رہندو سادیو بدھ  
کے قدموں میں جا کر سجدے ہوئے جا رہا تھا۔  
”اماں آپ بھی مجھے معاف نہیں کریں گی۔“  
اس کے لیے میں سمن اور شرنند کی بھی۔ دوپے سے  
آکسو معاف کر لی وہ بوہن۔  
”ناین تو بڑی سے بڑی خطا معاف کر دیتی  
ہیں اور پھر تم تو میرے دو بیٹے ہو میں نے سیر پر  
تکلیف کو ہانا ہے۔“ پھر کئی نہیں معاف کر سکی  
جنہیں، مگر میں کم دھولیاں ہاتھوں کو لاڑے اور دور  
ہو کر نہیں دیکھ سکتی۔ ”آکسو پھر سے ان کے رخسار پر  
بہہ لگے تھے۔ شہر یا نے انہیں اپنے ساتھ کھانے  
پر بلایا۔ وہ ان کی نظریں باہن آج اور آج تک تکلیف کا  
سبب نہیں تھا۔ اس کا اسے خود سے وہ کسی بھی  
پائے کا گایا نہیں؟ وہ نہیں جانتا تھا۔  
☆☆☆  
زندگی کے مٹی جیسے اس کے لیے تہہ دل ہو گئے  
تھے۔ دو جو ہر لمبے سے خوشیاں اٹھانے کے لئے  
موا لے تلاش کیا کرتی تھی۔ اس لیے کہ جو کچھ  
ہو گئی تھی جس کے آگے کو تلاش لگتی نہیں رہتی تھی  
بے سکونی اور اداسی کی لپیٹ میں تو وہ کسی عیا پر اسے  
دل بھی پھول محسوس ہو رہا تھا۔ اسی اس سے ناراض  
ہی رہتی تھیں جبکہ اب اس معاملے میں بالکل خاموش  
ہو گئے تھے۔ نہ ساتھ دینے کا اختلاف کرتے تھے  
دلوں میں ہاتھوں کو لیے پھرتے ہو کوئی اعتراض نہیں  
تھا۔ بڑے بجا واپس چلے گئے تھے پر جاتے وقت  
اسے یقین دہانی کر دیا کہ جسے تم کو اپنی بار اس  
مسئلہ کر کے ہی جائیں گے۔ نارو کے فائل ہو۔  
والے سے وہ مصروف نہ رہتی تھی۔ وقت ملتا تو پھر  
اداس کر کے بہلا لے میں لگتی رہتی۔  
وہ حذیلہ کی طرف سے بے حد پریشان تھی۔

اس کی لپیٹ میں تمہارے بے بسی آئیں گے۔  
 ہابھائی نے تجھ کوئی سے کہا تھا ان سے بات کر کے  
 وہ اندر آگئی۔ بسہ ہابھائی کے کمرے سے آواز آئی  
 آرسی جس۔ اس میں ہی اپنا زور پورا دھنسی پکڑے لینے  
 آئے۔ اس کے سینے میں شادی کی وہ آواز آئے جو وہ  
 جانا چاہتا تھا جسی مگر اپنا نام سن کر ٹھٹھکی لگا۔ لا شعوری طور  
 پر وہ کمرے سے قریب ہوئی۔  
 ”جس تیلے براڑ جائے کر کے چھوڑتی ہے۔“  
 اب نہیں جانے والی دایں۔ طلاق کے بعد کمرے کی  
 میں تو کہتی ہوں بہت ادا ہوں اپنا ہمارا شادی ٹھٹھکا کر آئی  
 شہر آیا ہے۔ ہاں کوئی دوسری۔ وہ کلاب کیسا کھلایا  
 ہے اس نے۔“ ہابھائی کے طنز پر لہجے کی کاٹ اسے  
 اندر تک اتارنی محسوس ہوئی۔  
 ”میں تو کہتی ہوں تم اس بار آؤ تو تھک کے  
 رہتے یا ایک باپ جو چل پاتا ہوں تھک کے  
 ساتھ تمہاری طلاق کو سال ہوں۔ اسے دردی تو کڑاں  
 دکھو دیکھ کر خوار ہو رہی ہیں اور دانیال کو سنبھالنا الگ  
 مشکل ہو گیا ہے۔“ وہ جو جائے کر کے لیے مڑی تھی۔  
 ہابھائی کی بات کے گویا قدموں کو چھو لیا۔ بے یقین  
 ہی وہ دروازے کی آڑ سے، فون بے بات کرنی بسہ  
 کی دھڑک دھڑک کی جڑور سی طرف کی بات سن کر سر  
 ہلاتی پھر سے شروع ہو گئی۔  
 ”اس کی تم گھر نہ کرو، اس بار وہ نکلا نہیں  
 کر سکے گی۔ یہ بھائی جو اس وقت اس کے ساتھ  
 کھڑے ہیں۔ طلاق کے بعد جس دور میں کے ساتھ  
 نہیں شادی کی کلاوڑ کھڑی ہوں ناس باگلو کی راستہ  
 دیکھیں پھڑوں کی کٹاکلا کاوڑ۔ سوال اس کے بچوں کا  
 تو شہر بار نکلو وہ کی نہیں۔ تو چلو تیرے دانیال کے  
 ساتھ بھلی ہی جائیں گے اور پھر خان کچھ جدا ہوا  
 ہے۔ کھڑے ہوئے ہوں گے خود ہی باپ کے  
 پاس چلے جائیں گے۔“ وہ شاید کچھ اور بھی کہہ رہی  
 تھیں مگر باپ نے غصے میں مزید بولنے کی سہ نہیں کی۔  
 بھل کر اپنا آپ ٹھٹھکی وہ دہاں سے ہٹ گئی۔  
 ☆☆☆

”تمہارا خون کافی دیر سے واپس نہر کر رہا ہے۔“ جانے کا کپ فارہ سے لپٹے اپنی سے بتایا۔ ساتھ ایک نظر مثال پر ڈالی جو اس کی سولی کی۔ فارہ نے ٹھیک پر رکھا سواہل اٹھایا۔ اس پر بے چینی کے نام کو دیکھ کر اس نے لب کاٹے۔ ساتھ ہی اس کا آخری تاج بڑھا جو چند منٹ پہلے ہی آنا تھا۔

”آج میں تم سے بات کیے بغیر نہیں جاؤں گا۔ اس وقت تک گھر کے باہر موجود ہوں گا جب تک تم میرا خون نہیں اٹھاؤ گی۔“

”ابنا وقت ضائع مت کریں۔ جلدی بات ختم ہو چکی ہے۔ ابو اسے دل سے میری سبکی کا باعث مت بنیں۔ اس نے بیچ لگھا۔“

”تو پھر آج میں ان سے بات کر کے ہی جاؤں گا یا پھر تم کرو۔“ فارہ نے ذات پیچے۔ عجیب سر پھرا۔ دیوانہ لگا تھا جو اس کے انکار کے باوجود اس رشتے کو جوڑنے کے در پیکار۔ اس کو جواب دینے کے بجائے سواہل آف کرتی وہ اندھ گئی۔ اپنی اہوا حلیہ کو ساتھ لے کر بسرہ بھاگی کے نیچے کی ٹھاد کی تقریب میں لگے ہوئے تھے اور ان کے آنے میں ابھی ایک دو گھنٹے باقی تھے۔ ذنب کاوے جانے کا پتا کر وہ اٹکی نہیں سمجھتی دوسرے کمرے میں بھاگ گئی۔

فارہ کے سر سے لپٹنے کی وہ خوفناک صورت جانے چلی گئی۔ قریب آگئی۔ مٹی کو اس کی غصائی ہوا کے جھوٹے آ رہے تھے۔ باہر برستی کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کی چھین پر ہنسنے لگی۔ جگہ تھے جن کو موسم انسان کے مزاج کے رنگوں سے شرد ہوتا ہے۔ یہ موسم جو بھی اس کی شرمیں کو بڑھا دیا کرتا تھا اور وہ قافلانچہ بھری بالائی کی جھینکے کے لیے دوڑ پڑتی تھی۔ آج بھی موسم اسے اپنے دھبہ میں برابر کا شریک لگا تھا۔ بہت سے مناظر اس کی آنکھوں کے سامنے گزرتے ہوئے تھے۔ بسرہ بھاگی کی بالائی میں پھر سے کانوں میں گونجنے لگی تھیں۔ ساری تکلیف وہ سوچوں سے داسن پھرائی وہ رات کی تاریکی میں برستی ہوا کی دھنکے لگی۔ باہر دھنکی وہ جھکی کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔

تھا۔ آنکھوں میں آئے آنسو دوپٹے سے صاف کیے اور غور سے پیچے دیکھا۔ وہ اس وقت گھر کی بالائی منزل پر موجود تھی گھر کے کمرے سے تھوڑی دیر کاڑی سے لگ گئے، جانے، وہ کون دہانا تھا جو اپنا منہ فلانہ کرنے کو یوں اٹھایا گھبراہ میں بیکر ہا تھا۔ افسردگی سے اسے دھنکی وہ کھڑکی کے پاس سے منہ ہی جانی اگر وہ سر اٹھا کر اوپر نہ دیکھ لیتا۔ منہ پر آنے والے بارش کے قطرہوں کی پروانہ کرتے ہوئے ان کے گھر کی طرف دو لپٹا۔ وہ کچھ باہر پھینکا سا لگا اور پھر لمبے کے پرداروں میں سے وہ اسے چھپان لگی تھی۔ باہر کچل کھڑے کی زوردار وار ڈالنا کے کوچہ سے ہونے چلی تھی۔

”خون میں آگئی۔“ وہ کھڑکی کے اندر بیرونی دروازے کی طرف بھاگ گئی۔

”بیکار۔“ وہ قافلی ہے زین۔ اپنی حالت دیکھو۔ کیا اس طرف سے بارش میں بیکر رہے تھے۔ اسے گھر کے اندر چلنے ہی وہ اس پر برس پڑی۔

”جس کی بالائی میں کچھ ڈالے، سر جھکاے گھڑا وہ برقی سرخ رنگ چٹا تھا۔“

”اب بیٹھو۔“ اسے ابھی تک گھڑا دیکھ کر ذنب نے اشارہ کیا۔

”تو نہیں دیکھ۔“ آہستہ سے کہتا وہ نظریں جھکاے گھڑا اور ذنب کے ڈپٹے پر بیٹھ گیا۔

”کچھ کو لگے نہیں۔“ اسے ہی خاموشی کو ڈانڈا۔

”اب سے تو نظریں ملانے کے بھی قابل نہیں ہوں۔“ ذنبی کراہت ذنب کے چہرے میں پھیل گئی۔

”میرا منہ بھرم ہوا کرتے ہیں اور میں بھی بھری میں نہیں آتے۔“ انہیں نظریں چرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

”کچھ ہوا۔ کوئی بات ہوئی ہے فارہ اور تمہارا سرے دو میان۔“ وہ جھکی

”فارہ نے جھکی تو وہی ہے۔“ اظہار نہیں کرتی

تھم پر۔ اسے لگتا ہے کہ میں بھی اسے بھائی کی طرح اسے دھکا دوں گا۔“ اسے دھکا لگا تھا۔ بسن کر فارہ نے تو اس کی بات نہیں کی تھی۔ ”آپ کو بھی لگتا ہے کہ میں بھائی کی طرح فارہ کو دھکا دوں گا۔“ کچھ کھاسا اس کے اعزاز میں، اس کی آگے ہوتی کھڑکی کی آنکھوں میں۔

”میرا خیال ہے جس سے بات کرنے آئے ہو پہلے اس سے بات کرلو۔“ گھر اس اس کی دھکا کی۔

”ایک بات آپ کی کچھ میں کیوں نہیں آتی۔“

جب میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی تو کیوں بار بار دھڑک رہے کرتے ہیں۔“ چہرہ نیچا لے کر وہ اس کے سامنے موجود تھی۔ تمام تر سنجیدگی چہرے پر پھیلائے

ہے کچھ اعزاز میں اسے دھکی ہوئی۔ زین کی حالت نے میں آپ کو بولی اڑھیں ڈھلائی۔

”دھڑک رہے تو میں بھی ہوں۔“ انکلیت تمہاری وجہ سے ہوں۔“ زین اس کے مقابل کھڑا ہوا۔

”میں آپ کی کوئی دھنک نہیں کر سکتی۔“ شورہ ہی دے سکتی ہوں۔“ بھول جائیں کہ میں کوئی تعلق ہمارے درمیان تھا۔

”دل سے جڑے تعلق آسانی سے بھلائے نہیں جاتے۔“ نہ ہی دل کوئی ایسی زنجیر زمین سے جس کی مٹی میں کوئی بھی پودا آسانی سے کسی کی جگہ لے

لے۔ یہ زین کا مدعا کہ یہ یہاں کے مٹین دوز روز جگہ نہیں بدلتے۔“ معصوم لہجے میں بولتا وہ سامنے کھڑی سنگدل لڑکی کو دیکھے گا۔ یہی بات بھی

شاید اڑھیں کرتے تھے۔ دونوں بازو سینے پر لپیٹتے وہ بولی۔

”میں نے آپ سے ایسا کوئی تعلق نہیں جوڑا۔“

اس لیے مجھے الزام مت دیں اور اگر آپ اپنی جگہ کا واسطہ دینے آئے ہیں تو مجھ میں کجبت بھیک بھی نہیں ملا کرئی۔“ آج سارے لحاظ بالائے طاق

رنگے وہ اس کی آنکھوں میں اڑھیں ڈالے کھڑی تھی۔ تو زین کے احساس سے زین کا چہرہ سرخ ہوا

تھا۔ بولا تو لہجہ جیتر تھا۔

”میں یہاں کچھ مانگتا نہیں آیا تھا۔“ رہا نہ تھا اپنی عیت پر کہ اس کا قصدا تھا معصوم طو ضرور ہوگا کہ تم مرکز دیکھو گی تو اعتبار پھر سے اپنی جگہ بنالے گا، مگر میں غلط فہم نہیں ہونا چاہتا۔“ وہ

پلٹ گیا تھا پر کئی ہی دیر چارہ اپنی جگہ سے اٹھ نہیں سکی تھی۔

☆☆☆

”فارہ نے جھکی تو زکر چھاپیں کیا۔ ابھی ذنب آپ کا مسئلہ نہیں ہوا اور اس سے براہ سب

اٹھالیا۔“ زین کی ساری بات سن کر کھارے سے غمرا گیا۔

وہ دونوں اس وقت کا بننے آئے ہوئے تھے۔

”ابھر پھو پھو کے گھر میں کی کوئی نہیں ہے اور ایک طرح سے اچھا ہے ذنب آپ کی جگہ سے

وہ گھر پہلے ہی سخت پریشان ہیں۔ ای کی خود پھو پھو سے شرمندہ ہے۔“ آخر یہ شذر کرنے میں وہ جھپٹ چکی

تھیں اور جگہ تو یہ ہے کہ شہر یا بھائی کے بارے میں ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں سوچ سکتا تھا۔“ کانی کا

سب لپٹے ہوئے ہمارے سامنے بیٹھے زین کو دیکھا جو خاموش بیٹھا کانی سے بھرے کپ کو کھورے جا رہا

تھا۔

”اب کچھ بول بھی دے۔ کب سے میں بولے جا رہا ہوں۔“ ہمارے اسے اسکا نا پالما۔

”کیا کیوں بات تو چکا ہوں سب اور یہ بھی ہم کچھ بولنے کی پوزیشن میں رہے ہی ک ہیں۔ اب تو

بس میں ہی پڑی ہوں۔“ گھر اس اس لینا وہ نظریں چرا گیا تھا۔

”آم ان پار۔ تمہارا تو اس معاملے میں کوئی قصور نہیں ہے اور پھر بھڑکی کوئی بڑو کی صورت لکل

آئی۔“ ہمارے لیے دینے کی کوشش کی۔ ایک سنج سکر امیت زین کے کیوں پر پھیل گئی۔ اسی وقت زین کو پکارا ہوا کوئی ان کی ٹیبل پر آیا تھا۔

”عدیل بھائی۔“ زین ان کو پچھان کر اٹھا۔ وہ شہر یا کاب سے شرمی دورست تھا۔ دونوں ایک ہی

فرم میں جاب کرتے تھے۔ اگلی دن میں بھی اسے زین کی ملاقات ہوئی تھی اور ایک دوبار پاکستان میں بھی۔

”آپ کب آئے؟“ انہیں بچنے کا اشارہ کرتے زین نے پوچھا۔

”کلی ہی آیا ہوں۔“ وہ تو رونا کی شے لگ رہا تھا۔ ملاقات نہیں ہوئی۔ توں تو رونا کی شے لگ رہا تھا۔ معاملات کچھ حل ہوئے۔“ عدیل نے سنجیدگی سے پوچھا۔ یقیناً وہ بہت کچھ جانتا تھا۔

”جس قدر وہ بہت حالات کا ذکر کرچکے ہیں۔ مشکل ہی ہے اب کچھ سحر ہائے۔“ زین کے لیے کئی کئی عدیل کو کچھ طرح محسوس ہوئی۔ ”آپ تو سب جانتے تھے۔ مجھے تاہم تکتے تھے بلکہ اپنے دوست کو روک بھی سکتے تھے۔“ پھر کیوں نہیں روکا آپ نے

اسے اور دو روز زین کا روبرو کر دیا۔ ”عمار خاموش سامع کی طرح زین کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھا تھا۔

زین کی سنجیدگی سے کہی بات پر عدیل نے لکڑا لکڑا کر کہا۔ ”نہیں تھا وہ بھائی سے، مگر ایک بات

ہیش یاد رکھنا زین کہ کہانی کے ہمیشہ دور رخ ہوتے ہیں۔ ایک جواز نامہ لگانے والا سنا ہے اور دوسرا وہ جو طریم سنا ہے۔ میں یہیں کیوں کہ شہر پارنے جو

کلیف کیا ہاں پر ضرور رکھوں گا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہ کر دوسرے کو مورد الزام ٹھہراں بہت

آسان ہوتا۔ اگر اس کی جگہ پر آکر دیکھو تو جانو اس کے سوز و دیاں کا حساب۔“ مگر اسلئے قیادہ چند

لمحوں کے لیے خاموش ہو کر اپنے مخصوص انداز میں ہلکا سا مسکرا کر بولنا شروع کیا۔

”اور یہ جو ہم پردہ کی ہوتے ہیں۔ جو اپنے گھر والوں کی خاطر پٹیا کاٹنے سات سمندر پار

جاتے ہیں۔ یہ وہاں کیسے رہتے ہیں۔ کیسے پانی پانی جوڑ کر گزارا کرتے ہیں۔ کیا انہیں سمجھتے ہیں۔ یہ سب

ان کے گھر والے بھی نہیں جانتے۔ ایسے میں اگر نہیں اپنا آپ بھی پہنچا پڑے تو یہی کی کر کریں۔

میں شہر پار کے اچھے برے وقت کا ساتھ ہوں۔

اکٹھے ہم نے چہنچہن کر چہنچہن کی ڈیڑھیاں دیں، بیماری میں ایک دوسرے کا سارا بوجھ اٹھایا۔ اٹھتے جیسے، اٹھتے دوڑتے۔ جب ہم یہاں سے گئے تو ہماری تعلیم انہیں نہیں کی کہ اچھی نوکری کر سکتے۔ شروع کے

سالوں میں بہت مشکل وقت دیکھا شہر پار کو پڑھنے کا شروع ہی تھا اور کچھ مالی حالات کو بھی بہتر بنانا چاہتا

تھا۔ بس ایک تنگ دو دو میں اس نے مجھے بھی شامل کر لیا۔ اچھے گھنٹوں کی ڈیڑھیاں کے ساتھ پڑھنا

خاصا مشکل تھا، مگر ہم نے کیا۔ تب ہی ہمیں بہتر نوکریاں ملنا شروع ہوئیں۔ پھر حیدر صاحب کی فرم

میں اچھی جاب مل گئی۔ سب سہولت تھا، ہم گھر والوں کو اچھی طرح سے پھرت کر لے گئے تھے۔

پھر شائیں حیدر آگئی۔ حیدر صاحب کی اکلوتی بیٹی جس شخص پار پھر سے تنگ ہوا راز کر رہا تھا۔ پتا

نہیں کیسے وہ شہر پار کی محبت میں گرفتار ہو گئی۔ شاید اس کی شاندار پرکھنے کی وجہ سے۔ شہر پار نے اسے

پھر پڑھنے کو پارا دیا اور شائیں کے لیے یہ چھوٹی بات نہیں تھی۔ وہ سونے کا ٹوالہ لے کر پیدا

ہوئے والوں میں سے کی جو سب چیز پر ہاتھ رکھ دینے وہ حاصل کر کے ہی رہتے ہیں۔ شائیں عجب جونی

سی لڑکی ہے۔ کچھ اس وجہ سے اور کچھ شہر پار کی پواؤں کی وجہ سے حیدر صاحب کو اس رشتے پر کوئی

اعتراض نہیں تھا۔ انہوں نے شہر پار کو خاصا پیار کر لیا تھا۔ وہ تب بھی نہ مانتا اگر اس سے رشتہ نہیں

(اختصاصی) نہ لگتا کیا جاتا۔ حیدر صاحب نے آخری حل پیش دیا کہ یا تو وہ جاب چھوڑ کر چلائے جائے یا

پھر شائیں سے شادی کرے۔ اور وہ شاید جاب چھوڑ دینا اگر اس وقت اسے اپنے بھائی کی سسرالی نہیں نہ

دینی ہوئی۔“ عدیل نے سنجیدگی سے سامنے بیٹھے زین کو دیکھا جس کے چہرے کے تاثرات تیزی سے

بدلتے تھے۔

”جہاں پہلے اس کے بھائی کی فیس ہلی مرتبہ لیت ہوئی تھی کیونکہ وہ اس شخص میں تھا کہ اس سے کم پیسوں والی جاب کر لے جو اسے اس وقت مل سکتی

یا پھر حیدر صاحب کی آخر میں ملنے والی مراعات کا فائدہ اٹھانے اور فیصلہ ہو گیا تھا۔ وہ جو محال کیا

تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ کیا جی کو تاد ہے۔ وہ نہیں مانتا۔ مرد پر اگر کوئی فیصلہ زبردستی مسلط کر دیا

جائے تو اس کے لیے قول کرنا پڑا مشکل ہوتا ہے۔ میں یہیں کہوں گا کہ شائیں اچھی لڑکی نہیں ہے۔ پر

میرے خیال میں وہ دیکھی ہوئی نہیں ہیں کئی کئی کچھ ہم مل کر اس مردوں کو چاہے ہوئی ہے۔ تب ہی تو

شہر پار کو اس سے محبت نہیں ہوئی جب کہ نہ بھائی کے ساتھ شادی کے بعد وہ آخر خوش رہنے لگا تھا کہ

میں حیران ہوتا تھا اسے دیکھ کر۔“ پھر وہ کھڑی دیکھتا ایک دم کھڑا ہو گیا۔

”یہ ہم پر دیکھوں گی کیا ہاں بھی یہی لڑکی ہوتی ہیں۔ خاصا وقت لے لیا تم دونوں کا۔“

”آپ نہیں سمجھ سکتے ہیں آپ کو۔“ عمار کو یک دم خیال آیا۔ وہ مسکرا کر چہرے پر نظر ڈالی جو غیر

مرئی نظر پر نظر نہیں بنائے ہوئے تھا۔ شب سے چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ اس کی اندرونی کیفیت یقیناً توڑ

پھوڑ کا تھا۔

”رہنے دو دکھانے کا وقت تو گزر گیا۔ وہ بھی میرے

پر دیکھوں گا فاقوں کی عادت ہوئی ہے۔ خالی پیٹ ہمیں کبھی تنگ نہیں کرتا۔“ لیے لیے ڈگ بھڑتا وہ چلا گیا

تھا۔

☆☆☆

اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا۔ اٹھ کر بیٹھے ہوئے نظر اس کے مضطرب چہرے پر

پڑی تو وہ بے زبان ہوا تھا۔

”کیا ہوا زین؟“ شکر ساس کی جانب دیکھتا وہ اس کے احساس جرم کو براہ گام کیا۔ اس سے پہلے کہ

شہر پار اپنی جگہ سے اٹھتا۔ زین سر جھکا، گھٹنوں کے بل اس کی سامنے بیٹھ گیا۔

”سب غلط ہو گیا بھائی۔ وہ سب جو میں نے آپ سے کہا۔ مجھے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ ابا کے بعد آپ کی شفقت کے سامنے کو میں نے ہمیشہ محسوس

کیا۔ آپ کے وجود میں تو ہمال تھے مجھے۔ پیار کرنے والے، جھوٹے دینے والے۔ میری ہر تکلیف پر

ترپ اٹھنے والے۔“ شہر پار نے اسے ٹوکنے کے لیے منہ کھولا، مگر زین نے کٹی میں سر ملائے ہوئے اسے

روکا۔ آنکھوں میں وردی جیسی بن کر آئی کی۔

”آج مجھے بولنے دیں کیونکہ آپ نے تو بڑے بھائی ہونے کے سارے فرائض نبھائے، مگر

جب میری باری آئی تو میں خود غرض ہو گیا، کچھ اس کے لیے کی طرح جو آپ کے کندھے تک پہنچتا ہے تو اس

کے سر پہے اور حیثیت کو بھی بھول جاتا ہے۔ بھول جاتا ہے کہ جسے باپ نے اسے قدم قدم پر چلا سکھایا

تھا۔ اپنے برابر مل کر اکرنے کے لیے کسی کسی تکلیفیں کئی تھیں۔ حالانکہ مجھے وہ پھلاسا ہوتا جا چکا جو

آپ کے ساتھ کھڑا ہوتا مجھے سے کوئی کچھ بھی کہتا پر مجھے تو آپ کا ساتھ دینا چاہیے تھا۔ مجھے حاف

کر رہی تھی۔ میں خود غرض ہو گیا تھا صرف اپنا نقصان ہوتا نظر آیا مجھے۔ تب ہی تو ان باتوں کو

جھک دیا جو دن رات میرے لیے محنت کرتے رہے۔“ کی کو اپنے اندر اتارنے زین نے اس کے

باتوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔ دل سے جیسے کو نادیہ ہو مجھ سارا محسوس ہوا تھا۔

”تمہارا قصور نہیں ہے۔ مجھے اپنے باپ کو کبیرہ سمجھتے ہیں اور جب ان کا بتایا ہو بات تو غلط ہے تو

تکلیف تو ہوتی ہے۔“ شہر پار نے اسے شرمندگی کے احساس سے لٹکانا چاہا۔ پر اس کے لیے کچھ بھی نہیں

تکلیف تو کون کون پوری طرح محسوس ہوئی۔ کہہ کر سانس لیتے ہوئے شہر پار نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اپنے ساتھ اٹھایا۔ بولا تو لہو پر نرم سراہٹ

تھی۔

”تم میرے بیٹے ہو زین۔ جہاد خوشی مجھے اپنی خوشی سے زیادہ عزیز ہے۔ تم گھر مت رو کیا خود

فائدہ کے پاس جاؤ گا کہ اس سے بات کر دوں گا۔ اسے تباہوں کا گزین جیسا تو اسے لہو کی ہی نہیں

سکتا۔“

”نہیں بھائی۔ آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ سے الٹا سیدھا کچھ کہے۔ وہ آپ کی بے عزتی کرے یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔“ چلتی سے کہتا رہا۔ کچھ بھی تھا۔ یہ کچھ تھا اس کے لیے جس کو شہر یا فاروس ہو گیا۔

☆ ☆ ☆  
”دھنگی تو زوری اور بتایا بھی نہیں۔“ ہاتھیں فولد کیے گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا گھیرا رکھ دیے وہ لان کی جانب جاتی پیر میں سے ہتھکی اپنے ریمان سے چوکی نظر سے اختیار کرتے۔ غریب کی نضب پر پڑی جس کے کچھ میں دکھا ہے۔

”پتا چل گیا آپ کو۔“  
”پتا تو ایسی چل گیا تھا زین سے بہت جلدی نہیں کر لیا یہ فیصلہ نہ۔“  
”مجھے پہلے وقت پر کر لیتا ہی بہتر ہوتا ہے۔ کم از کم بعد میں چھٹتا تو نہیں پڑے گا۔“ اوار کے زور پر اڑتی شرارتی لٹ کوکان کے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

”میں نے بھی ایک فیصلہ کیا ہے۔“  
”کیسا فیصلہ؟“ فاروہ اس کی جانب مڑی جوابی کے انداز میں تپسی، سامنے دھنگی اندھیرے میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ چہرے پر غیر معمولی تنیدگی چھیلی ہوئی تھی۔

”میں واپس جا رہی ہوں مجھے شہر پار سے ملائی نہیں گئی۔“ اسے لگا اسے سننے میں گھٹی ہوئی ہے۔

”کیوں؟“ کھنک آپ میری چیز سے..... اسے یک دم خیال سا آیا مگر نضب نے فنی میں سہاڑے ہوئے اس کی بات کا لی۔  
”نہ تمہارے لیے نہ اپنے لیے۔ یہ فیصلہ میں نے مدلیہ اور مثال کی وجہ سے کیا ہے۔ بہت سے دیوں اور باتوں نے مجھے حیراسا دلایا ہے کہ میں اپنے بچوں کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کروں۔ شہر یا کو پھوڑ کر شاید میں اپنی انا کی تسکین تو یوں بھر اپنے بچوں کی زندگی میں آئے والی عمر میں کا ازالہ

نہیں کر پاؤں گی۔“ چمن سے بولتی وہ اسے کوئی اور ہی نضب لگا۔  
”کسی نے آپ سے کچھ کہا ہے۔“ فاروہ کو شک گزرا۔

”کسی نے کچھ بھی کہا ہو پر جی بچی ہے کہ میرے بچوں کو اپنے باپ کی ضرورت ہے اور اس کی جگہ ان کی زندگی میں کوئی نہیں لے سکتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ میرا دل اس سے کوئی بھی تعلق رکھنے پر راضی نہیں۔ پر میں اپنے دل کو کچھالوں گی۔ کیونکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ شخص میرے بچوں کا باپ ہے۔ ان سے محبت کرتے ہیں اور اس میں اس کی کوئی بات نہیں ہے کہ میں اس سے ان کا گھر، ان کی محبت چھین لوں۔ جو حق ہے اپنے باپ کے گھر پر۔ اس دی ہوئی چیزوں پر جتنا ہے ہیں وہ کسی دوسرے کی چیز پر نہیں ہو سکتا اور پھر میں ان پر یہ کیوں کروں۔ وہ نوٹ ہے ان کا باپ، ان کا گھر نہیں چھینا۔ وہ نوٹ باپ میں گئے، گھر جائیں گے اور میں ساری زندگی انہیں کیلئے میں لگی رہوں گی۔“ بے اختیار میں چمک پڑنے والے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑتی وہ اس کی جانب مڑی۔

”مجھے تم سے نہیں کی گزرتی کہ ایک موقع دو۔ وہ بہت اچھا ہے اور اس سارے فیصلے میں اس کا قصور تو کھنک پر بھی نہیں ہے۔ شاید تم سے ایسا نہ تھا، مگر اس رات مجھے اس کی آنکھوں میں وہی تکلیف، وہی جھپٹ نظر آئی جو مجھے اپنے وجود میں محسوس ہوتی ہے۔ بہت چاہتا ہے وہ کہ میں اور اس کی محبت میں کوئی کوٹ نظر نہیں آتا مجھے۔ ایسے پیارے اور خالص جذبات رکھنے والے انسان کی ناندری نہ کرو فاروہ! مان لو کہ وہ تمہارا ہے اور تمہارا رہے گا۔“

”باتی تو ہوں۔“ اس کی زبان سے پچھلا بھر اس نے نگاہ چرائی۔ نضب ہنسنے نظروں سے اسے دیکھنے کی۔ چمن نے گھٹی اس لیے نہیں توڑی کہ مجھے اس پر اختیار نہیں ہے یا اس کی محبت پر شک ہے اسے لیے اس کا حساس ہونا مجھے بھی نظر آتا ہے۔ اس کی

محبت کا خالص ہیں بھی محسوس ہوتا ہے۔“ جھکی نظروں سے ادا عزت کر گئی تھی۔

”پر آئی آپ خود بتائیں۔ اگر آپ شہر پار بھائی سے رشتہ تو نہیں تو کیا ہمارا رشتہ بانی ہونا یا مگر زین کو یہ بات مجھ میں نہیں آ رہی گی۔ اسی کے لیے مجھے کہہ دیجئے کہ ابھی سے اسے اس بات کے لیے تیار ہونا چاہیے۔ میرے تحت دو بے کی وجہ بھی نہیں کی، مگر وہ اس حقیقت کو تسلیم ہی نہیں کرتا چاہتا تھا۔ اسے یہی لگا کہ میں اس کے ساتھ زیادتی کر رہی ہوں۔“ جس بات کو وہاں سے دلوں سے اپنے دل میں پھپھانے لگا تھی، آج نضب کو بتاتے ہوئے اسے اپنا آپ لگا چلا ہوا محسوس ہوا۔

”مزدوری تو نہیں تھا کہ مزدوروں کا رشتہ بھی غوثا اور ای تو ابھی بھی یہ ہی چاہتی ہیں کہ تمہارا رشتہ جڑا رہے۔“ اس نے غصہ کی ہوا کو گہرا سانس لے کر اندر اتارا۔

”نہیں آئی وہ آپ کو بھی اسی گھر سے وابستہ دیکھنا چاہتی ہیں اور باقرض اگر ہمارے بڑے ایسا کوئی فیصلہ کرے گی تو میں خود اس رشتے پر راضی نہ ہوں۔“ جیلا آپ کو میں تکلیف میں کیسے دیکھتی تھی۔ اس گھر کے ہر رُخ سے آپ کا ایک رشتہ ہونا جو ہر بار سے سرے سے آپ کو تکلیف میں جلا کے رکھتا۔ میں اپنی خود غرض نہیں ہوں آئی اور پھر میں کیسے اس شخص کی عزت کر پائی جو میری کہن کے لیے تکلیف کا باعث ہوتا۔“ اس نے پیار سے اپنی چھوٹی کہن کو دیکھا۔ قلم تپتی پر واگی اسے اس کے جذبات کی اسے پیار سے ساتھ رکھے ایک خوب صورت مسکراہٹ کیوں پر پھیلی تھی۔ فاروہ بھی آج انھوں کے ساتھ گمراہی۔

☆ ☆ ☆  
”واپس کب جانا ہے تم نے۔“ چمن نے آج دھجی کرتی، سامان کو دم پر رکھتے ہوئے وہ انشول پر بیٹھ کر پانی پیتی زین سے مخاطب تھی۔

”اس دل کو تم نے بھجایا بہت ہے۔ میں نے

جاہ چھوڑ دی ہے۔ یہاں پر ایک اچھی جاہ آفر تھی۔ اسے منظور کر لیا ہے۔“ غالی گلاس پر رکھتے اس نے بتایا۔  
”کونڈو۔“ وہ مسکرائی۔ ساتھ ہی سلاخ تیار کرنے لگی۔

”اب آپ بھی کوئی گڈ نیوز دیں۔“ لٹائر کاٹنے اس کے ہاتھ کے ناچھی سے زین کو دیکھا۔ ”مجھے آپ کے پورے شادی کی خبر ہوئی ہے۔“ اس کے مزے سے کہنے پر وہ مسکرائی اور پھر سے ہاتھ چلانے لگی۔ ”مسکرائیں ممت۔“ ممت بات آگے بڑھا میں، کیوں کر اب ان تو کچھ بولیں گی نہیں۔ آپ کو یہی کچھ کرنا ہوگا اس سے پہلے کہ آپ کی بہن اپنی چھٹی کے ٹوٹے کا اعلان نشر کرتی پھرے۔“ اپنے غصے کا اظہار کرتے ہوئے اسے فاروہ کا پتلا راز ادا کیا۔

”شادی تو اس کے خاتمو کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ چلو تیار رکھ لیتے ہیں یا کھو تو پھر سے منگنی کرادوں۔ رتی نہ ہو جائے گی نا۔“ اسے تنگ کرتی وہ شرارت سے بولی۔ زین بک کر کھڑا ہوا۔  
”ہرگز نہیں۔“ چمنی کر کے دیکھ چکا ہوں، کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بالکل گھر سے نہیں رہا۔ اس لیے نکاح کی بات کریں، وہ بھی جلد سے جلد۔“ سلاخ کی پلینڈ ڈھک کر چمنی وہ مڑی۔ دونوں ہاتھ پر دکھ کر زین کو گھر سے دیکھا جو اس کی طرف متوجہ تھا۔

”میرا خیال قاتم فاروہ سے اچھے خائے ناراض ہو گئے۔“  
”ناراض تو میں ہوں۔ غصہ بھی بہت ہے، مگر کیا کروں، دل اس سے دستبردار ہونے پر راضی ہی نہیں ہوتا اور پھر بہت کچھ نہیں ہوتی۔ بڑا سامنے والے کو اپنے سنوارنے سے کہ اس کی خاموشی بھی قابل قبول ہو جاتی ہیں۔“ کاؤنٹر کی سطح پر ہاتھ پھیرتا وہ نظریں جھکا کر چمنی کے بولا۔

”غیر آپ فکر مت کریں۔ بخشوں کا تو اسے میں بھی نہیں۔ کن کن کر بد لے لوں گا۔“ ہلکے پھلکے

سے اور زنی و محبت بھی۔ انہیں تعویذ و اذیت دیں، وہ سب کچھ جاس کی۔“ شہریار نے سر ہلاتے ہوئے طویل سانس لیا۔ وہ دن دو گئے تھے اسے واپس آنے بجز اس سے بات تو دور کیا، اس کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کر تھی۔ ایسا ابھی روپ تو اس کا سوا جو ہی نہیں تھا۔ پائیں یہ انبیت کی دیاوار کی طویل محلی۔ کباہر زنی کی آخری صہلت دیتی بھی ہے یا نہیں کہ وہ اسے ختم کرے یا نہ۔

”اے بچوں کی وجہ سے آج میں یہاں ہوں۔ کوئی کر دے کہ ان کے سامنے نازل رہ سکوں۔ مگر ہمارا ریشہ پہلے جیسا نہیں ہو سکتا۔“ اس کا بچہ نور علی انداز بہت کچھ باور رکھتا تھا۔ وہ مایوس ہوا۔ اپنی جگہ سے الٹا برعکس قدم دروازے کی جانب بڑھا۔

”مٹائیں کو مت چھوڑو۔“ وہ اپنے بیروں پر کھواتھا کہ وہ کچھ بولنی لگی یا اس کی سمجھتا کا دھوکا

[illegible]

”شاہین آئی ایم سوری۔ اب احساس ہو رہا ہے، مجرم تو میں تمہارا بھی ہوں۔ بیوی ہونے کے ناطے سب دھوکا تو تمہارے ساتھ بھی ہوا ہے۔“ وہ شرمندہ سا منظر پیش کر گیا۔ ممکن اس کے لہجے میں اتار آئی تھی۔

# آزادی

قدم قدم صحبتیں اور لورسوت کا غول ساغور ۱۹۷۱ کے ایس مہر میں کسی  
مگیا ایک جگہ قہلی کی داستان  
مغفور جو پھر اکرام سبگل کے نام سے

## یگانگت

محبت، مصلحت اور قربانی کے چاشنی میں مکدھی دلوں کو تغیر کر کے والے

لەلەش

مادہ پرست دیکھیں آج بھی کچھ بے لوث اور بے غرض لوگ جاسے جاتے  
 ہیں، لہو کے شیشوں کی ساخت کو کہاں کرتا  
 جاوید راہی کا رخ انداز۔

**چهاره گر**

حمام مل پر پٹے والی ایک بھڑی ریشم ڈنڈی کی داستانِ مہرت۔  
ایک انگلی کی دیا تصداری

ہیں۔

دوست کے حواصوں کے درمیان ایک انوکھے قہر کا احوال۔  
 بڑی دلچسپی سے لیا گیا

کے علاوہ بیس منجی کی روٹیں، سپیس فورسز سے

فوری 2018ء کی تقریریں

**پیشکش**

2018.5.1

20100527

”ایک ضروری بات کرنی تھی۔“ اس کے لیے  
میں کچھ ایسا تھا کرادے کے درجہ میں سناٹا نہ ہی  
ہوئی۔ بھلائی اس کی ضروری بات کی کہ وہ نکاح کے  
فورا بعدی کر کے کچھ ایسا طرح سے  
اس کی سوچوں کو کچھ ایسا نکاح وہ کچھ اور تھا۔  
”کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔ یہ رشتہ جو پورا  
جزوہ پڑا، ورنہ ہمارے درمیان تو پہلے ہی سب ختم  
ہو چکا تھا۔“ چکا نکاح تھا۔ حیرت سے مکی  
ہو چکا اس پر اصرار۔ کیا وہ فانی کر رہا تھا۔ لیکن اس  
کا انداز تو یہ تھا کہ اس کے ”میں“ میں کچھ ایسا  
میں انی نہ بدل کر مکی بھول کر کچھ خوشی قبول کرکوں  
گا۔ یہ رشتہ اب خواتین اور طلب سے خالی ہے۔“  
اس کی خوب صورت آنکھوں میں دیکھ دو گیا اسے  
اس کی حیثیت بتانے آیا تھا۔ خادہ کے اندر چمکے  
سے کچھ نہ تھا کرادے کچھ کے مضبوط پائی ہوئی  
مطلب بھی تھا ہے۔“ اس کے

[illegible]

”تو پھر جائیں، آج ہی ہمت کریں اور سب کو  
 ”ناویں۔“ اسے راستہ دیتا وہ ہاتھ سے دروازے کی  
 جانب اشارہ کر رہا تھا۔ فارہ نے حیرت و بے یقینی

۳۵ بہتہ کرن

”اس ٹاپک کو رہنے دو شہر یار..... مسکرا کر  
 رخصت کر دو۔ میں واپس جا رہی ہوں۔“ حلق میں جمع  
 ہوئے نمکین پانی کو نیچے اتار دیتی وہ خود کو کچھڑ کر رہی  
 تھی۔

”تم اکیلے نہیں جا رہی، میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ اب میں خود بھی یہ رشتہ نبھانا چاہتا ہوں۔“ وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔

”میں شہزادہ... مانا کہ اس سارے نعرے میں ہم دونوں ہی تصور دار ہیں، مگر اس کی سزا اس نعرے کے فحش کن کوئوں نے جس کو سب سے زیادہ تکلیف پہنچی ہے ہماری وجہ سے۔“ نہیں اب ایسا نہیں کہیں ہے۔“

نئی شہزادی، اپنی بات پر زبردستی آج روک دئی اور یہی شایین کی، جس کے انداز میں غرور کی جھلک نہیں

”وہ خود ایسا چاہتی ہے۔ اسے فرق نہیں پڑے“

”مجھے فرق پڑے گا۔ کچھ میری چاہت کا ہی خیال کرو۔“ اس کی آنکھوں میں دھمکتی دھڑلہ بھر رہی تھی۔

”مجھے یہ اعزاز دو شہریار کہ میں نے خود تمہیں  
چھوڑا ہے۔ اپنی مرضی سے۔“ وہ خاموشی سے اسے  
دیکھے گیا۔ بولنے کے لیے کچھ بجائی کب تھا تو خود

ہو شہریار۔ تم نے ہمارے رشتے کو کس پوز نہیں کیا۔  
میری پراپرٹی پر نظر نہیں رکھی۔ حالانکہ تم یہ کہہ سکتے  
تھے۔ تمہاری ان ہی خوبیوں کی تو گرویدہ بھی میں۔

جیسی۔۔۔ غم آنکھوں کے ساتھ وہ ہنس دی، ورنہ سارے آنسو چھٹک پڑتے۔ پھر جلدی سے بائے کہتی باہر نکل گئی۔ گاڑی میں شازمین اس کا انتظار

دروا کے باہر کھڑا شہیار، دونوں ہی اپنی اپنی سوچوں میں غرق تھی یہ دیر اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے

84

☆☆☆

پورا درویشوں سے لگا رہتا تھا۔ نکاح کی  
تقریب شروع ہونے کو آئے اور ہو چکی تھی۔ مکی خندہ  
ہوائے ماحول میں ایک خوش گواریت سی بھری تھی۔  
سب یہ ان میں منتقلی کی نکاح کی تقریب کو  
جناوے کر رہے تھے۔ ایجاب و توجیل کا مرحلہ بخیر و  
خوشی پہنچا تھا اور مکی خندہ کو آج بچہ کی  
پائیگیا ثابت ہے۔ وہ کمرے میں بیٹھی تھی۔  
چائیں سے اس کا برا حال تھا۔ جب سے وہ تیار ہوئی  
تھی، اس کا ایک ایر رنگ تھا اور اب صورت  
حال یہی کہ ایک کان میں ایر رنگ چھن رہا تھا اور  
دوسرے میں غائب۔ کوئی اور ایر رنگ بھی  
نہ تھا۔

[illegible]

”میں نے اس سے کہا کہ اس کے پاس ایک کھڑکی ہے، وہ نہ اترے تو  
 کے بغیر میں کسی کیب دکن لاتی۔ لیکن یہ پہلے کیوں  
 نہیں نظر آیا، سامنے ہی تو دروازہ.....“ تیز تیز ہنسی دو  
 مڑی، مگر گلین کی جگہ اسے دیکھ کر ہی طرح چوگی،  
 الفاظ منہ میں رہ گئے۔ سفید کرتا شلوار کے ساتھ  
 سیاہ واکس پہنے، اپنے اٹی تمام درواجات کے ساتھ وہ  
 اس کے سامنے کھڑا تھا۔ چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی

آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟“ نظریں جھکاتے دوہو گئی۔

8 فروری 2018

84 فروری 2018ء

پیشہ کی 85 فروری 2018



اس کا یہ نیا روپ دیکھا۔  
 ”بس ہو گئی ہمت ختم۔“ اس کی خاموشی سے  
 اس نے نتیجہ نکالا۔

## کسی اجنبی سے پارٹیشن



”میں کہتا ہوں پہلے ہی ہمارا ہاتھ، کیوں کہ پچھلی بار بھی وہ ان کے ساتھ نہیں گئی تھی۔“

کمرے کی ڈسٹنگ کرتی وہ اب لاؤنج میں آگئی تھی۔ خود کو مصروف ظاہر کرتی، مگر سن کی لی دی صاف کر رہی تھی۔ جب حذیفہ نے قریب آ کر اسے چلنے کے لیے کہا۔

”نہیں ہے، چلتے ہیں، میں مثال کو چار کرتی ہوں۔“ اس نے بیٹے کی آس نہیں توڑی تھی۔ ایک نظر بے یقین سے شہریار پر ڈالتی وہ آگے بڑھ گئی۔

آج ایک عرصے بعد وہ یوں اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ آئینے میں خود کو دیکھ کر وہ مطمئن ہو کر باہر آئی۔

”جیسے لانا“ حذیفہ اسے دیکھ کر خوش ہوا۔

زین نے تنقیدی نظروں سے شہریار کو دیکھا، جس نے آف دائن شولڈر میس بنکر رکھا تھا۔

”ایسے جاہل کے آپ اس جیسے ہیں۔ ہم آؤنگ پر جا رہے ہیں۔“ اس کے سر پر ہنچ کر وہ بولی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو وہ کچھ بول ہی نہیں پایا۔

زین کا یوں اسے خود سے مخاطب کرنا اس انداز میں بات کرنا مقام حیرت تھا۔ اگر یہ ایک ٹینک می تو کمال ہی۔ اس نے دل میں سوچا۔

”نہیں تو ہے۔“ اس کے منہ سے نکلا۔

”جی نہیں چلیں فوراً پہنچ کریں۔“ پھر وہ زین کی طرف مڑی جو مثال کو گود میں اٹھا لے حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

”زین ذرا بچوں کو دیکھنا، ہم آتے ہیں۔“ پھر وہ حیرت سے گنگ مڑے شہریار کا ہاؤس دیکھنے کے لیے اپنے ساتھ اندر لے گئی۔ زین کے کیوں پر بے اختیار مسکراہٹ رہ گئی۔

”آپ بھی ناچوں کی طرح کرتے ہیں۔ یہ جوڑا اماں نے کمر میں پہننے کے لیے سلوایا تھا اور آپ..... اگر شلوار سوٹ پہنتا تھا تو کوئی ڈسٹنگ کا پہننے۔“ اس کی کلاسی لہنی وہ تیزی سے اس کی وارڈروپ کھال کر رہی تھی۔

”کرنا اچھا لگے گا۔“ حذیفہ سلوایا تھا اور یہ جھڑپ، یہ بھی آج آپ پر بہت سوٹ کرتی ہے۔“ دونوں ٹیکڑ پڑے۔ وہ قریب آئی۔

”نہیں پتا ہے، میں بہت پیاری لگ رہی ہوں۔ اب کیا نظر لگائیں گے۔“ اس کی آنکھوں میں جھانک کر وہ شرارت سے بولی۔ شہریار نے اس کے چہرے پر پہلی مسکان کو دیکھا۔ کتنے عرصے بعد وہ ایسے مسکرائی تھی کہ اس کی آنکھیں بھی مسکرائیں۔

بغیر دیکھے اس کے دائیں ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ کیوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں تنقید بھرے وہ منظر سامنے دیکھے گیا۔ اس نے بائیں ہاتھ میں پکڑا دیکھ کر ہلکے سے دبا۔ اس کی سن میں وہ سب تھا جو شاید الفاظ بھی پورا نہیں کر سکتے۔ بھی بھی کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی، احساسات سب کہہ دیتے ہیں۔

”اب ہوتوں کی طرح دیرت بھیجے گا۔“ اسے دھڑکنے کی طرف دیکھ کر وہ بولی۔

آجئے میں خود کو دیکھتی وہ بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔ وہ خوش تھی۔ دل قریب کی مسکان کیوں کو چھو رہی تھی۔ دل پھر سے ہی دھڑکنے پر مڑنے لگا تھا۔ شاید اس میں بڑا ہاتھ شائین کا تھا، جس کی باتوں نے بہت سی دہائیوں کی دھند کو چھٹ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے معاملے میں شہریار ضرور رہا تھا، مگر اتنا بھی نہیں تھا کہ وہ اسے معاف نہ کر سکتی۔ وہ زندگی کے کسی موڑ پر پچھتاہٹیں چاٹتی تھی۔ اسی لیے خود سے ایک قدم اس کی جانب بڑھا کر وہ خوشی کے جس احساس کو محسوس کر رہی تھی، وہ زندگی میں بہت سے خوب صورت رنگ بھرنے والا تھا۔

☆☆

سارے اسلاف کو وہ پریشان کیے جا رہی تھی، مجبوراً پاکستان انہیں کسی اور کو خود گھر اس کے پاس جانا پڑا۔

”میں ہم آپ کو بتا چکے ہیں کہ پاکستان کا دیر آپ کو گھن دیا جاسکتا، جب تک آپ کا اسلحہ نہ ہو۔ رہی آپ کے بچے کی بات تو اسے پاکستانی پاسپورٹ کی قیمت پر نہیں دیا جاسکتا، جب تک کہ غم نہ ہو۔ کلاچ نامہ لے کر کھانچے تک آپ کے پاس نہیں، ہمیں کیا پتا آپ کسی کو اپنا سپر بول رہی ہیں، آپ یارہ پاکستانی تھی کبھی نہیں۔“

”کیا مطلب؟ ہاں پرو، کیا مطلب میں جس جھوٹ بولی کیا؟ وہ پاکستانی تھا، سائیکلٹ (سائیکلٹ) سے تھا، میں نے کھائی۔“

”بھیس میں میں آسم سے چھو نہیں ہوتا، آپ اس کیس کو قاضی کے پاس لے جائیں۔ پھر ہی کوئی ٹیکٹ انشپ لیا جاسکتا ہے۔ اب ہمارا وقت نہ خاتم کریں، آپ دو گھر ہی ہیں، کنٹارش سے جھٹ لیا کا زاف ہو، آریٹ۔“

”صرف آپ کی وجہ سے ہمیں دیر ہوگئی ہے۔“

”خدا کے لیے آپ میرے کو دیر الٹا کرو، میں اس کو سرج (خائن) کر کے داہن آئے گی۔ ایسے میں میرا ہوا ہوگئی ہے، میرے پر قہر چڑھ گیا، دیر لکری سے لے کر اب تک میں ہزار دیاں لگ چکا، میں جیسے چنگا نے کی۔“

”لی لی ہمارا مسئلہ نہیں۔“

”آپ کا مسئلہ کیوں نہیں، آپ کے کنٹری والے نے میرے کو بھٹ کیا۔ فراڈ کیا۔ وقت گزاری کا شادی بنایا، پھر فرار ہو گیا۔ میں ادھر کاری، نہ ادھر کا، میرے بچے کو کلپا نہیں، کبھی پاسپورٹ میں دے رہا، عمارت کی نہیں دے رہا، پاکستان بھی نہیں دے تو کوں وارث ہے، کہاں جائیں گے ہم؟“

”آپ قاضی کے پاس جائیں، وہاں سے فیصلہ لیں۔“

”فیصلہ کیا فیصلہ، ابھی میرے پاس بچیں

پسایا بھی نہیں رہا۔ بے بی بی کا ملک کہاں سے لے گا۔“

”میں ایک سہ ماہی کو لایا ہوں، وہ میرے کو لوٹ کر چلا گیا حرا میں نظربازی میں (کنڈے آدی نے لیجا نہیں کیا۔) کل پاکستانی حرا میں۔“ وہ اب چار رہی۔

ہندی، عربی اور لفظی و نیپالی کے کچھ میں، مہلا، پاکستان انہیں میں کڑے سارے مرد حضرات ڈانٹ جین اور سرخ کھلے گلے کے ہاں میں لہوں اس انگور لیا عورت کو فرمت سے دیکھ رہے تھے، سارا اسلاف جزیہ ہو رہا تھا، پھر قدرت نے ان کی بن لی اور پھر خود کام دیکھتے ہوئے انہیں سے ملتی چلی گئی۔

☆☆☆

گھر میں شادی کی مناسبت سے غل والیوم میں میزک بن رہا تھا۔ دوسری جانب خاتون پڑوں کے انداز ٹیکے کرتے تھیں لیکن وہ فرمت سے جاسوی ناول میں لگی تھی۔

”دیر کچھ حیا کر، کل تمہاری شادی ہے۔“

”لو کیاں! اجن، مہندی کے ذرا من دیکھتی ہیں، تم جاسوی ناول پڑھ رہی ہو۔“

”ہائے آ پ کیا بتاؤں، کیا ناول ہے۔ دے دے“

”وہاں کے بارے میں ٹیک سے چاکر دانا چاہیے تھا، باہر چاکر بہت فراڈ بھی ہوا ہے، کچھ ایسا ہی ناول پڑھ رہی ہوں۔“ وہ اماں کو دیکھتے ہوئے شرارت سے بولی، لیکن نتیجہ حسب توقع تھا۔

”کم تر تو ناول پڑھ کر نکلاں کرتی جا، ایسا

اچھا رشتہ بننے پر شریک کے بیٹے پر ساپ لوٹ رہے ہیں، بھینساں میں سوچ رہی ہیں۔“ اماں وقاص کے بارے میں ایک لفظ سننے کی روادار تھیں۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ دو ہفتے پہلے آنے والے وقاص کے رشتے نے اماں کو پورے خاندان میں ہتھیر کر دیا تھا۔

”میں لوگوں کو گھن چاہیے تھا۔ شادی کے اخراجات وہ خود اٹھا رہے تھے۔ قیمتی ہارماز کا اسٹارٹ فون، ریشٹن ہوئے ہی درے کے ساتھ میں دیا گیا تھا۔ سارا خاندان حیران تھا زبیرہ نے بڑا اونچا

ہاتھ مارا ہے، وہ واڈی اڑی بھری تھیں، اب آخر بی بی ہاڈ کر دی جا رہی تھی۔ سارے خاندان میں سے پہلی لڑکی، پھر اس سے چھوٹی دونوں کا مستقبل بھی روشن نظر آ رہا تھا، جب کہ بٹے کا دیر آتا جاتا ہے یہی کبے وقاص نے خود کہا تھا۔ ایسے میں زبیرہ بیگم، وقاص کے خلاف مذاق میں بھی کوئی بات سننے کی روادار نہ تھیں۔

”پرکھی! آپ کی نند کا ڈی لے کر آجنگی ہیں، آپ کو ہندی لگوانے نہیں جانا،“ ہم نامی گھر سے انداز میں پوچھ رہی تھی، اس نے ناٹھ چادر اٹھائی، موبائل پکڑا اور لڑکی ہو گئی۔

”پٹلی! آ لی!“ وہ بولی تو زکریا کی کڑی ہو گئی۔

”اے رو بدر!“ پھر پوچھ کی آواز پر غل۔

”آیت ازلے پڑھ دوں، میں نظری نہ لگ جائے تیری ماں کو تو پردا ہی نہیں۔“ وہ اس کے چہرے کو کے چاند جیسے چہرے سے نظر ہٹا کر بولیں، مہارادھ لگ ہی نہ جاتے۔

وہ اس کا بھی، میدے جیسی رنگت پر پینز بائل آکھیں، رنگ مرر سا تراشا ہوا رہا، وہ بائیکری کے کلاوے میں لپٹی اچھا کی سورت کی زکریا نے کہا تھا وقاص کی بس ایک ہی ڈیٹا پڑ ہے، لڑکی حسین ہوا، کیرن، زکریا کی کوئی حیثیت نہیں، پتا تو میرے اپنے پاس بہت ہے، جب کہ بد تو ج بچ بدگئی۔

سارا کھڑا اس کی قسمت پر رنک کر رہا تھا، جزاروں حسین چہرے کی میں مل جاتے ہیں، پر کی کو کھڑدوان ٹھوڑی ملتا ہے۔ سفید پوشوں اور غریبوں کی بھینوں کو ہاتھ کے اٹھانے والے جلی جا میں تو یہی بڑی بات ہوا کرتی ہے۔ قدر دہلی تو کئی ہفتا میں یہاں بد تو کب سب چھٹا گیا تھا ایک وقت وقاص میں مل رہا تھا، وہ سب کے لیے قائل رہ گئی تھی، قائل جس کی اس کے کہہ رہا تھا، رتہ اچھا کئی اجنوں میں بہت اونچا ہو گیا تھا۔ وہ معذور ہو رہی تھی۔ غرور بھلا انسان پر کہاں جتا ہے۔ اسے معلوم ہی نہ تھا۔

☆☆☆

وہ الجھتا تھا، زمین پر غلطی سے آگئی تھی، کمرے میں آرائش کے لیے لگائے گئے سارے گلاب اس کے صحن کے آگے باندھے۔ بلاشبہ وہنا کی تین ترین دلن رہی ہوئی۔ وقاص نے واسٹ صوفے پر اچھالی، گلے سے پھولوں کی مالا اتار کر میز پر رکھی اور سائے آ بیٹھا۔

”بدتم تقصیر سے بہت بڑھ کر حسین وہاں تھا۔“

”یانا سے باہر۔“ وہ اس کے ہاتھ پکڑ کر بولا۔ ”مجھے تو لفظ بھول گئی۔“ وہ ہنسا۔ ”اچھا، مجھے نہیں دیکھو کی۔“ ٹھوڑی پکڑ کر اس کے صوفے پر سے اوپر اٹھایا گیا۔ کندہ رنگت پر اچھا کتا تھا اسے جانا نظر نہ جاتا تھا۔ بدتم نظریں جھکا میں، وہ دھڑک رہی تھی۔

”ہم سہاں، بیوی ہیں، بیوی ایک دن کا ساتھ تو نہیں۔“ وہ بولے۔ ”اس کی صراحتی وارکردن کے گردو لپٹے ہاں پر اٹھیں چارہ تھا۔“ وہ سخت ہوں ہم اپنی اپنی زندگی کا آغاز اپنے گھر میں کریں، دینی جا کر کچھ نہیں اعتراض تو نہیں۔“

”ہرگز نہیں،“ وقاص آپ نے اعتراض کا سوچا بھی کیوں؟“ وہ سراسر ادا۔

”چلو پھر اپنی ہو جاؤ۔“

☆☆☆

اندر سے اس کی اپر پورٹ کو کھینچے کا اس کا پہلا تجربہ تھا۔ وہ غاصی گھبراہٹ ہو گئی تھی، وقاص اس کا ہاتھ پکڑے ہوڑ ڈیٹا میں اس کی کارروائی مکمل کرنا رہا، ڈنٹ وڈز کی وجہ سے اسے خامے سوالات کیے جاتے رہے۔ ہلا خور بد کاڑ ہاتھ میں پکڑے دھلاؤں میں آ بیٹھے تھے۔ دینی اٹھانے والے اناؤس کر رہے تھے، وہ لوگ کھڑی سے ہوتے ہوئے ہزاروں میں آ بیٹھے، بدر کے لیے قریب سے جہاز دیکھنا بھی بڑی بات تھی، اب تو وہ خود بھی آئے۔ چتا تھا، آدھ ہانے کا سلسلہ جاری رہا، وقاص جہاز تک آف کر رہا تھا۔ اس نے ٹاک ٹیش پر لگا دی۔ لاہور اتا بڑا ہے، لائیں سوچ، ابھی۔ سب لوگ کتا خوش تھے، کچھ صے کے علاوہ دفعہ سارا خاندان کی کو

چھوٹے ابر پورٹ آیا تھا۔ اس خوش بلیں کی کوکھی اس کے پردیس جانے کا رخ نہ تھا۔ کسی خود بد رو بھی نہیں۔ اوٹ چانگ سوچیں سوچتی وہ دینی انظر بیکسل ابر پورٹ پرانے کی، وہ جو تھوڑے روزگار کی تھا، شہر تیز کرکے بیگ ہاتھ میں بکڑے چلتے فرش پر اس نے ہائی جیل آگے بڑھائی تو سلب ہو کر کسی کے قدموں میں گر گئی۔ سفید اسپورس خدز پر اس کے ہانڈے دیکھیں سے جیسے ہاتھ پڑے تھے۔ وہ بہت دقت کے بعد حال کی، جب وہ مضبوط مردانہ ہاتھوں نے اسے کندھے سے پکڑ کر اٹھا کرنا چاہا۔ بد سے اٹھائی نہ کیا۔ نچنے میں نہیں اٹھ رہی تھی۔

”آپ رو کے؟“ وہ تھوڑا پیچھے ہو کر بولا تو بدر نے نظریں اٹھا کر جواب دینا چاہا تھا مگر شہر کا پھر آکھیں فرش پر گاڑ دیں، سامنے والا شاس پیٹے ہوئے تھا، جب ہی دھن سے کچھ مشکل آسان کی تھی۔ عربی میں کچھ باتیں بھار کر وہ اسے اٹھا رہا تھا۔

”سنبھل کر چلو، اب کہا ہو گیا تھا؟“

”آپ کو دیکھنے کی تو پاؤں مڑ گئے۔“ وہ شرمندگی سے لکڑی، اس کی تیل بہن کر سکتے فرش پر چلنے کا پتلا موقع تھا۔ بارہ، چودہ لوگ اس کے آگے شاس بہن کر رہے تھے۔ اسپورس کی کوئی ٹیم بھی، اتنے سارے مردوں کو کبھی مرتبہ اپنی نظروں میں آدھے اوجھڑے لباس میں دیکھ کر بد رکھائیت شرمندہ ہوتی تھی۔ اس نے ہائی کی ٹی کوئی دلی میں ایسے لباس میں دیکھ رکھا تھا، اتنے نزدیک سے دیکھنے پر اسے بہت دقت ہو رہی تھی، اس نے مزید آگے بڑھ کر اس اور احتیاط سے پائی ابر پورٹ سے ہار لکڑی کی اور کھینچ کر گھر کو کر دے حیرت زدہ ہوئی۔ اتنا بڑا گھر اسے کئی لاکھ تھا، پھر بدولی شان دار گھٹ کے پاس بنا کارٹر جو شاہی گھٹ کبیر کے لیے ہوگا، لیکن اس میں رہتا تھا۔

”کیا کدیلیم بدر جہاں؟“ وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

”ہمارا گھر ہے نہ؟“ وہ ابھی تک جہان کی۔

”جی میڈم ہائیکل ہمارا ہے، بسلی رکھو۔“

وہ اپنی اشیان اور قیمتی فرنیچر اس کے الٹے سادگی زندگی کا ستارے تھے، تب بھی نہ لے سکتے گے وہ دیہ، بد سے، ہوسنے، کلاہ پکے ہاتھ پیر پھر کر چیک کر رہی تھی۔ میں نے تو خوابوں میں بھی ایسی چیزیں، اپنا بیڈروم نہیں سوچا تھا۔ وہ بے اختیار دھاس کے ہاتھ قہار میں تھی اور ہمیشہ کی طرح اس نے زنی سے پھرا رہے تھے۔

”بہت دیر ہو گئی، اب سو سٹے ہیں۔“ وہ اپنا سکل اٹھا تا صوفے کی طرف بڑھ گیا۔ بدر ہمیشہ کی طرح ایک ایک چیز کی تصویر بنا کر مہر دو اس اب بھی تو کمالی تھیں۔ بدر اسے جاگ رہی تھی۔ اس کے منہ جو کراہنے سے بیلے ہی دھاس کے خڑائے کو گھٹنے لگے تھے۔ اس نے بھی کندھے اچکائے۔ بسل اودھا اور سونے لیٹ گئی۔ وہ رات کا آخری چم تھا، جب سردی زیادہ ہو گئی تھی، اسے سی کی کوٹنگ نہ کر دینے کے لیے اس نے صوفے کی طرف دیکھا تھا، لیکن دھاس وہاں نہ تھا۔ دھاس دم کا ڈور بھی لاک نہیں تھا۔ وہ بیڈ سے نیچے آئی۔ باہر جانا چاہیے باتیں، یہی سوچتے ہوئے اس نے ہماری پردے کو زور سا اٹھایا تھا۔ سامنے خشخشی سی صاف شفاف رو دکھی، جس پر ابھی کبھی گاڑیاں آتی جاتی دکھ رہی تھیں، وہ دھاس کے سامنے دھڑکی طرف آئی، پردہ زور سا اٹھایا، گھر پر مقصود سامنے تھا۔ بدر نے ٹھنڈی سانس لی۔ وہ گھر کے اندرونی دروازے کے ساتھ ہی بیڑیوں پر بیٹھا فون کر رہا تھا۔ بدر نے اس کا بسل اٹھایا، اپنے والے کے ساتھ گھر اور لیٹ گئی۔

وہ بڑے خوب خواب دن تھے۔ اس نے دنیا جہان کے اعلیٰ ترین ہو گئی، بائر جہان بارے تھے، وہ سارا دن سوتے، سرخشا آوارہ گردی کے لیے نکل کھڑے ہوتے، ہجرات کے لوٹنے کوئے اور سو

جاتے۔

”آپ نے کام پر نہیں جانا۔“ وہ کافی سب لیتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

”میں کی بھئی ہوں، شوہر کو کام پر بھیج رہی ہوں۔“ وہ مطمئن تھا۔ ”بدر بی میرا حق کویت گیا ہوا ہے، تب تک آرام ہی آرام ہے۔ کھوتے بھرے ہیں اور مزہ پیے بنائے کا سوچتے ہیں۔ کیا خیال ہے۔“

وہ پاس اور بولا تو بدر نے بھی انجائٹ میں سر ہلایا۔ وہ کچھ بھی نہ کہتی تھی، پہلے بسل دھاس کے روئے سے کچھ بھی نہ کہتی ہوئی کی، اب بدر بھی تھی۔ اس نے خود سے فرس کر لیا تھا کہ دھاس کچھ ٹھیک نہیں ہے، رات کا کھانا اس نے اسے میڈیٹن لیتے دیکھا تھا، وہ بدر سے پھرا کر لیتا تھا۔ بدر نے بھی کرید کر شرمندہ کرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ اسے اپنا قہار دھاس نے کہا تھا یہ زندگی بھر کا ساتھ ہے، تو وہ اپنے سامنے کو شرمندہ کرتی۔ وہ کلی طور پر جاں، بھئی نہ اپنے تھے تو کیا ہوا، وہ اچھے دوست بن چکے تھے۔ بدر کے لیے سب اتنا خوش گوار اور سوچوں سے بڑھ کر تھا کہ وہ کسی سوچ میں نہ پڑنا چاہتی تھی۔ وہ بیٹھنے پر سوتا کہ کسے سے باہر، اسے پر دیکھیں گی، وہ اپنی نسوانیت کی قہن نہ جانتی تھی۔ اہاں اور سارا گھر خوش تھا تو وہ بھی دہی کے نشے میں کم ہو گئی۔ سب آفرین تھا، قافلہ وید اور قافلہ تردید۔

وہ لولوس فور سے اس کھڑی تھی۔ خوب صورت ست رنگا پائی اس کے چہرے پر خوب صورت رنگ بھیر رہا تھا۔

”اماں خیمہ، میں زہم کر کے دکھاتی ہوں۔“

بہر نے اماں کے ہاتھ سے لون لیا تھا کہ مجاہدان اور دوا۔

”دیکھ لو اماں! ابد اپنی عا بیوں میں مگن ہے، بھینہ ہو گیا دیسے کا کوئی اتنا چاہیں دیا۔ اس نے قاص کو پیاد بھی نہیں کروایا ہوگا، مجھے پر قہا ایسا ہی کرے گی، دو، اسے اب کہاں خیال آتا ہے کسی

چھوٹے بڑے کا۔“ وہ جلا بیٹھا تھا، اس کی رنگ برنگی تصویروں سے۔

”اسے ہے، جہان کے بارے کبھی تو اچھا گلان کر دیکھ کر لکھ کر، جوانی بھائی سے اتنی جلدی منہ بھڑ کر کھٹکھٹک لگا جاتا، وہ سوچنے لگ دیکھ کر ساری باتیں کرے گی، یاد رکھو تو مگر..... ہمارے تو نصیب کھل گئے۔“ وہ پھر سے منمن نکھرم کی تصویر ہونے لگیں، تو حیا باہر نکل گئی، گھر جہاں سے سرے سے تصویروں میں کم ہونے لگی۔ وہ بے دروازہ تصویر کا ایک ہی رخ دیکھنے اور زور دینے بڑا کر لائے تھے۔ چاہیے تو یہ ہوتا ہے درخندوں دیکھ جائیں زاویے چاہے کہ کم نکالے جائیں۔

☆☆☆

وہ اپنی تیار سے مطمئن نہ ہو پاری تھی، دھاس نے کہا تھا۔ ”میرے دوست آ رہے ہیں، وہ کبھی باہم سے ملیں گے۔“ جیسے بہت خوب صورت نظر آتا ہے، اتنا کہ وہ حیران و شمشورہ جائیں۔ بدر جہاں نے شان دار ڈورنگ کے آگے اپنے میں نظر آئے اسے کس کو تھنڈی آنکھوں سے دیکھ کر اب اس کا کھینچ کر کھڑا ہوا، اب وہ ریڈی ٹی ونگ کے لیے۔ ناک ہونے پر اس نے دو دروازہ کھولا، ایک بار تو بھئی نہائی کر کیا کرے، وہ قاص کے ساتھ ایک ہی آکر کھڑا تھا اور وہ عربی جب کہ اس نے کہا تھا میرے دوست آئیں گے۔

”السلام علیکم۔“ مخصوص عربی لہجے میں سلام کن کر بدر جہاں نے حواس میں آئے وہ سلام کا جواب دیا تھا، ورنہ تو وہ اپنی تیار کے اکارت جانے کے میں چلا گئی۔

”بدر بی سچہ مجھ بیوی ہیں۔“ دھاس قہار کر دیا تھا۔

”وہ جو آپ کے دوست آ رہے تھے وہ؟“ اس نے تنوں اچکا دیں۔ وہ کھڑکی کر رہی اور دھاس آئی، اس لیے دھاس سے کچھ اور بھی پوچھنا چاہتی تھی مگر اس نے ٹوک دیا۔

”یہی دوست ہے۔ اس پر توجہ دو۔“ جون ہی وہ شیخ کی طرف متوجہ ہوئی، اس نے اس کا سرے پاؤں تک جائزہ تمام کر دیا اور بے ساختہ بول اٹھا۔  
”واللہ انت بدر“ (تم واقعی چور دھوکے کا چاند ہو) اس کی نظروں میں مجھ ایسا تھا کہ بدر کوسرہی پھر بری آگئی اس سے کہیں کہ وہ خاطر نواسج کا بہانا بنا کر اٹھتی، وہ قاص عربی میں کچھ بول ہوا تھا۔ شیخ نے سر ہلاتے تیند کی سی، ساری گھٹک بدر کے سر کے اوپر سے لڑکی کی۔

”شیخ کو کہتی دو، اس کوئی شکایت نہیں ہوئی جا ہے۔“ وہ کمرے سے نکلا چلا گیا تھا۔ روزوارہ خود کا تھا۔ سبوند ہو گیا۔ اسے قاص کے لئے آزاد خیال ہونے کو قصداً رہا تھا۔ شیخ اسے اب انگلیں میں قابض کر رہا تھا۔ وہ ہول ہاں کر کے اپنا جیلا سوچ رہی تھی، وہ وہاں دین و اصلاحات کی صورت حال کا تجزیہ کرنا چاہتی تھی، لیکن والدین نے یہ کہیں کہ چنگ دک۔ کچھ لکھ لکھ لیا تھا اور قاص کی کئی چیزیں اب اس کی خدمت و صورت حال سے دو چار ہو گئی تھیں۔ اس نے چاہا کہ وہ رکھول کا برابر لکل جائے مگر شیخ نے دو دروازے تک پہنچتے نہ دیا وہ اب ہاتھوں کو چھوڑ کر براہ راست دست دراز کی پڑاؤ آ گیا تھا۔ بدر نے آؤ آؤ کھٹا، نہ تاؤ، کرار بار سنا تھا اس کے نہ پڑتا تھا۔ وہ اب دوسرا بار تا جاتی تھی، شیخ بھی بروقت آگاہ ہوا تھا۔ وہ بھی پھر ہی اہلی کی۔ شیخ کے بھاد کے باوجود اس کا لہبا ناخن اس کے ہونٹ پر کٹ لگا ہوا تا ناک میں گھسا تھا۔ شیخ نے ہاتھ لکڑا سے دمکا دیا تو وہ دیوار سے ٹکراتے ٹکراتے پٹی تھی، پھر اس نے پاس پڑا لکھدان اٹھا لیا تھا۔

”ڈونٹ ٹرائی ٹو شی“ (مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش مت کرنا) وہ یہی طرح کہہ رہے ہوئے ہوئی۔  
”میں اپنے شوہر کو سب مٹاؤں گی۔“  
”اے میں جہاز رانی ریل کے عوض جنہیں میرے ہاتھ بٹیا ہے۔ وہ اول درجے کا حراجی ہے۔ اس سے میں پٹ لوں گا۔ دمکا اور وہ بھی شیخ نجم

طوبق کے ساتھ۔“ اس نے غصا سانس لے کر غصہ چھوڑ دیا۔ ”وہ تمہارا بھی بچہ ہے اور میرا بھی۔ جہ سے اس نے کہا تھا میں سب پہلے سے بتا دیا گیا تھا۔ اسے اس کے کی سزا دل کر رہے کی اور تمہارے لیے بہتر ہے کہ میرے ساتھ خداوند کرو، تم مجھے بہت پسند آتی ہو۔ ذور، زبردستی مجھے پسند نہیں۔“ مجھے ہونے کے ساتھ وہ سکر ہاتھ پڑو کر باہر صابک لگا، وہ قاص کی حقیقت کے شک کے نکل آئی، پھر اس نے ہاتھ میں پڑا لکھدان کھما کر دے لکھ دیا۔

”کوا پرین؟“ جانی فٹ۔“ گلدان کی نوک نے اپنا کام کر دیا، شیخ کے ماتھے کے کنارے نے اس کے سفید بے داغ عربی دشتے میں رنگ بھرنا شروع کیا تو وہ بدحواس ہوا تھا، جون ہی وہ کواڑز سے باہر نکلا خداوند نے کئی کی تیزی سے فون کو ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ کانپتے بدن کے ساتھ محفل حواس لے وہ سارے کمرے میں فون کی تلاش میں چکرا رہی تھی۔ ہلا خور کو ہر قصور منے کے بچے سے ملتا تھا۔ وہ ایسے مسلسل کال کرتی رہی مگر تکی نہیں چارہ تھی، شاید یہ پاکستان والوں نے فون آف کیا ہوا تھا۔ خیال آئے پھر اس نے واپس اپ اوپن کر لیا۔ اب وہ واپس اپنی بیڈ کمر کی گئی۔

”اانی یہ قاص بہت دو نمبر ہے، اس نے مجھے۔“ قاص نے فون جھین کر اس پر پھینک دی۔  
”بارش کر دی۔“  
”مجھے یہ یاد کر دیا، میرے پلان کی بیڈ بھادی، تجھے تو میں چھوڑوں گا نہیں۔“ وہ اب بے رحمی سے چیتا رہا تھا۔

اپنی اکر کھانے کے بعد بدر کو اندازہ ہو گیا تھا، اب خوشیاد سے کام لیتا ہے، وہ موت کا نہایت خوشامد کر رہی تھی۔  
”وکی تمہیں پتا چاہیے نہ، ہم لک کر کافیس کے جو کہہ کے میں کروں گی، ہوائے اس کے تھے۔“  
”ہونہ۔“ کاسمیں کے۔“ وہ زہر زہر تھا۔

”جانا تمہیں شیخ طوبق کے پاس ہی ہے، ورنہ وہ میری اور تیری کئی بولیاں کے کے سمندر میں ڈال دے گا۔“ بدبکا شیدہ پھر جواب دے گیا۔  
”کتنے غیبت، میں بیوی ہوں تمہاری۔“  
”طلاق۔۔۔۔۔ طلاق۔۔۔۔۔ طلاق۔۔۔۔۔ اب تو نہیں ہونہ ہوگی۔“

”تو پھر مجھے پاکستان جانے دو۔“  
”میرے پاس چھوٹی کوڑی نہیں، گٹ کھال سے لاؤں۔ خود کماؤ ہے اور پیچھے بیٹھے اپنے رو پڑو کے بیچو۔ بھائی کا دیرانی بھی بیچو، ایک گھنڈ میں دیرانی میرے ہاتھ میں دے دے گا۔“

”میں لغت جیتی ہوں تو تم، تمہارے شیخ پر اور دیزے، یہ تو پرے، میں خود جاسکتی ہوں پاکستان۔“ وہ اپنے خرم خرم جود کو کھینٹ کر بولی، جو اب قاص نے اسے صوفے پر راہیں چھل دیا۔  
”شوخی سے جاؤ، لیکن پہلے یہ دیکھ لو۔“ اس نے اسٹارٹ فون اس کی جانب کر دیا۔

”اف میرے خدا ہا بدو نے آکھیں بند کر لیں، اسے لگا تھا اب وہ مر دے کے بدن کی طرح بڑا لڑکی ہے، کچھ نہ ماننے کے لیے۔“ وہ ہر جہاں کی دوسری کی طالبہ اور لڑا بیٹا قاص کے لنگھ کا تھا۔ ٹالوں نے ویڈیو اور تصویر میں ایسی بنا ڈالی تھیں کہ کوئی شائستہ نہ کر سکتا، ہاں بات ہی اب کچھ ہو کر آئی، تو لگ بھگ کئی کئی میں لکھ جایا کرتے۔ ”مختصر اب زرا خود کو بھی دیکھ لیں۔“ وہ بھڑک دے کراس کی آکھیں کھلا رہا تھا۔ بدر کا بیڈ بکس سبیل تک تھا، اس نے اس سے بھاگ آدی کے ایسے صاف چہرے پر ناخن کاڑ دیے۔ قاص نے پھر اسے پھر دیا، بکوں پر کھلا تھا۔

”تم خوشی سے گرد یا مارا کر، کرنا تمہیں یہ ہی کام ہے۔“ اس کی شیخ طوبق پھر کوئی اور شیخ پر کوئی دور اسے لیے کچھ پتہ نہ تھا، میرا غصہ آتا تو جو کم پر خراج کیا، کو لکھنا تھا؟ قاص نے گٹ بھائی کے لیے، یہ پانی کے لیے، وہ میرے لیے، وہ ملاں

کے لیے۔“ وہ اسے نگرہ چہرے کو مزید بکا کر اس کی قلعیں اتار رہا تھا۔ موصوفہ ناپا ہوں اور درم زہر جسم لیے دوہارے اسے تھکا تھکا لکھ کر سوچنے لگی۔  
☆ ☆ ☆

بیشکی طرح آج کا شیخ سالم حداد کے نام رہا تھا۔ وہ جب بھی دہلی میں کھیلے تھے شیخ کا ٹکٹ کول ہیش شیخ سالم حداد کے حصے میں آتا تھا، اس دفعہ وہ عرب لیک کے بیٹس لیکڑی ٹرائی جیتنے کی اس کی بہت ڈرگ کی ہوئی ہوئی تھی۔ مقابلہ بہت سخت تھا، قطر کوہرا، پھر فاضل بھی جیتتا، پر جانے کیوں پھر بھی سالم اتنا خوش نہیں لگ رہا تھا۔ عجیب خوشی کے حصار میں تھا وہ، کراؤن پلازہ کا شائن دارڈرنگی اسے لطف دے رہا تھا۔

”مجھے لگا ہے جنہیں کسی سے محبت ہوگی ہے سالم،“ متعمم نے ٹیبلٹ سے ہونٹ صاف کرتے ہوئے ہلا خراطلان کر دیا۔ سالم، متعمم اور حسین بیچن کے کھلی تھے۔ ٹیبلٹ کا جنون بھی ایک ہی تھا۔ ”فٹ ہالی“ تینوں نیم عمان میں سلکت بھی اکٹھے ہونے تھے، لیکن بعد میں سالم کچھ کا کچھ نہیں بننے بنے فقط دو ماہ ہی گئے تھے۔ باوجود اس کے بیچن بنے کے، ان میں پہلے بھی وہی دھڑکی۔ متعمم اور حسین آگے پیچھے چار سال پہلے شادی کر دیتے تھے، جب کہ سالم کو اس تک شادی کے لیے کوئی لڑکی پسند نہ آئی تھی، نہ اپنے فیکٹری کے فیکٹری کے فیکٹری سے.....  
”آنا“ (مجھے) اس نے بے چینی سے انتظار کیا تھا۔

”آنا“ (ہاں) جواب متعمم نے باشرمندہ ہوئے ہاں کہا۔  
”کلیش حدا نمونہ؟“ (کیا طریقہ ہے۔) سالم کو یقیناً پتا تھا تھا، مگر متعمم اپنی بات پر قائم رہا۔  
”میں غلط (کار) جاتا ہوں، نا جو محبت ہوئی ہے۔“  
”غلط جانا؟ نا جانو، مگر کچھ بڑا ہے۔“ اب کہ حسین بھی پیچھے نہ رہا تھا۔ سالم کے قصور میں وہ

سفیر کیروں جسے ہندی سے لگے تو چھوڑ آئے،  
 سبھی ہوئی ہزار آغوشوں کا حصار اس کے گرد اور بچ ہوا  
 تھا۔ اس نے گہری سانس لے کر خود کو دھلا چھوڑ دیا  
 تھا۔

”سنو پاروں، جس دن ہم دئی آئے تھے،  
 اس دن ایک لڑکی میرے پیروں کے پاس بیٹھ کر گئی  
 تھی کیا یاد ہے؟“

”میرے قدموں میں تو روز ہزاروں گئی ہیں اور  
 ہزار گرنے کو تیار رہتی ہیں۔“

ابنہ کریں

9 فروری 2018

**9** **کرن**

فروری 2018ء

دل کا موسم اچھا ہوتا تو سے طویل سفر کے بعد  
خوابوں جیسا خوش نما موسم رکھنے والا شہر بہت بھلا  
لگتا مگر اب وہ موت سے پیچھے مرگ میں جٹا گی۔ وہ  
ریج اور میں بھی روڈ کی دو دیوے لٹائوں کے ساتھ  
جلی لٹا لٹا دو راہ کی لٹائوں کو خالی زمین سے رہی، آج  
اسے پرانی بلڈنگ سے نکال کر کھین اور لے جایا  
چار تھا۔ دن بدل مرنے کی خواہش شدید تر ہوئی  
جاری تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ خود کسی سے بھی پچھلوں کی  
عزت محفوظ نہ تھی۔ جب وہ ہفتے پہلے وقاص سے گھر  
بات کروائی تو سجاد نے نفخہ اتار دیا تھا۔  
”جس دن پاکستان آئی وہ تیری زندگی کا  
آخری دن ہوگا۔“ اماں کے کونے اور بدعا میں لفظ  
یہ لفظ سننے سے گونج رہی تھیں۔  
”برہنچے بیٹے اتنا ہوا“ ہو گیا کہ شہر چھوڑ  
کر بھاگ گئی، میں تھی تو ساری اولادوں سے سیانی  
بھیجی رہ گئی۔  
”اماں، شہر بہت امیر ہے، وقاص تو اس کے  
پاسنگ بھی نہیں، اماں اتنا پیسا ہے اس کے پاس کہ  
چار دن میں ہم اپنا ذاتی گھر خریدیں گے۔ ہمارے  
حالات بدل جائیں گے۔“  
”لغت تھم رہی ہے شاعر، تو پیدا ہوتی ہر  
جانی کاش میں کوئی پتھر پیدا کر لیتا میرے رہا۔“  
اماں بلند آواز سے روئی رہی تھیں۔  
”اماں اس نے نکاح کیا ہے میرے ساتھ  
کوئی برائی نہیں کر رہی میں۔ پھر یہ سب آپ لوگوں  
کے لیے تو کیا ہے۔“  
”کچھ کچھ میرے نکاح کو اور تجھے، بے حیا  
بغیر عدت کے کون سا نکاح ہوتا ہے۔“ اماں نے دور  
سمندر پار چینے کر شاید سر چٹا دیا، جب ہی تو بدر کے  
دماغ میں دھماکے ہونے لگے تھے۔  
”اماں ”دروازہ“ آپ نے ڈالا تھا۔“ (تحقیق  
آپ نے کر دوائی تھی، اس کا دل درپا، لیکن زبان  
نے ان کے سامنے شعلے اٹھائے۔) سجاد بھائی کو  
دیر اچا ہے تھا، آپ کو دیکھ رہے تھے جو جین نہ ہیں اور

”شہر کے“ میں آپ کو چلتی رہ بٹھا دیں، لا تعداد  
فرمائشیں وقاص نہیں پوری کر سکتا تھا، اس لیے میں  
نے شہر کی حوصلہ افزائی کی۔ ”وہ ان کا کام علحدہ کرنے کو  
کد چھری سے ان کو ڈنڈ کر رہی تھی۔“  
”شادی شدہ ہو کر حوصلہ افزائی پر درتھے رب  
سے اور خوف نہ پایا۔“ وہ دو تھانوں مادی رہیں، جبکہ  
بدر خاموش رہ کر آتش فشاں بھائی رہی۔ ”تو باپ کی  
تفریح لانا کچھ کچھ تھی، وہ تو بڑے ٹیک تھے۔ میرا دوہ  
بھی اتنا گنہگار تھا تو کس پر چاڑی۔“  
”خبردار جو بدوا اور کھانا، کاش تو پاکستان  
ہوتی۔ میں میرے گھر سے گردنا، قید بنا دیتا۔“ وقاص  
نے سجاد کی آواز سن کر فون اس کے ہاتھ سے چھین  
کر بند کر دیا تھا، اس نے آئینہ کمر فون دکھا کر بات  
کر دوائی تھی اور سارا حلقہ اٹھا دیا، اس کی انگریز ٹیمٹ یہ  
تھی۔  
گاڑی رکے رہ وہ چچی، اپنے خیالات سے  
باہر نکل کر اس نے دیکھا۔ گاڑی ایک عمارت کے  
سامنے ٹکی تھی۔  
”سچ رہا دروت“ بدر نے نیچے اتر کر ملتی جتی  
روٹی والا نام پر لب پر حاتو ماسٹرم شور کا بھی تاج مل  
گیا لیکن دل دھڑک رہا۔  
”نہیں نہیں سوئے تمہارا ہے۔ کل شام بعد صرف  
طوبی نکاح کے لیے آئے گا۔“  
”پاٹھانہم کر، کوئی راست دکھا، ابھی تک کوئی  
ترکیب نہیں ملتی، اگرچہ ہی یہ ہو تو کیا فرق پڑے گا  
میرے سوا۔“ وہ مٹی کی جیسی سوچ کا گھٹن شاید  
چہرے پر عجب تھی، بدست ہو چلا۔  
”تو چپ چاپ سائن کر دیا، وہ لمبے لمبے انکار کی تو  
گھنٹا کئی ہی نہیں سے کہا، اسے پاس۔“  
”یہ جلی نکاح تھے گا ہو گا؟“ وہ زہر شدہ  
ہوئی۔  
”تم پر ڈی پیٹڈ کرتا ہے، چاہو تو ہمیں تک  
لے جاتا۔“ وہ بے باک سا بے باک تھا۔  
”نہیں دیکھ کر تو مرد نہ جاگ اٹھیں، مجھے ہی

بچہ کس طرح نیند کی گولیاں کھا کر کھینچ کی امانت  
کی حفاظت کی ہے۔“ وہ جو گولیاں کھا کر تھا، اس کا  
مقدور اب خود ہی بدر کے سامنے کھول گیا، بدر کی آنکھ  
سے کھینک پانی پڑا ایک بالکونی کے شفاف فرش پر گم  
ہو گیا۔  
”دفع ہو جاؤ اور سے اٹھیں، کسی کی آئی تمہیں  
آ جائے۔“  
”مبارک ہو۔“ وہ دھڑکی سے مگر لاپ۔“ دیکھو  
بدر، میں پھر گھر ہاں ہوں، کوئی بے وقوفی مت کرنا، شہر  
تھماؤ، اس کی بارنی پاکستان کا انکم ٹیکس دے سکتا  
ایسا جگہ پر، لٹائوں عالمی ریال لگائے ہیں، سمجھو  
پاکستان کے کرڈوں لٹا دیے۔ دنیا میں دوسرے نمبر  
پر عالمی کرسی ہے، اتنا تو جانتی ہوگا۔ خود سوچو، ہمیں  
اور مجھے کیسے بال مال کر دے گا۔“ وہ سنہری رنگ کی  
طرف ہاتھ لٹا رہتا تھا، جبکہ بدر بالاراہہ اپنے  
جھانکنے لگی۔ رنگ دیو کا ایک سیلاب تھا، کھلے آسمان  
تسلے گی رنگین پھتروں میں ایسی آرائش تھی کہ  
آنکھیں پتھر، رہ جائیں۔ عورتیں کم اور مرد حضرات  
زیادہ سے زیادہ تھے۔  
”میرے کو دے کی آواز پر بدر تھکی، وہ شاید پتھر کی  
قلبی عورت کی جو سنے کو پران میں لٹا رہی، ڈاکو  
کے پلٹنے پر اس نے مسکا کر بے کہا اور پران دیکھ کر  
بدر کے ساتھ اٹھ کر گئی۔  
”بارنی انجوائے کر رہی ہو۔“ ساتھ ہی وہ نیچے  
جھکی، پھر کلاک چلانے لگی۔  
”فد، فوید، فوید، روکو، وقف، اشار۔“ وہ ہر  
معلوم زبان میں چلاتی نیچے جاری تھی۔ بدر نے اس  
کی آنکھوں کے تعاقب سے جان لیا کہ وہ وقاص  
کے پیچھے جاری ہے۔ اس کے دیکھتے دیکھتے وہ  
سڑجیوں سے رہی اور میں پر چٹکیا، بدر نے نیچے  
فرما دیا، وہ اٹھا فوید، کچھ کچھ کر سکتی تھی، حیرت انگیز  
ظہر پر اسے کوئی شدید چوٹ نہ آئی تھی۔ جب کہ  
وقاص ہی انکشاف ریح اور میں پتھر کچا کچا تھا۔

رات مکمل بھگ چکی تھی، ان دونوں نے شاید  
آخری بار نیچے میں جانا تھا، باڑی میں بیٹے ڈانڈر کا  
گرد پ ب ب برسا پانی پر چھٹی بارش کی بوندوں  
میں اپنے کن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ بدر نے اس کے  
کھنکوں کے گرد بازو جامل کیے اور اس کے سوت  
میں سے آئی۔  
”پتھر نہیں خدا کا واسطہ مجھے وقاص کا بتاؤ  
اُسے کیسے جانتی ہو۔“ اس کی آواز میں بالاکر ب تھا  
راہنما تھے لٹنے کی کرڈوں دعائیں دل کی گہرائی میں  
تھیں  
”یوہا فلانین سے تمی وہ میک اپ آرٹسٹ تھی  
ساری دنیا جانتی ہے کہ عرب خواتین میک اپ کی کس  
قدور دل واہ وہ نیچے لٹا ہے سوچا تھا یہ نہیں کے حساب  
سے میک اپ استعمال کرنے والیاں اسے منگولوں  
میں ریال تو وہ ہی دیں کی لیکن عمار ان کا اعزاز ہوا  
تھا یہاں تک ناگنا شکل تھا۔  
”فد (پھر) میرے کو دوسری در کر دے بولا کسی  
مال دار کو پھنسا کر شادی بنا لیا ہے میں نوید میرے کو  
پارک میں ملا اس نے مجھ پر چھپا بھی خرچ کیا اور  
اپنے سچے سے بول کر ایتھے سکون میں نوکر دلایا۔  
ہمارا شادی پر اسی دن تھا، وہاں اس نے نکاح کا آکر فوڈ ہم  
نے دم میں نکاح بھی پڑھا لیکن اس کی بولوں ہی ڈاکو  
صفت پاکستان انکسٹی کو گھبرائی کہ دادو وہ ناگنا رہا۔ میں  
اس شادی کو اب ہمیشہ رکھنا چاہتی تھی میرے کو  
پاکستان جانا۔ وہ دہلا پاکستان میں اُس کے پاس  
سب کچھ ہے۔ میں بولی میرے کو لے چلو وہاں مل کر  
کمرے کے ساتھ۔ ہٹ، ہٹ، ہٹ ہٹاؤ خود شہر (پھر) ناگ  
(بعد) اپنی بدراکب (پتھری) بول کر بھاگ لیا۔“  
”یوہا مختلف زبانوں کی بھڑکی میں جاتے جاتے  
اور پڑی۔ وہ بلاشبہ حسین عورت کی وقاص نے جو کئی  
اُسے شادی بھانے میں سرس دیکھا وہ اسے لوٹ کر  
فرما دیا، کلاک میں موجود بار سوتلی ریال، تھجری،  
اور لیوا کا قہقہہ بھی بولی وہ نے اڑا تھا۔ وقاص کی  
زردیک وہ مسلمان نہیں تھی۔ اس لیے اس کے ساتھ



کسی بھی سطح کے تعلقات رکھے جا سکتے تھے لیکن تعلقات کو مستقل سرورہر حال نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ سوا غریب عورت کے باہی بانی کر کے جوڑے گئے پیسے چوری کر کے اور مہال میں تصاویر وغیرہ بھی بیوت ساتھ لے جاتے اسے متعلق شرم محسوس نہ ہوئی جسی اسے وضو پڑھنے سے لیونا کے حالات اس بچ کر پہنچے کہ بچ پیدا ہی کرنا پڑا پچھلا اس جار جڑا بن گیا لیون اور نے چکا کر اسے جار سال کے لیے گروی کر دیا گیا ابھی مشورہ لیون کی طرف سے اسے اپنا کیا گیا تھا کہ قسمت نے پھر اس کو یہ کو اس کے سامنے کر دیا ہے وضو پڑھنے سے وہ متھو بار پاکستان اسکی مسخ کا جائی کی وہ پاکستان کا پڑا لے کر اسے پاکستان حاش کر نے بھی جانا جاتا ہی تھی۔ وہ اس کے جن دوستوں کو جانتی تھی وہ بھی ملازمہ نہیں تھیں جو نے غریبوں کی کا بھی باقی تھا نکاح بھی اس کے دوست نے نہ رہا تھا۔ تصاویر و کالمیکٹ فون کے ساتھ ہی چلے گئے وہ پاکستانیوں سے اس کا حلیہ تا کر پوچھا کرتی تو کوئی کہتا کیا آڈی آڈی کا ڈھ پاکستان سے تھا تو کوئی کہتا میٹری بہادر الدین سے جبکہ لیونا نے اس کے منہ سے سالکونٹ لے کر دین رکھا تھا۔ غلطیوں واپس کے لیے ڈاکومنٹ چاہیے تھے جبکہ پاکستان والے اپنے کو کوئی ڈاکومنٹ لے کر کہیں سے دے رہے تھے۔ ”میرے بے لگ کیا بیوچر ہے کوئی کنٹری اسے تو (تجلی نہ کرنا) نہیں۔ میں کسی کے پاس بے لگ بیوچر ہے کی عمان پاکستان اور فلپائن نہیں کو ڈاکومنٹ چاہیے کہاں سے لاؤں ڈاکومنٹ۔“

وہ ہلاؤں کے سمجھ میں کر لاتی رہی اس کے آنسو بدر بدر کے پڑے رہے۔ کیا تم بحیثیت قوم اس قدر کر کے ہیں کہ اپنی اولادوں تک کو یہاں وہاں چھوڑ آتے ہیں اس کی کل ہمت میں اس نے بہت کم پاکستانیوں کی تحریف کی وہ نہ ہرن کی فراڈ آپس کا جھگڑا کیا اور ملاک میں سلوٹ ہی سنا لیون والے تو باغی تھے ہی کہہ دیتے اچھا یہ کام ہو گیا ضرور کسی پاکستانی نے کیا ہوگا۔ دامن سے بتایا تھا

ایڈیٹرس انجینئر یا ڈاکٹر کے ساتھ مشکل باج ضرور آتے ہیں جی سی (گلف ممالک) میں تو پاکستانی پندرہ مزدور کے ساتھ مشکل ایک انجینئر یا ڈاکٹر کیا تم تقسیم میں انا پیچھے رہ گئے وہ دگر بندی دگر بندی۔ اخلاقی کراد میں اتنا آئے ہوا گئے۔ ”میرے پرانے رات بھی آیا میں نے بیکر بن کر (بیکار) بے لگ کیا ایک (دودھ) خرید اس سے اچھا تھا میں شادی نہ بنائی اگر بانی بھی تو بے لگ ہوتا۔“

پھر سوتے میں گفتاری مار کر جہاں تھاں کی باتوں سے بے نیاز۔ بدریک گف آسے دیکھنے ”میرے کو سب سے بولا پاکستانی (نفر آدمی) کندا ہوتا میاں کے لیے شادی بنانا پھر بھاگ جاتا تم بھی شادی مت بناؤ پیسے کا ڈرٹ میں کسی کی بات نہ سنی اب تپا چار سال سے ٹھک بولتے تھے تم کیا کرتی ہے اھر! زخماں سے بدر کا خیال آگیا۔“

”نو بڑا لگنا تیرے کا۔“

”وہ میرا کچھ نہیں لگتا۔“

”پھر تم بھی اھر پیسہ کرتی ہے کیا؟“

بدر کے بیرون کے ناخنوں تک سے پسینہ پھوٹ اٹھا، مزاحمت کی لہر ابھی اندر اس نے حالات سے بے خبر سے غم سا محسوس کیا۔

”میرے کو لگتا تو بیویوں کی برائیلیٹی اور وہ تیرا ڈیر ہے۔ میرے کو معلوم پڑ گیا وہ ملازمہ ہے اب سچ ہوئے میری کو ڈھونڈ لگا لے میں۔“ بدر اس کے پاس سے اٹھ کر چلی گئی۔

ایز پورٹ سے خریدی گئی آسانی شرت اور بلیک جینز میں بیٹھے کوئی سمجھے ہوئے لیے بال اور ازلی سے نیاز دلا پر دافوش والا شیخ سالم دعا بلا کا اسارت لگ رہا تھا۔ کاؤنٹر کے دھور سے آئے دیکھ کر کھڑے ہوئے تھے وہ اس کی حیثیت دمر ہے واقف تھے بلا خاتون نے زبان کھولی۔

”مرحبا! آج تم نے اچھا یہ کام ہو گیا۔“

کے ساتھ سرورہر بلا وہ باہر سے چھاپریش پیش تھا مراد

کا موسم پر ایران داجا تھا۔ ”شیخ..... یونس کلاس کی بورڈنگ کپلٹ ہے۔“ وہ ششتر عربی بول رہی تھی۔

”اور نی املال ڈائریکٹ مالدار کی لکائنہ بھی ہے۔“ مرنے بھی دراصل عربی میں احترام کے ساتھ مطلع کیا۔

”کالونی۔۔۔۔۔؟“

وہ مشہور ترین لٹ بار کے ساتھ ساتھ عرب کے دس امیر ترین خاندانوں میں سے ایک کا جنم و چراغ تھا وہ وہی طرمان کے پروڈکٹ کو بیچتے تھے ”شیخ“ ہم بچو تھے ہیں“ مردھوک نکل کر مشکل بولا تھا۔

”دوسری کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں بس اکالونی کی بورڈنگ بخاؤ۔“

صلار اظہر ہونے پر اس نے اپنا تیل آن کیا تو ان کو دھچکائی ہو سڈ گال کے ڈیروں بچر تھے۔ اس نے سب سے زیادہ متمتع کے بچر دیکھتے پر اس کو کال ملایا وہ اپنا کا دھی تھا۔

”وہاں پر (سالم) پر بیٹا اب میں گن رہا ہوں کوکو (بیوی) یاری میں ہے اور اللہ کے حکم سے سابقہ رکھاؤں پر گرائے ہوئے بچر کے بچہ کو بھی لے کی۔“

”بچے کی پورٹ سے ایک کر لیا کر کے بچ کر بیٹھے ہیں۔“ متمتع اس کے دلچسپ آنے مکمل اٹھا تھا تنگوں کی پچھری کے نیچے وہ تیس پھیلا کر لٹ گیا بیسے لوں کی کھنکھانہ اور ہا ہو۔

”متمتع نے گاڑی سالم پر قدر سے فاصلے پر پار کی تھی اس کی پچھری سالم پر تیار کرکوں کی پچھری تلے آلیا تھا سو قدر سے بیٹا بیٹا متمتع آرام کرنا پر بیٹھا سمندر سے اٹھتے دھندو دالوں کے مرغوع دے بیٹھے ہوئے بول پڑا ”سالم اب کی بار تو مطر (بارش) کا پانی منٹ کا وقت بھی نہیں دے رہی۔“

”سمندر کا غیب تھا ہمارے دے کی کئی کئی“

شیخ سالم نے چپکے دھماکے سے غصہ تاب نکش آواز میں لگاتے سمندر کو دیکھا۔

متمتع کا دل جا پاس سے پاکستانی لڑکی بابت پوچھ کر جھوملنے پھرنے لگا۔

”پرسوں سمندر نے“ حافظ“ (HAFSA) کی ساری شاہراہیں تو زبانی دلائل صد شکر کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔“ سالم کی خاموشی سے مگر اکر وہ خود یہ اسے شہری صورت حال ثابت لگا

☆☆☆

”بادام کو کام ہے؟“ کارڈ شائستہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔ ”نہیں..... تھوڑا موسم ابھی ہے کرنا چاہتی ہوں تم اپنا کام کر دو“ وہاں سبکٹ گیا۔ جب اظہر کے پاس امیروں سے بھی اس کا واسطہ پڑا رہتا تھا کوئی کس سے دھنٹے دھنٹے تھا وہ درجے لگا کہہ رہی تھی اسے بھی کئی کچھ دھو پھلے ہٹ گیا۔

پچھری دیوار کی درزوں میں قدم چھنا کر سالم کی ریت پر چپ بدر کے لیے نہایت آسان ثابت ہوا تھا۔

لیونا کی باتوں سے پھلنے دل کو رکھ کر ڈاکو اظہر راکھ تو کہیں بھی پہنچ گیا کرتی ہے سواں نے بھی فرار کا فیصلہ کیا لیونا دماغ بند کر کے۔ اسے معلوم تھا وہ بھاگ نہ سکے گی پھر یہ ریت تمام کرنا چاہتی تھی وہب کے سامنے چاہا وہاں تھی۔

وہ خامشا ختم سے سالم پر لانگ کا بہترین انتظام، اس پر جبکہ جگہ نصب نگوں کی پچھریاں اور وہاں اور ایلیٹیم کے کپ (پچھریوں کی جیب لیے ہوئے) میں بیٹھے بارانی ٹیکو کے لوگ اسے اور دینا کا دھک رہے تھے۔ فقط ایک لمے کو اس کا دل دوبا۔

”تمھے کوئی زبان تک نہیں آتی“

اس نے سب سے قریب نظر آنے والی پچھری کی طرف دوڑ لگا دی تھی بیٹھے پچھری قریب آ رہی تھی اسے پچھری تلے بیٹھے جس کا طرف غلوں سے دوڑ کر لگا دوسری نصب پچھری اور گئے فاصلے پر تھی کوئی نے اس کا نظر پڑا تو اسے فاصلے پر لے گیا شہری ڈالنے کے بال بالشت برادر پوچھے دامن با میں

اے کھڑے تھے جیسے ان میں ہم پست گیا ہو۔ اس پر متناہد جاہلاتے ہر ہند جاہل اور حق۔  
اس کے پاس پہنچ جانے پر آرام کر سکی پر لینے  
خص نے اپنا ہرہ اوپر اٹھایا۔ پھلاں پھٹا خوف  
ناک لگ رہا تھا دوسرا تھکی دھن پھرتی کے میں  
وسط میں گلوں سے سادہ پھولنی پھولنی دائی سے  
مزین اس کی سرخ ہنسی دھندلک رہی تھی۔  
پھر فیصلہ ہو گیا در نے منقول طبر کھٹے والے  
خوب صورت تھیں کی طرف دکھائی۔ پلٹے مہیب  
ی..... آسو دھار کی صورت ٹھوڑی تک بہر  
رہتے نہ کر گئے۔  
تجہ سالم حداد کو لگا وہ پھر سے خواب ہی دیکھ رہا  
ہے وہ جس کے لیے دینی کا ذرہ ذرہ جھان آیا وہ  
ملائی میں سامنے لڑائی آسو بہا تے ہوئے مدنا تک  
رہی تھی۔ سالم نے فوراً آگئیں چمکائیں۔  
حلالہ کے پھرے ہوئے سمندر کے مقابل  
اُسے پاکستانی سبز پتلیں زیادہ زوردار لگیں ابھی وہ  
ڈوہ بتائیں چلا تھا۔  
اُس نے بیہوشی انداز میں متعصم کا اس کا بتایا۔  
اُس کے تیز تیز مری بولے پر وہ واضح طور پر  
صبرائی لیکن متعصم کے سر کو کہہ رہے ہیں ہر تھوڑے  
سلام کرتے پر وہ کھنکھاتی ہیں۔  
"رہنما کیڑا لڑائی (مترجم خاتون) ہم کہے  
آئی بد کر سکتے ہیں؟ سالم بول رہا تھا متعصم کی  
نظریں جو گڑبڑ پر ایسے ہی تھیں جیسے گوند سے چپکادی  
تھی ہوں۔  
اُس کے "اردو بولنے کی جبرانی سے نکل کر  
پدر نے تیزی سے کہا۔  
"میں اس ملامت سے بھاگ کر آئی ہوں مجھے  
سب سے پہلے تو دقاس کو گوں کی پہنچ سے دور جانا ہے  
پھر بات بتائی ہوں۔  
"آپ....." متعصم کے ہونٹ گول ہوئے  
"آپ....." کے لیے یہاں بہت خطرہ ہے سسر  
آپ ہمارے ساتھ چلیں مگر چل کر بات کرتے ہیں وہ

اللہ بہت شریف لوگ ہیں" وہ شہنشاہ انگلش میں  
بولتے ہوئے لاشوری طور پر اپنے باشت بھرا پر  
کھڑے بال بچے لے کر کھس کرنے لگا۔  
خطرہ لینے کے سوا چارہ نہ تھا سو بدر ان کے  
ساتھ اس جتنی گاڑی میں بیٹھ گئی جس پر بیٹھنے کی وہ  
دہی میں دقاس سے خواہش بیان کر چکی تھی۔  
وایے نصیب بچی بھی تو کب؟  
سالم کے چہرے پر بے پناہ عیان دیکھ کر متعصم  
نے اُسے ڈرامائیک سٹ سے فرخت بچہ پر کھکھکا دیا  
اور خود راہیو تک سفیالی۔ سالم پانی کی بوتل غلط  
چڑھا کر خود پر کا پائے ہوئے بولا۔  
"دقاس کون ہے؟"  
بدر کو لیونا کے الفاظ یاد آئے "دال" مگر اس  
نے سر کھٹ کر ان کو الٹ سے سے ایک متعصم اسب  
بتا دیا تب تک حسین بھی متعصم کے کھر کی کھس بھی پہنچ  
چکا تھا۔ (عرب میں شنگ دوم طرزی جگہ کو کھس کہتے  
ہیں آسانی کے لیے ڈرانگ دوم کہلیے)  
سالم نے دقاس کا تھم مری میں ان دونوں کے  
لیے وہ راڈاؤں ساری کھائی سٹے کے بعد حسین تیزی  
سے لیپ ٹاپ پر بڑی ہو گیا جبکہ متعصم کال پر بدر  
کے کھن سامنے بیٹھا چلے گا سالم کے محسوس کرنا نظر میں  
جگاتے ہوئے کھن نظر آ رہا تھا۔  
دور در پر کو یاد کرتے ہوئے سو نے سے لپک لگا  
کر بیٹھنے کی گئی اس کا جدان کھد رہا تھا یہ غلط  
لوگ نہیں حسین نے لیپ ٹاپ اس کے آگے دکھا۔  
"سسر دیکھو ایک شیخ جادو جیو اصرار آپ کے  
باس میرا مطلب دقاس کے ساتھ آجائیں اصرار آپ کے  
بات کرتے ہوئے واضح طور پر بھجکا۔ "بدر کچھ کرکرا  
آگئی۔ "ہاں جی وہ شیخان ہے۔"  
لیپ ٹاپ کی اسکرین پر شیخ عثم کی مسکراتی  
تصویر تھی۔ "ہیں شرط خانہ (پولیس اسٹیشن) جانا فوراً  
ہمارے پاس وقت اگلے گھنٹے میں ہے۔"  
سالم حداد اب اُس کی دید سے متعصب کی صورت  
حال کے مطابق فیصلہ کر رہا تھا۔ اُس کی سہوت کو

دیکھتے ہوئے وہ تینوں اب انگلش میں بات چیت  
کر رہے تھے۔  
"سسر میرا فیصلہ آراونی (رائل عمان پولیس) میں  
اور آری میں ہے جبکہ سالم اور حسین کے فیصلے انتظامیہ  
میں ہیں ہم سب مل کر اپنے سارے سوسرہ استعمال  
کر رہے ہیں اور آپ کے لیے دہی کر رہے ہیں جو آپ  
کے لیے خیر" (گھمائی) ہونہ پر بھروسہ سار میں  
اپنے عجیب و غریب طبع کے ساتھ عجیبہ داتیں  
کرنا متعصم کو نہایت عجیب لگا۔  
"سسر! متعصم نہایت شریف آری ہے۔"  
حسین نے جیسے بدر کی آنکھیں سر بڑھ لی تھیں  
اُسے جیسے ہی پتا چلا تھا کہ یہ سالم والی "لوکی" ہے وہ  
حد سے زیادہ احساس ہو رہا تھا۔  
"ہم سوڈانی لسل ہیں" متعصم نے بھی اضافہ کیا۔  
ان دونوں کے برعکس حداد بالکل چمک رہا تھا  
گاڑی شرط خانہ داخل ہو رہی تھی۔ راستہ آخری پہرہ  
میں داخل ہوئے گھمسی بدر کو خوف سے کھٹی آئی۔  
دقاس نے ساقی لفظوں میں بتایا چادر کی جسم نر دھتی  
ظہیر کاٹوئی انٹری پر یہاں کے قوا میں نہایت سخت ہیں  
نور اسرا میں دی جاتی ہیں پاکستان کی طرح سالوں  
مقدورات نہیں چلنے والے کے یہ قدمات کے فیصلے  
پہن نہیں سکتا۔ اور بدر پر تو یہ سارے کے سارے  
الزام تھے ایک بھی ان میں سے کم نہ تھا وہ رو پڑی  
دل رب سے فریاد نکال رہا تھا۔  
اور یہ سب جان نہیں معلوم کی آہ میدی عرش  
تک جاتی ہے ری ڈیکل ضروری ہے لیکن ہاتھ سے  
چھوڑی تلعا میں ہے۔  
☆☆☆☆  
"میں میڈیا و انٹرویو و فیوہہ کسی کے بھی  
سامنے نہیں آتا جاتی وہاں اخبار کی دی سب لوگ  
مجھے پچھان نہیں گئے میرے خاندان کے ساتھ ساتھ  
"میرے ایک بیٹے کی بی بی ہوتی ہے۔"  
وہ پاکستان کے مردان سنٹرز سے تربیت یافتہ  
میجر حلالہ کے سامنے زار و زور در کر اپنے مسائل

بتا رہی تھی میجر حلالہ بہت ہی صاف شفاف اردو بولتا  
تھا  
"دقاس نے اب تک تو تصویریں اور ویڈیوز  
اپلو کر دی ہوں گی۔"  
"بیٹا! آپ مہر تو کریں دقاس یا نوید یا جو بھی  
ہے وہ بس نہیں چکے والا ہے۔ آپ کے گاڑی کا کیمبر  
بتا دینے سے فوریں گرنہ بہت آسان ثابت ہوا ہے۔  
بلاشبہ آپ بھادر ہیں۔" میجر کا انداز واضح طور پر  
پکارتے والا تھا۔  
"تو اس کو کیا کریں گے سارا مواد تو پاکستان  
میں ہے۔" جیسے میجر کی کٹھن پچھلا گئی۔  
"آپ کچھ پڑھت کریں گی بیٹی!" میجر نے  
اس کی ہر آنکھوں میں پھیلی سرخی پر اپنی روش آنکھیں  
گاڑ دیں تو بدر کا سر پر سنا خاندان میں مل گیا  
"آپ شیخ سالم حداد سے نکال کر کہیں ابھی  
اور اسی وقت "وہ نہایت محسوس اور پراعتماد انداز میں  
بولا۔  
"بیٹا میں آپ سے کچھ نہیں چھپانا چاہتا،  
حقیقت یہ ہے کہ آپ بدستنی یا خوش تھی آپ جو بھی  
سمجھیں اسے کرمعرب کے عرب بچوں میں چھپی گئی  
ہیں۔ ان شیخوں کی برائیوں کے بیچ ایک احماتی ہے  
ہے کہ اپنے ہم منصب کی حرکت کی تقدیر کر رہے  
ہیں۔ شیخ سالم حداد جادو کی دھڑی ہے جو آپ کو  
سامنے لائے تھیں آپ کے سارے مسائل حل کر سکتی  
ہے سب سے اہم وہ بڑی بات شیخ لوبیتی سے بچنا ہی  
صورت میں ہے جب آپ کی ذوالحال شیخ حداد ہو رہی  
وہ دنیا کی کھن کے لیے آپ کو محسوس نہ کالے کا شیخ  
حداد کی "حرمہ" (عزت) گھمائی ہوئی کو ترمیم بھی بولتے  
ہیں۔) کے لیے بد ارادہ رکھنا ہرگز ہرگز آسان  
نہیں۔ میں پاکستان کو اپنا دوسرا گھر سمجھتا ہوں اور ہر  
پاکستان کی تو میرا ہی تو قیر سمجھتا ہوں یہی غلط انداز ہے  
ہے۔ سب سے ایک۔" میجر کا کوئی غنا نہیں۔  
وہ جب ہوا تو بول پڑی۔  
"میں چل اور میڈیا کو کہیں گے بچا پاکستان پہنچ

جاؤں گی۔“  
 ”پاکل کسی کوکان دکان خرد نہ ہوگی کہ آپ کس حالات سے لڑ کر پہنچیں جس کا رشتہ دینا تھا۔“  
 وہ ان چاروں کے بلو میں شرط خانہ کی مسجد پہنچے۔ پہلے انہوں نے سبجی کی امامت میں جبراً ادا کی سرگرمات کوکوں کی سوجدی میں اس نے سالم کو قتل کر لیا۔

اُسے لاہور کے چھوٹے سے گھر میں ہونے والا نکاح یاد آیا۔ اُسے وہاں کے مکین یاد آئے دل ایک دو لہو میں کر پھل گیا۔  
 ”مجھے معاف کرنا میرے پیاروں ہم سب کی عزت بچانے کی خاطر میں اس مقام تک آ چکی ہوں لیکن میں اب بچوں کا کھلونا نہیں بنوں گی جیسی وہاں سے آئی تھی وہیں نہیں ہوں گی خود پرکونی آج خدائے دہلی کی وہ جو بارگاہ کھار کبے ہوش نہ ہوئی اب حواس کھریں

سالم کے خضفے سے پانی کے چھینٹے بارنے اور کال تھیلے پر بے حواس میں لوٹ آئی فن رنگت اور قناتیت زدہ سر لپا کے ساتھ سالم کو وہ دل کے بہت قریب کی اتنی قریب اور اتنی اپنی کہ دل چاہا اُسے دل کے ساتھ لگا کے دھڑکوں کو فراموش کر دے۔ اس نے ہاتھ پر دھار کر سہارا دینا چاہا تو بھی وہ نظر انداز کر خود اُٹھ کر لڑی ہوئی۔

”جا ہوتو میں وہیں چیز لے آتا ہوں مسجد میں موجود ہیں۔“ وہ اور وہیں بولا بد جواس کی بیکھر لالال بیکھر ہاتھ تھا۔ پردے نے قی میں سر ملادیا۔ آج اعصاب کے ساتھ جسم بھی جواب دے رہا تھا۔ اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائی آگے بڑھنے کی ”ابھی تک لائے کیوں نہیں جرم کو؟“ حسین کے سوال پر سمجھنے نے اپنا خون لگایا اس سے پہلے وہ سہر ملا کا ل آئی بابت میں رہی ہوئی لیکن بدگو بھری انداز وہ ہو گیا کہ کون کی قی ہو گئے۔  
 ”وفاقی کوکل کرنا خدائے بدھوتی ہے۔“ بدھوتی نے نہایت کوشش سے پوچھا وہ شراب خانہ کے

احاطہ میں داخل ہو رہے تھے۔  
 ”میںیں وہاں سے لیونا اور اس کے بچے کو قتل کر دیا۔“  
 ”کیا..... وہ انسان کھلانے کے لائق تو پہلے بھی تھا مگر اسے شرافت ہوگا مجھے اندازہ نہ تھا۔“ بدھوتی وہ بھی روتا اور اس کی ہنستا بچہ یاد آیا جس کی ہر دوں شایستہ خود وفا سے تھی۔ آئسو بے اختیار روای ہوئے تھے انکسین تو رہنے کا بھاننا چاہتی تھیں۔  
 ”لیونا لیونا تو رپورٹ میں تھی۔“  
 ”ہاں اور وفا سے شطب کے ساتھ دوبارہ سوئی کی طرف کیا تھا وہاں آئے لیونا نے پھر سے دیکھا اور یہ سب ہوا۔“  
 ”اس کا مطلب میری گمشدگی کا ان لوگوں کو بتا چل گیا ہے۔“  
 ”ہاں۔۔۔ ان ٹیکٹ تمہارے بارے میں ہی پوچھنے کے لیے اس نے لیونا والے ڈور کو ناک کیا تھا پھر ان میں ہاتھ پائی ہوئی لیونا نے نیچے کی پر اس کے سامنے کی تو اس نے پر اس کو بھی ہاتھ مار دیا پر اس الٹ کی بچہ سر میوں سے نیچے جا کر۔ پر اس کی اس کے اوپر جا کر۔“ بدھوتی کے منہ سے کسی جھل کی تھی سی جان اور اسکی موت وہ تینوں خاموش سی اور سبجی کی گفتگوں سے تھے مجھے جیتنا سالم ہاتھ۔  
 ”اور لیونا کے ساتھ کیا کیا اس دہندے نے“  
 ”لیونا نے پھری کے ساتھ وفا سے جاوے وہ پلایا انسان ہے اس پر ملے ادا وفا سے نہیں کر اس کی شاہ و گ کا ڈالنی۔“  
 ”تم پاکستان کی اتنے شدت پسند کیوں ہو تے ہو؟“ متعجب سے کچھ نہ سمجھ کر بھی بہت کچھ بھلا گیا تھا اور اب بھی سوال کر ڈالا۔  
 ”فرد واد کے دیوے دھل کو تو بیت پر لاگو کرنا سر اس پر انصاف ہے ایسے برے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں اس میں کسی ملک یا شہر کو برا کہنا درست نہیں ہے جنم بدھوتی میں ان لوگوں میں سے ہے۔“ یاد جو منتشر ذہن کے اس نے اپنے دھن کا دفاع ضروری سمجھا مترجم

کے فرخیں انجمادیا میجر سکر کیا تھا۔  
 جب ہی آرا دی اہل کار وفا سے کھڑی سے کچے اندر داخل ہوا جوں ہی اس نے بدھوتی کھاتو کھڑی چھڑا کر ہڈیاں انداز میں جھگڑ دھاڑا کر اس کی طرف لپکا صاف معلوم دے رہا تھا اس پر لڑکی دھشت سوار ہے۔  
 ”میں نہیں بھی مار ڈالوں گا تم نے سب کو برا د کر دیا مجھے بازا دیا سب کا تروہ کر دیا۔“ بدھوتی سے چاندی کا بھندہ نہ تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ بدھوتی پہنچا خدج سالم کا بچہ اس کی ناک خون آلود کر گیا۔  
 ”میرے سامنے میری بیوی کی گولی.....“  
 ”آر۔۔۔ لی آفیسر نے خدج کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے مزید کارروائی سے روکا وفا خون اٹھتی ناک کے ساتھ خون کی کیفیت میں بولے لگا  
 ”اس کی گولی میں جیتھ کر اس سے خدج کسکی آوارہ عورت ادھ نہیں پاتاں سے بھی دھوٹے کا اس کی بھی منہ بولی بیوی تھی ہی ہوا اس کی پہلے بن جالی اس کا بڑا حیا دیکھ کر موت پر لگی تھی اس کی جولی دھکتی.....  
 خدج سالم کے اگلے ہاتھ کے تھپڑ کو آفیسر نے اپنے ہاتھ پر روک لیا۔  
 ”انت بھنوں اوننی بیت۔“ (کیا پاگل ہو گئے ہو، مگر جاؤ اپنے) سمجھنے پر ملار کر آفیسر کی تائیدی تو خدج سالم نے سرخ چہرے کے ساتھ ہڈیاں کا پکڑ کر چارواں انداز میں گولی مارا کہ وہ دھشت زدہ کی پیچھے پیچھے کھٹنے کی رپاداری کے انتقام پر کھڑا شرط پھر سے دیکھنے سے بڑبڑایا۔  
 ”یہ پاکستانی جہاں بھی جاتے ہیں معصیت ڈالتے ہیں۔“  
 شہر میں اکٹھے دھل ظلم ہے۔ بہت بڑا ظلم ہے۔

☆ ☆ ☆  
 شرط خانہ سے خدج سالم سے سیدھا پانی روڈ دھل کے لڑ گیا تھا۔ فضا کی سرخیں ڈاکوٹ چاہے تھے،

روڈ پر خدج سالم کے روڈ کول کی وجہ سے کسی نے زیادہ گور خوش نہ کیا۔ دھنی جس دودھ میں اسے لیکھی میٹر کر دھاڑا اور ڈاکوٹ، بخواتین خدج سلام کی تھاسی نے اس کی۔۔۔ تنقیش کرنے کے بھانے نہیں دھوڑے، وہاں سے وہ صکار آئے، عثمان چاروں کی سرگرمی کی، اسے کھوں سر پر بڑھل کارڈ ایٹر کر گیا۔ بدھوتی کچھ ہوتے دھکتی تھی اندازے لگاتی رہی کہ امروچ سے سالوں کے کام کھوں میں کیسے ہوتے ہیں۔ صکار سے لیونا رول حلالہ اور پھر وادی جہاں تک آتے آتے خدج سالم نے سیکڑوں بار کھڑوں بڑوں کی آفر کی، وہ دھکتے کہ کھڑا لڑائی تھی متعجب کی بیوی کا برقع اسے خدج کی شاہنگ کی نسبت زیادہ بڑھ کر لگا رہا تھا۔ بارہ کھٹنے کے طویل سفر میں اس نے نہایت تھوٹ اور آرام دہ لہجے میں کہا تھا۔  
 ”جہاں ہم بڑے سیدھے کھرے لوگ ہیں، جوں میں ہوتا ہے، اسے بے بھج کہتے ہیں۔ تم وہ جلی لڑی ہو جسے میں نے نظر بھر کر دیکھا، پھر اور کچھ دیکھنے کی حاجت ہی نہیں نہ ہوئی۔“ وہ ہجرت زدہ کی سارا قصہ نہی رہی، مگر اب کسی مرد پر اعتبار کرنے والے سیدھے میں نہ رہا تھا۔  
 ”پھر تو یہ نکاح بھی آپ کی صوابدیر پر ہوا ہوگا۔“ وہ کھوکھو ہوئی۔  
 ”والہ نہیں،“ یہ فیصلہ خالص سبجی کا تھا، ہاں اسے متعجب سے تا سب کچھ دیا تھا۔ طلال متعجب کا بھونکی ہے، میں جانتا ہوں تمہارے لیے یہ نکاح بھڑے میں لگے تھے تا بڑی بڑی ہے، مگر میرے لیے یہ بھری بھول ہے۔ میں بڑی بڑی کا قائل نہیں، اس لیے کہ میںیں پاکستان سے باقاعدہ تمہارے رسم و رواج کے مطابق آئے گا۔ اسید ہے تب تک نہیں عرب اسٹے پانڈنہ نہ رہیں گے۔“ وہ واضح طور پر غیر سمجیدہ اور جال بذر خیر و عیسیٰ ہے۔  
 ”وادی جہاں کھڑے سیدھا والوں سے کھل علیحدہ رہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ خدج ختم کے دما کی کبڑے بھڑ

☆ ☆ ☆  
 شہر میں اکٹھے دھل ظلم ہے۔ بہت بڑا ظلم ہے۔

☆ ☆ ☆  
 شرط خانہ سے خدج سالم سے سیدھا پانی روڈ دھل کے لڑ گیا تھا۔ فضا کی سرخیں ڈاکوٹ چاہے تھے،



اندازا ہوا چھڑا کتا ضروری تھا۔

”نور کبیر سے گھر محنت نہ ڈالو، کسی اور کے خواب دیکھو، شیخ کی تو میں اسی جتنے شادی کروائی ہوں، یاد آنا تمہارے پاس تو شوہر کی دوسری شادی پر عورتیں خوشی کر لیا کرتی ہیں..... میں نا“ تصدیق چاہتے لیجئے میں حد درجہ مسخرفا۔ ”بہنہ نام کے مسلم، عقل سارے الٹ اور شادیاں ہم ہر برس میں کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تو بھلا ہو کہ (حکومت) کا بیج کلام ڈال رہی ہے، اگر عرب مرد بے تعلقی کر بھی لے تو ساری زندگی عیب کا شہری۔ جیسا ہل سا کمرہ۔ خارجی می رہے لی نظا۔ (دوڑا) لی گلو انی ہزار کرے گا دوسرا نا“ جلد۔ ”وہ صوبہ کئی بار نکلے گی۔ بدر کوٹ کھینچے، سپورٹ سبست اس کا بیڑہ بیک دے دیا گیا۔ ملازمے ہاتھ پیرا اور بار نکل آئی، ہاگزہری بہت کی جتنی گاڑیوں میں سے ایک ہی ایم سی کے آئی کو میٹر مٹار (پورٹ اپر) پول کر خود می اس کے ساتھ پیچھے بیٹھ گئی۔

☆☆☆

لاہور بار پورٹ سے گھر تک کا سفر خوشی و غم اور یقین و بے یقینی کے درمیان نہ ہوا، اس کی ایک آدھ جہاں باں کے لیے بہنوں کے لیے خوشی کا باعث تھی، وہیں چھٹا افراد کے لیے غصے خلات صدمہ کا سبب بنی تھی۔ اماں نے کہا کہ رانی بھی اپنے ہاتھ نہ دیا۔ اس کے پاس تو بیڑہ بیک میں کچھ بھی نہ تھا، چیک وہ طوطی حداد کے منہ پر بار آئی تھی۔ ماں، بہنوں کے سوا اس کی آپ بیتی پر کسی نے خاص یقین نہ کیا، جب اس نے موت دیکے کہ وہ قاسم اسے دئی کر لے گیا تھا، دئی وہ دھڑ پڑھا۔ جب عثمان کا اس کے پاس دو سال کا بڑا تھا، تو کوئلوں کی طرح ان کا ٹینگ بے وقوف بناتا تھا۔ اس نے بہر سے کیا، وہ نمبر لگائے جس سے وہ دئی سے کال کرتی تھی۔ وہ دئی کے کشتری کوڑے کے ساتھ بیٹھا تھا۔ پھر اس نے دہلے سے وہ بیڑہ لے لیا، اس کے دو عمان کا کتہہ گہر بات کرتی رہی۔ وہ شیخ ماما تھا۔ کویت کا

نمبر و کشتری کو کھینچ نہ تھا۔ سجاد نے بد دل بھی رو کر دی کہ ”نمبر تو دو منگ پر کر دالے جاتے ہیں۔“ اس نے قسم کھا کر یقین دلانا چاہا کہ اسے خود وقاص سے بچ ڈالنا تھا۔ میں ہر ہزار پال کے عوض اور اگر وہ خود جانی تو اسے خالی ہاتھ تو دینی۔ مہر کا ذکر وہ میر سے گول کر گئی، اسے وہ ہر آگ سے بچانا چاہتی تھی۔ وہ بڑے خار خادون تھے جو بھٹوں میں بدل رہے تھے اور دینے نہیں میں۔ وہ جو کسی کی بدولت انٹرنیشنل پورٹرز کو گرفتار سے بچ آئی تھی، گھر کے پورٹر سے نہ بچ سکی۔ وہ مل کلاس سے بھی کھلے در سے کے لوگ تھے جہاں لایوں کی شادیاں بیچنے کی بدولت یہی سٹلن رہی ہوئی ہیں، تو کہاں ہلے بدر جہاں جو در در شیخوں کے ہاتھ بنی رہی تھی، وہ کئی بار بار اور کہاں کہاں گئی جانی رہی، اس سے زیادہ اس کے رشتے داروں اور نکلے والوں کو پتا تھا۔ خود میں اس سے بھوری کی آڑ لے کر کہہ دے تیر ہر تھامے جو در، در مردوں سے کلاچ کر کے بھی اس کے لیے غصہ، غالت اور آزار تھے۔ وہ کسی سے مل لیتی تو معیبت اور دیتی تو عذاب۔ وہاں تک کہ بی بی کو بھی گھر پر سوجا کرتی۔ ابھی تو میں سیدھی گھر آئی ہوں، اگر بی بی اور دینے سے ہو کر آئی تو کیا بنے؟ اماں اس کی طرف دینتی تو میں دوسرے جایا کرش، پھر اسے ہی کوئے دیتیں۔

”نی بدو، تو پچھا ہوتے سر جانی، تیرا دینی میں ایکسٹنٹ ہو جاتا۔ تجھے کوئی گلب جانی تو وہاں بھی نہ آئی، مجھے مہر آ جاتا تو ادھر کیا لینے آئی۔ جس سے جانی ان کی کہانی، اس کی بار ہی رہ جانی۔ نوکرانی میں ماں کے پاؤں پر جانی، اسے پتا تھا اماں اس کی محبت میں یہ کوئے دیتی ہیں۔ اس کے دکھوں پر کر لائی ہیں۔ رنہ طے تو ان کو بھی ملتے تھے، اسے مجھے بھی وہیڑے سے مشورہ نہ دانتے تھے، رشتے داروں کو خوشیاں رکھانے سے اور ہر جہاں کی اس سے بھی زیادہ اچھی جگہ شادی کرنے کے ان کے بڑے بول

ان کو چھو بھیماں، ممانیاں آتے جاتے یاد کروا کے جاتی تھیں۔ اس ساری صورت حال نے ان کو پتا کر ڈالا، جب کہ بدر جہاں کو ان کی پتاری سے پھر سے زندگی کی دوز میں شامل کر ڈالا۔ وہ پڑھا کر آئی تو اماں کا ساہب بن جانی، وہ جو در ہزارے کے کر آئی اس سے بھابھی کا بھی منہ بند کر ڈالا تھا۔ (دقیق طور پر) بلا کی گری میں آگ ہر سارے سورج تھے جب اسے روز گھر اس کرنے کے لیے انتظار کرنا پڑتا تو اسے وہ عمان دینی یاد آ جاتے، جہاں چاروںوں، بچوں اور عورتوں کو دیکھ کر معرفت ترین شاہزادہ بھی ٹریک کر جاتی۔ ”اترا نا“ کہ پہلے یہ کس کی تھیں۔ بھابھی ان کو دیکھ کر کھانے سے پٹنے کی دھمکارتیں دیتی تھیں بچے بچھائی تو اسے انہیں دئی کی وہ مٹا دیتی جو وہ پاس سے گزرتے ہوئے ہر اچھی کے ساتھ کیا کرتے۔ وہاں کوئی ایک برا کھلایا تو تھیں، چار دیکھے بھی ملتے۔

☆☆☆

اماں کا گزرا اس کے لیے جو صدمہ تھا سو تھا، لیکن مہر جہاں اور طیبہ کے لیے تو گویا زندگی تنگ پڑنے لگی تھی۔ ایسے میں اماں کے بعد اماں کی زبان آپا اور مہر کے منہ میں آ گئی۔

”ہو گیا بہتر ہوگا؟“ وہ بظاہر پراہو کر کہہ دیتی۔

مجھ دفع ہو باقی تو سالم کا نمبر بتا۔ میں تھی ہوں وہ مجھے جانے دیاں۔ ایک بار تو مجھ کی تھی پتا سب اچھا ہو جائے۔ ”وہ شیخ سالم کا نام اس سے نکلتا ہے کہ میں جیسے بچوں کی جان بچاؤں۔“

”آ؟ اس نے نیکی کی تو میں اس کے گلے پڑ جاؤں، خوشی میں کہ سب چھوڑنے کا کہہ دوں، ویسے کوں کسی کے لیے جمن، دولت و مہر چھوڑتا ہے بھلا۔“ وہ ایسا دینی اور بائیں کان کا موم کھاتا، جتا جتا کہ آج بائیں پہلو تک پہنچ جاتی۔ اسے لگتا ابھی

دل پھٹا کر تھ.....

”آئی آپ کو یاد ہے شادی سے پہلے آپ کہا کرتی تھیں، محبت سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں، تو اب.....“ مہر پوچھتی۔ وہ کہاں کی بات تھیں، یہ حقیقت کے دھڑے ہیں۔ بدر محبت زندگی سے ہوئی ہوئی کہاں تک پہنچے ہے۔ بدر مہر کا کتہہ جانی۔ ”میں کرتا بھگے کوئی شادی تو نہ کرے، میں جس سے مہر اور طیبہ کے لیے بچہ کرنا چاہتی ہوں، یہ سال تو خالص ہو گیا، اگلے سال کاغ میں ایڈمیشن کرناؤں گی اس کا مگر بھابھی اور سجاد نے اگلے سال تک ٹوٹ جاتے زندگی اور مہر و مہر کا رشتہ بھابھی کے بچے سے کر دیا، جس کے سات بیٹے تھے اور حال میں آ جوتن سالم نے اسے دیا ہوا تھا، وہ بھی وہ طوطی حداد کے کر سے مچھوڑی آ گئی۔ تاکہ وہ اس کی خود دئی کا پائیم ڈاؤن کرے۔ کاش وہ ہوتا تو اسے ہی شیخ ڈاؤن، پائیم تو خاص بھیگتی ہوتی۔

”آ..... کاش.....“

جوتے بھی پائیم اور گولف کے رکش، ایک مہر کوں کہ ضرورتوں کو ترسے ہوئے۔ اس گلف میں بہت سارے لوگوں کے فون، دو جتنی دھات کے دیکھے تھے، گولف کے جوتے انٹرن چاروں کے بیروں میں اور پائیم کے فون مہروں کے ہاتھوں میں تھیں۔

”میں بھی فساد کی جڑ ہے اور چسپا قوام مساکر کا کل۔“ وہ مہر اور طیبہ کو کھٹکس روئے دیکھ کر سوئے لگی۔ اس نے ہر کسی سے سوکا ملازمت نکال کے مالی کے ہاتھ پر رکھا، کانگ کا ڈاؤن کر دے۔ اس نے تیرہ سو کھانچ پر تیرہ ہی ہندے ڈال دیے،





منعم ملک

## کھواکے دل

فروری کی ہلکی ہلکی دھند نے پورے چاند کی چاندنی کو دھم کر دیا تھا۔ طعنی دھند دھواں بن کر درختوں کے گرد گھومتی تھی۔ فلک کی ناگ میں تاروں کی افشاں غم کی تھی اور اوپر سے نیچے تک چاندنی میں دھندلے سفید خٹوے پردے سے کرے تھے۔ کبر

اگر جو جسم ہو تو اس نے غمانی کرنی کس سے بڑے نوٹ نکالنے چاہے تو وہ میدھا ہوتے بولا۔  
”زوجہ یہ برس تمہارا بھی ہے تمہارا نان و نفقہ جو میری ذمہ داری ہے میرے ہوتے نہیں اس کی ضرورت تو نہیں ہوئی۔“ وہ اس کا اشارہ بچھ کی اور ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔  
”سہا! تمہیں مجھے دے دو۔“  
”کس کی دے ڈالیں۔“ وہ بلا جھجک بولی۔  
”مائی آنر۔“ جیسا اس نے بیٹے پر ہاتھ رکھ ڈالا۔

”سجاد بھائی میرا کوا ہو مل سمیت اچھے سے کالج میں داخلہ کر دینا، سارا خرچ چاہیں بھیجا کروں گی، آپ نے بس ان کا سر پرست بن کر ان کو پڑھانا ہے اور ہاں ان دونوں کی شادی کی فکر بالکل چھوڑ دیں، ان کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے دیں پھر ہم سب مل کر شادیاں بھی کر دیا کریں گے۔ ابھی آپ بس اپنی بیوی، بچوں پر بھی توجہ دیں، کسی کو بھی آپ سے کوئی شکایت نہ ہوئی۔“ وہ بھائی کو برس پکڑا رہی تھی۔  
”غمانی کرنی ہے، تبدیل کر دالینا۔“ وہ ہاتھیں کیے جارہی تھی، دروے جارہی تھی۔ سجاد بھائی کو بھی جانے کیا ہوا، وہ پھولا ہوا برس لینے سے مسلسل انکاری تھا۔  
”شش سالم سب سے بے نیاز کن میں بڑی فٹ بال کو دے سے چھوڑ دیکھ رہا تھا۔ اس نے پاکستان کے فٹ بال سے ہی پھیلنے کی ابتدا کی تھی۔

پردے ہر کے ہاتھ میں برس دبا اور روٹے ہوئے باہر نکل آئی۔ اسے یقین تھا، اب روٹے ہوئے جارہی ہے، تو چہتے ہوئے آیا کرے لی، جب ہنسی ہوئی تھی تو روٹے لوٹا دیا تھا۔ ایک آف کے بعد سالم نے سیٹ اسٹریچ کر لی، اپنی بھی اور اس کی بھی۔

”ہم سوچو یہ کیوں جارہے ہیں۔“ وہ بولی۔  
”غمان میں لی الحال ہماری بیکہیں ہے، اس لیے۔“

پردے آنسو دل پر گرے۔ ”میں تو جائے گی





خوب صورت نظر آتے تھے۔“

حیدر اکبر کہ جب ہوئی تو اسے بہتر گوش لایا۔ ”تم اسے بارے میں بھی کچھ بتاؤ؟ وہ اس کا اشتیاق کس کے کر کے رہی تھی۔“

”میں کیا بتاؤں۔“ وہ پیکا سا سکرکی جھومر کو بولا۔  
”بھتر مر دو بھی بگھتر شدہ ہیں۔۔۔ ان قریب شادی ہے اس کی۔“  
”گڈنڈ۔۔۔ بہار ہو گیا کہ جسے ہر وہ۔“  
”جواب۔۔۔ شہر میں ہوتا ہے۔۔۔ پیرو دے پیرو۔“  
”جھومر کے جواب پر دوڑوں بے ساختہ سکر گئیں۔“  
”واؤ۔۔۔ چڑو ان کے لیے بھی خاص ہوتا ہوگا یہ دن جو انہوں سے دور ہوں ان کے لیے چھوٹے چھوٹے صوبے بہت بھی رکھتے ہیں۔۔۔ مجھے لگ رہا ہے صوفی کو صوبے سے ان سے بھرپور اس انداز میں بات کی۔ صوفی سکر کی کٹس بھی دل میں شکوے سر اٹھانے لگے تھے دکھا تیں سر اٹھانے لگی تھیں۔ نصفا کی دھند اس کی آنکھوں میں اترنے لگی۔“

”صرف صوفی؟ پر ہر ان کی بڑی محبت کرتا ہے اس سے وہ شتا نہیں مگر صاف نظر آتا ہے۔ ماں باپ کی کی نے گہرا یاد یا ہے اسے کچھ۔۔۔“  
”میں ابھی آئی۔۔۔ وہ بدلت کہ پائی۔۔۔ پھر کھڑی ہو پائی ادا دیر ہوئی اور دل سے لپٹ گئی۔ پوچھ میں نے اس کے پاؤں منوں بھاری

بہنوں کیلئے خصوصی صورت و دل

## پیرگیاں مہ چمپارے

ناٹھو سنگھ

لیٹ۔ 4000 روپے

مکتبہ عمران ڈاکسٹ

فون نمبر: 32735021

37، ویدار گلی

کر دیے تھے۔ وہ دور رہا تھا میری ایسے سونے اس کے کوئی قسم نہیں رکھتے تھے۔ ”ماں باپ کی کی کی تو صوفی میں کیا ان کی نظر آتی تھی۔ لیکن وہ محسوس کرتی تھی بہت کڑی تھی۔ برہان کی محبت پر دردی کی دھند بھی کسی اگر دھند گھوٹی تھی تو اچھے نہیں آتی تھی۔ یہ وہ بھی فروری کی دھند۔۔۔ اس کی محبت کو دھوکا بھی دھند کی طرح اتر کر غائب بھی ہو جاتی تھی۔ وہ کتنے فروری چٹا چٹا بھی کسی فروری اس کے لیے“ انتظار ہے نا۔“  
”گڈنڈ۔۔۔ انتظار ہے نا۔“  
”راستوں پر چل کر گھر کو جاری تھی لیکن تاحہ دھند ہیرن زہن چٹا چٹا تھی حیدر اور جھومر کی باتیں دیاں کے پردے پر دھند۔۔۔ جی میں اور حیدر یاد دل تھا۔ آج کو فروری تھی اس نے آنا ضرور تھا۔ لیکن صوفی کے لیے امید جگانے سے بھی رہ جانا تھا۔۔۔ وہ ان کو دیکھ کر انا تہ جب محبت سے دل میں محسوس کیے گئے چھوٹوں کے تھے وہ جو بہت سے جدا ہو چکے ہوتے۔ پچھڑیوں کی خوشبو باقی ہو جاتی ہوئی۔“

☆☆☆

”اس دن آگن میں پردہ پاتا گلاب کا واحد پھول کو صوفی کا مذاق اڑانے کے لیے لگے تھا۔۔۔ اسنے حیدر میں وہ لگ جلا صوفی اسے ابھجوان چکی تھی وہ حیران رہ گئی۔ حیرت سے وہ پھول دیکھ رہی تھی وہ پچھڑہ مزہو سا تھا۔۔۔ لگ سفید تھا اور دھرتی روشن۔۔۔ گلابی خوشبو آوارہ آؤر بھی وہ دن ”دلیخان ڈنڈ“ تھا۔“

ابا کے صوبال پر تھیں جی صوفی کی دھرتوں نے چوٹ کھائی تھی۔ وہ حسب عادت والہانہ پن سے برہان کا حال دریافت کرتے کرنا نما سکر رہے تھے۔ ”خوش رہو پتر۔۔۔ تیری خبر پڑتی ہے تو طبیعت میں سکون کا بات ہے۔ تو ہماری فکر میں مت پالا کر۔۔۔ وہ محبت و فکر کے لیے طے نارات سے بول رہے تھے ایسی محبت اب اماں جتا تیں۔ صوفی لاج کھاتے ہوئے بات کرنے سے خرابی تھی۔ برہان ماں سے شرم کے بات کرتے کہ انہیں کہتا تھا۔

وہ کچھ دیر وہیں بیٹھی ان کی آسودگی دیکھتی رہی دھونجی رہی کہ برہان کسی باتیں کرتے انہیں ہمارا ہوگا۔ لہذا ہلانے کے خیال سے دھونجی دسٹ کرنے لگی ابا کی آواز وہ خراب تصویر دکھاتے گی دی کے شور میں نہ تھی۔“  
”بھلا۔۔۔ ڈنڈ لکھوں میں کیے کی کوشش کر رہا تھا کہ اب وہ یہاں پر کھڑا ہو گیا ہے۔۔۔ جتنے سالوں کی محبت میں اس کی جھجک کٹس کر پائی۔“ صوفی کے ابا جہاں سے برہان کی محبت ہو میری بھی صوفی کے والدین ہیں وہ بھی ہم سے صاف لکھوں میں اپنے بچا دکھائیں گے گا۔ ایسے صوبے پر ہم نے خیال رکھنا ہے کر اسے اپنے ماں بچی کی ضرورت محسوس نہ ہو۔“ اماں کا لہجہ شریں تھا۔ ابا کا محبت پاش صوفی کے سامنے سے مارا ہے شور پیچھے چھپ گئے۔“  
”آہستہ دالی (صوفیوں دالی) ہم اس کے بیان ہیں اب دلی اس فرض کی ادا کنگ کا لایا آگیا ہے۔“ مارا ہے شور اب گنگ ہوئے تھے گلابی خوشبو ڈنڈ نے اس کے رخساروں کو گھال رہے رنگ دلی دسٹ ہو گیا تھا اور وہاں مارنگ ٹیبل رہا تھا اسکرین صاف تھی۔ اور بیشک کی طرح اس دن اس واحد ٹیبل پر چلنے والے مارنگ شو کا موضوع ”دلیخان ڈنڈ“ ہی تھا جو جھومر اور وہ شوق سے دیکھتی تھیں۔ مہانوں میں کچھ شادی شدہ جوڑے تھے۔ کچھ بغیر شادی شدہ۔ ان کی بوہٹ پچھلے چہرے اشتیاق بھری آنکھوں اور بڑھتی نظر آ رہے تھے

”آپ محبت کا یہ دن کیسے مناتے ہیں“ ابا گھاکر تے پوچھ رہی تھی اُن کے جواب ناظرین و حاضرین کو خوش کرتے تھے۔ صوفی دن دن کا مارنگ شو بھی کس کر تھی اس کی دن اسی پر دوگرام میں دیے گئے ایک خواب نے اُسے سو کر کھڑا۔ وہ ایک شادی شدہ خالوں نے جواب دیا تھا اس گورت کے جواب نے صوفی کا دل خوش سے بھر دیا تھا۔“  
”شادی سے پہلے تو۔۔۔“ (ان کا شہر) سب کچھ بے کار کھتے تھے جیسے نہیں یاد کر انہوں نے بھی

اس دن گشت دینا تو دور دھند بھی کیا تھا۔“  
”ا ز مانی گاؤں دلی آپ برا نہیں مانتی تھیں؟“  
”ہوشت کے بعد حیدر پائی سے انھیں پچھلا کر بیٹھے پر خالوں بیٹے ہوئے گا۔ پچھلاؤں جب پر خالوں رہا لگ گئے تھے اور پشیمانی جتا بھی کر تھی لیکن پھر نیچے اندازہ ہو گیا کہ ہر شخص کا اپنا ایک الگ حراج ہوتا ہے وہ اس کو پتر ضروری نہیں تھے۔ ماں شادی کے بعد انہوں نے یہ شکایت بھی اور کر دی کہ اپنے کسے یہ دن مانے کا اس حراج پر آتے ہے بعد آتے ہے وافر بھی خوش۔ اور اسکی بھنے لگتا ہے کہ وہ کچھ نیچے ہیں۔ خالوں کی سکرپٹ لیوں سے جدا نہیں ہوئی تھی۔ ہوشت ماز نظر آنے والے انداز میں تانیہ چاہنے کو زرد شور سے بولنے لگی۔“

”بھئی۔۔۔ بھئی آپ مانتی ہیں کہ جن لڑکیوں کے فانیس کی جانے والے اس معاملے میں ڈیڑی مارتے ہیں وہ شادی کے بعد ان کی یہ خوشی دیں گے۔“ ہوئی سکتا ہے۔“

”دی وئی پر بریک چلے گا اور صوفی کا دل۔۔۔ وہ اتنا پکارا سکر گیا کہ کس، ماری حسرت واداسی ہوا کے زبرد ہوئی وہ جاتی کس پہان اسے چاہتا تھا اور بعد چاہتا تھا اس دن واحد گلاب کا پھول اس کے لیے کھلا تھا اس لیے کسی کے توڑنے سے پہلے خود ہی ٹوٹ کر بکھر گیا۔ وہ اپنی شادی کی بات چلنے سے لے کر شادی ہوئے تک کے دن خوش نما امیدوں اور سندر بہنوں کے رنگ بھٹی رہی۔“

☆☆☆

گرمیوں کی دھرتی کو کھو کر تھی دکتی دھوپ میں ”وہ صوفی برہان“ ہوئی۔ رخصت ہو کر وہ اسی گھر میں رہی۔ برہان کے والدین، صوفی کے ابا اور تارا کی بیٹی میں برہان کو زندگی کی شاہراؤں پر تھا پھوڑ کر ابدی نیند سو گئے تھے۔ وہ ابا کا ہونے والا راز یاد تھا پھر جڑا میں گیا۔ دم کو اور بخیرہ ہو گیا تھا لیکن آنکھوں میں نری کا تاثر اسے اپنا بیٹے محسوس کرتا تھا صوفی پہلے برہان کا کر کا صاف کرتی تھی ابا کرا سہائی کی

وہ شہر میں رہتا تھا اور اس سے اُس کی شخصیت میں ایک خاص گھناؤنی خاصیت بھی نکلی تھی۔ اس پر رکب کیا اس نے بھی خود کو غلامی کا قائل بنایا۔ یہاں اس قدر پیارا شخص۔۔۔ بے حد چاہنے والا شہر۔۔۔ وہ تو خود پر تازہ کرنے کے قائل ہی کہ یہاں کے سنگ اس نے گرم موسم پر سات کے چھوڑ تے تھے۔ اور وہ بہت مصروف رہتا تھا اور صوفیہ لکھیں پر دن کی کسی۔

ابا کا فون زیادہ تر اس کے پاس رہتا تھا۔ یہاں کی کال وہ بھی کسی نہیں کرتا جانتی تھی۔ جمہور صوفیہ کو مستقبل کے نظارے کے گردانی کی شادی کے بعد سے وہ بہت کم دن کا گڑن رک پاتا تھا۔ صوفیہ کی کئی دن اور اس وقت بھی اور یہ اس کی شادی کے بعد چار سال کا تھا وہ انتظار کرتی رہی کہ یہاں اُسے کال کرے گا لیکن وہ شاید جلدی میں تھا اب اسے بات کر کے فون بند کر دیا۔

جنوری کو زکریا وہ واقعی مصروف ہو گیا تھا کہ نہیں آ سکا۔ صوفیہ کا بہت دل تھا کہ وہ فروری میں ضرور آئے اور صوفیہ کو اس دن کا تحفہ دے جس کی وہ کب سے منتظر ہے۔ اس کی چاہ کی شدت نے یہاں کو شاید بے چین کر دیا تھا کہ تیرہ فروری کی شام فون پر اس نے صوفیہ سے کہا۔

”میں کل آؤں گا صوفیہ! میرا انتظار کرنا میرے پاس تمہارے لیے ایک سر پرانے۔۔۔ یہاں نے بہت سے تیار ہوا اور صوفیہ کو لکھا کہ وہ اس کی کیمیت الفاظ بیان کرنے سے قاصر ہوں گے۔

اس رات فروری کی پہلی بجی دھندلے پورے چاند کی چاندنی کو دہم کر دیا تھا وہ اس دہم چاندنی کے بارے میں شفاف پسوں کو لکھتی رہی۔ چودہ فروری پہلے سورج کی انگی تھا مگر صوفیہ نے سر پر لباس زیب تن کیا۔ آدھا دانہ دو گھنٹا کی رہی یہ احساس ہی فرحت بخش تھا کہ جو کچھ وہ پرستی اور سستی آئی تھی آج وہی سب اس کے ساتھ ہوگا وہ خوش ہوئی اور بے حد بے حد خوشی سے اُسے چوہکا دانہ بوڑھا ہوا تھا۔

”یادو یہاں۔۔۔ مجریت تو ہے آپ دیر لگا رہے ہیں کب آئیں گے۔“ وہ دو چند پریشانی کے ساتھ پوچھ رہی تھی کہ اس نے صوفیہ کو کام کے مسئلے میں شہر سے باہر جانا چاہا۔

”میں آج نہیں آ رہا۔“ خوشی شکت ہوئی اور دل چٹنا چور۔ اپنی ساری تیاری اُسے سحر سے بکن سے ہستی نظر آئی تھی۔ ویلانا سن سے جیسے تالی بجا کر قہقہہ لگا دیا یہ چھوٹی بات کہیں کی اس کے لیے اوندھے منہ کی وہ بے آواز چھوٹ چھوٹ کر رو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

چندہ فروری سر دن تھا یہاں کی آمد پر اُس کے سات چہرے پر کوئی سرست نہیں دوڑی وہ خود صوفیہ کو گھر بھائی دیکھ کر حیران رہ گیا تھا سترم آگھیں سرخ ناک سے دوڑی چہرہ اور بے ترتیب بال وہ فوراً اس کے پیچھے چلا آیا۔

”صوفیہ کیا حال بنا رکھا ہے اپنا طبیعت خراب ہے کیا؟“

”نہیں میں ٹھیک ہوں۔“ وہ ہنسی دیتی وہ بھی سنجیدہ تھا۔

”جنگ تازہ تم ٹھیک نہیں لگ رہی ہو۔“ وہ اس کا کبڑا اٹھانے لگا تھا۔

”میں سچ بولی رہی ہوں آپ کی طرح چھوٹ نہیں ہوئی۔ اور اپنی فکر کر کے جتانے کی کوشش مت کرو کہ میری بہت پروا ہے تمہیں۔“ اُس کے ضبط کھوئے نہ ہو پکا پکا کر دیا۔

”مجھے واقعی پروا ہے تمہاری۔“ اسے صدمہ پہنچا

”تم ایسے کوئی بات کر رہی ہو، مجھ سے ناراض ہو؟“ صدمہ کے جگہ پریشانی نے لی اس کی جان پر بن آئی تھی بے قصور ہو کر۔

”مجھے ناراض ہونے کا کوئی حق نہیں۔“ وہ ردنا ضبط کرنے لگی۔

”لابیو ناراض ہونے کا۔۔۔ یہاں نے بھیج کر نے کی حثیت کی صوفیہ کو آگ لگ گئی تھی۔

”لابیو۔۔۔ میں شاید رہی ہوں یہ سب؟“ یہاں نے ہلکا کر کے طوفان کو روکنا چاہا لیکن اس کے ایک دم

رو نے دم پر خود کیا اسے ایک کچھ نہ کھا اس کا احساس ہوا تھا۔

سب مرد ہوتے ہی ایک جیسے ہیں پہلے دل توڑتے ہیں پھر مصروف ہوتے ہیں بے ڈھنگی تو میری ہے کہ میں نے تم سے ٹوٹ دیا۔ اسے اس سارا دن انتظار کیا اور۔۔۔ چکیوں نے۔۔۔ اسے بولنے سے روک دیا یہاں انظراری کیمیت میں اس کے پاس بیٹھا تھا۔

”صوفیہ اکیم سو رہی۔“ مجھے باقی مجبوری میں جانا پڑ گیا وہاں سے آتے ہی میں سیدھا چلا رہا آیا۔

”تم کل کے لیے ناراض ہو ناں، یار ایک دن سے کیا فری پڑتا ہے۔“

”ایک دن سے۔۔۔! کل ویلانا ڈے تھا۔ کھوکھ کھان لگا ہوں سے یاد دلاتے ہوئے اس نے اسے لا جواب کر دیا تھا کچھ پل وہ بول نہیں سکا ساری بات جو مجھ میں آئی تھی۔

”تم اس لیے رو رہی ہو۔“ اُسے افسوس ہوا۔

وہ صاف یہ کہہ کر کہ اسے اس دن کو تانے میں کوئی دھچکی نہیں صوفیہ کا دل نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ وہ ہنوز بچکیاں لکھ رہی۔ یہ پڑی بات تو نہیں صوفیہ۔۔۔“

اب کے وہ جب نہیں رہی۔

”خوشیاں چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہی ملتی ہیں یہاں میرے لیے یہ بات بہت سخی رہتی ہے کہ تم محبت کا دن میرے ساتھ مٹاؤ اور ہزاروں لوگوں کی طرح مجھے گفٹ یا پھولوں کے ساتھ محبت کا اظہار دے لیکن تم مجھ سے محبت کرتے تو اب کرتے ناں۔“ اس دن کی اہمیت محبت کرنے والے ہی سمجھتے ہیں۔۔۔ وہ آسو صاف کرنی بہت مصروف لگ رہی تھی۔ یہاں اس کے کھوکھ اور پڑنے سے سانس نہ آ رہا۔

”اچھا محبت کے لیے کوئی ایک دن مقرر ہو سکتا ہے؟“ وہ سوالیہ انداز میں دیکھنے کا صوفیہ متاثر ہوئے بغیر خاموش بیٹھی رہی۔ ”جواب دھو صوفیہ۔“ اس کا تم جانتی ہو کہ جتنا اس بات کو تم خود پر اس حد تک غلامی کر رہی ہو اس دن کی اہمیت دوڑی کی بھی نہیں۔“

”مجھے باتوں سے مت بھلاؤ۔“ وہ شدید

بہاؤ تھا۔

”ابا کا فون زیادہ تر اس کے پاس رہتا تھا۔ یہاں کی کال وہ بھی کسی نہیں کرتا جانتی تھی۔ جمہور صوفیہ کو مستقبل کے نظارے کے گردانی کی شادی کے بعد سے وہ بہت کم دن کا گڑن رک پاتا تھا۔ صوفیہ کی کئی دن اور اس وقت بھی اور یہ اس کی شادی کے بعد چار سال کا تھا وہ انتظار کرتی رہی کہ یہاں اُسے کال کرے گا لیکن وہ شاید جلدی میں تھا اب اسے بات کر کے فون بند کر دیا۔

## چھوٹی چھوٹی کہانیاں



بچوں کے مشہور مصنف

محمود خواور

کی لکھی ہوئی بہترین کہانیاں پر مشتمل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ اپنے بچوں کو بخند دینا چاہیں گے۔

ہر کتاب کے ساتھ 1 ماسک مفت

قیمت 300/- روپے  
ڈاک خرچ 50/- روپے

بذریعہ لاک منکوانے کے لئے  
مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار کراچی۔ فون: 32216361

## خواتین ڈائجسٹ میں شائع ہونے والے مقبول ناول

کتاب نام	مصنف	ایڈٹ	کتاب نام	مصنف	ایڈٹ
میرا دل تیرا ہے	نور جہاں	5900/-	بیرسٹا کا شوق	نور جہاں	1800/-
تیرے لیے	نور جہاں	2500/-	خوشیاں	نور جہاں	3000/-
میر	نور جہاں	4000/-	گھنٹہ بھر	نور جہاں	2000/-
میرے دل کے	نور جہاں	2500/-	خوشیاں	نور جہاں	1200/-
میرا دل تیرا ہے	نور جہاں	5000/-	خوشیاں	نور جہاں	3000/-
میرا دل	نور جہاں	3500/-	نور جہاں	نور جہاں	4000/-
نور جہاں	نور جہاں	3000/-	نور جہاں	نور جہاں	3000/-
نور جہاں	نور جہاں	4000/-	نور جہاں	نور جہاں	2500/-
نور جہاں	نور جہاں	4000/-	نور جہاں	نور جہاں	4000/-
نور جہاں	نور جہاں	2000/-	نور جہاں	نور جہاں	4000/-
نور جہاں	نور جہاں	1800/-	نور جہاں	نور جہاں	4000/-
نور جہاں	نور جہاں	4500/-	نور جہاں	نور جہاں	1000/-
نور جہاں	نور جہاں	3000/-	نور جہاں	نور جہاں	1000/-
نور جہاں	نور جہاں	1200/-	نور جہاں	نور جہاں	1000/-
نور جہاں	نور جہاں	3000/-	نور جہاں	نور جہاں	2500/-
نور جہاں	نور جہاں	3000/-	نور جہاں	نور جہاں	1500/-
نور جہاں	نور جہاں	3000/-	نور جہاں	نور جہاں	3500/-
نور جہاں	نور جہاں	5000/-	نور جہاں	نور جہاں	1500/-
نور جہاں	نور جہاں	1000/-	نور جہاں	نور جہاں	1500/-
نور جہاں	نور جہاں	2500/-	نور جہاں	نور جہاں	5000/-
نور جہاں	نور جہاں	1500/-	نور جہاں	نور جہاں	1500/-
نور جہاں	نور جہاں	3000/-	نور جہاں	نور جہاں	1500/-
نور جہاں	نور جہاں	4000/-	نور جہاں	نور جہاں	7500/-
نور جہاں	نور جہاں	4000/-	نور جہاں	نور جہاں	7500/-
نور جہاں	نور جہاں	4000/-	نور جہاں	نور جہاں	4000/-
نور جہاں	نور جہاں	4000/-	نور جہاں	نور جہاں	4000/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32735021

خاتمی، "میں تمہیں حقیقت سے آگاہ کر رہا ہوں یہ ہمارا چرچہ نہیں ہے صوفی! تمہیں اندازہ بھی نہیں کہ اس دن کے پیچھے کی برائیاں جن جتن ہیں میں منی اثرات کی طرف نہیں جاتا تاہم یہ نہ سمجھوں میں اپنی کوتاہی بھاری ہوں۔ مجھ سے کوئی بھول نہیں ہوئی محبت کا کوئی ایک دن ہو ہی نہیں سکا کہ میں بیٹھ کر بیٹھ جاتے سے اور باہر جا کر یا لازمی اس دن پھول دے کر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ کوئی آپ سے کتنا پیار کرتا ہے؟"

"ہاں! اس دن اسی لیے پھول کے تادے ہوتے ہیں کہ کوئی آپ کی منی قدر کرتا ہے اور اس سے آپ کو کتنی محبت ہے؟" وہ ابھی بھی مصرعوں پر ہانک رہا تھا۔

"اچھا! اور پھول دیتے کیوں ہیں؟" "تاہم ان کی محبت اس پھول کی طرح خوشبودار اور دوزخا زور ہے۔" اسے سب بتا تھا۔ "تاہم ان کی محبت اس پھول کی طرح ہر جہاں سے سوکھ جائے، مطلب یہ بھی تو لیا جاسکتا ہے، کیوں کہ پھول تو چند دن میں ہی بے کار ہو جاتا ہے تو کیا محبت کو چند دن زندہ رکھنے کے لیے پھول دیتے ہیں؟" وہ اس بات سے اسے لاجواب کر گیا، مگر اس میں ہر کردہ خرید گیا ہوا۔

"مجھے اختلاف ضرور ہے ان سے، لیکن وہ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ میں صرف تمہیں سمجھانے کے لیے یہ گفتگو کر رہا ہوں کہ صوفی کی بات کو لے کر اپنے آپ کو آسہلوں خالق مت کرو، کیوں کہ تمہارے شوہر کو یہ تکلیف دیتے ہیں۔ ویلنگٹن بھی خرافات اس پر ہوا اپنی پھل چلی ہے کہ یہ تاریخ بنے کے کاز پر ہوئی ہو یا اس دن میل کو باہر لگاتے ہو کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس کے منی اثرات سے بھی کوئی ایمان نہیں ہے۔ یہ صوفیوں کے ہم بھی کی برائی میں لوٹ ہیں یا ایسی ہی کوئی غلط سوچ کا تمہیں برداشت ہوگا۔ مجھے تو ہرگز نہیں ہوگا۔ تم مجھے کہہ کر تو دیکھو میں ہر روز پھول دے سکتا ہوں۔" صوفی

# میرزا کا شہسوار

ایمان جان کی طبیعت شدید خراب ہوتی ہے وہ اپنے بیٹے از میر سے ملنے کی خواہش رکھتی ہیں۔ جب کہ میرزا کاکی اس سے ناراضی چل رہی ہے کیوں کہ از میر نے ان کی سالی کو طلاق دے کر آسٹریلیا کرسمین لڑی مریم سے شادی کی تھی لیکن اب اس کے اصرار پر تحصیل دکان از میر کو پاکستان ہلانے کے لیے تامل کر رہا ہے۔  
رضانیت کی بیٹی ہانہ کی چٹکی ہے انہیں پتا چلتا ہے از میر پاکستان آ رہا ہے وہ حرکت کی دعوت دے رہے ہیں۔  
از میر مریم دونوں پاکستان آتے ہیں۔ کچھ ناراضی کے اظہار کے بعد میرزا کا لے انہیں معاف کر دیا رشتہ کو نہ لانے پر ٹھکی کا اظہار بھی کیا۔

کیا رہی شہسوار

مکمل فن



از میر اور مریم آسٹریلیا کے شہر کوڈریہ میں رہتے ہیں۔ ان کی اگلی بیٹی روائیہ شادی کے بارہ سال بعد پیدا ہوئی۔ غیر معمولی خوب صورت اور معصوم روائیہ کی سالگرہ جندب نے وہاں کے مشہور بیچل کرن فورسٹ میں ارچائی۔ جندب از میر کے پرانے دوست رضا حیات کا بیٹا ہے۔ جو آسٹریلیا میں پڑھ رہا ہے۔ جندب اور روائیہ کی پر طعوس دوستی ہے۔ جندب اسے پسند بھی کرتا ہے مگر اظہار نہیں کرتا۔  
میرزا کا فیصل ہانہ کے لواحقین گاؤں میں مائے ہوئے زمیندار اور ایم سی اے شخصیت ہیں۔ بیوی وفات پا چکی ہے۔ ان کے دو بیٹے خاسم دکان تحصیل دکان ہیں۔ خاسم کی دو بیٹی ایشیا اور اڈلان ہیں۔ ان کی بیوی آئندہ رواجی زمیندار کی اور جو بیٹی پر حکمران ہیں۔ میرزا کاکی والد جمال جان نواح کی مرضی ہیں۔  
جندب جو بیٹی میں جدی بیٹی خدمت گزار ہے۔ لیکن تحصیل کی پرکشش شخصیت کے تحریں بری طرح جکڑی ہے اسی لیے اپنے پرانے دوست کو ٹھکراتی رہتی ہے۔  
شہسوار کمال ایک آکر نایاب شخص ہے۔ دولت مند ہونے کے ساتھ وہ عین مزاج بھی ہے۔ سپرینڈ سے پسند کی شادی کرنے کے باوجود اس سے اکٹرا رہتا ہے۔ وجہ چار بیٹیوں کی اور تیسری لڑکی ہے اور وہ بیٹے کا تمنائی ہے۔



”وہ بیانی کیفیت میں بہت زور سے چلائی تھی۔  
”چلے جاؤ یہاں سے؟“ جناب ان سے کہو یہ چلے  
جائیں۔“

روایتیہ لوگ ہاتھ اس کی کٹی ہوئی رگوں میں  
بہتا خون پیپ میں تپیل ہو رہا ہے، جس کی وجہ سے  
بے حد میں آٹھ رہی ہیں۔ سرینہ زین سے آٹھ کے  
اس کے سامنے کھڑی ہوئی، اس نے روایتیہ کے  
کنڈھے سے ہڈی گرا کر اسے کچھ ہٹانا چاہا تھا، لیکن  
روایتیہ نے ایک ہی جھٹکے اس کے ہاتھ جھٹک  
دے اور آخرت سے اسے گھر لے گیا تھا۔

”خدا کے لیے میرا چچا چھوڑ دو۔“ اس نے  
زور سے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ لیے تھے۔ ”معاف  
کر دو گئے۔ چلے جاؤ یہاں سے۔“ کسی کے کس سے  
مس نہ ہونے پر اس کی گھبراہٹ بڑھنے لگی، اسے لگا  
اس کے سر پر بڑی بڑی خون آشام چکاڑوس آ رہی  
ہیں، جیسا کہ اس کی بچی کا خون چسپاں کی بات  
اگر اس کے اپنے خون کی ہوئی، شاید وہ اس قدر  
زحمت نہ کرنی، لیکن اب بات رانی کی تھی، وہ رانی  
جس میں اس کی جان کی جس کے لیے وہ کئی حد تک  
بھی جا سکتی تھی، کچھ بھی کر سکتی تھی۔ اس نے دونوں  
ہاتھوں سے سرینہ کو دھکا دیا تھا۔ اس کے دھکے سے  
وہ گر کر پڑ گئی۔ چلے جاؤ یہاں سے بیانی کیفیت دیکھ کر  
جھٹکے نے قدم اٹھایا تھا تا کہ اسے قابو کر سکے۔ اسے  
چوملے سے، لیکن وہ دھماکا زکشت اٹھا کر تھیر کر رہی  
تھی۔

”خود را جو میرے قریب آئے۔ میں وہی  
بد کردار عورت ہوں، جس نے تمہاری جگہ کی اور کو  
دی، مجھے اسے کردار پر لگے دھبوں سے پیار ہے،  
کچھ نہیں سنتا کی۔“ چلے جاؤ یہاں سے  
جاؤ۔“ اسے خود اپنی دھماکا زکشت کی اور بے بسی  
سے قدم اٹھی جانب بڑھ رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ  
پیچھے جا رہی تھی اور سرسبز سبزی کی رہا تھا، پھر وہ جھٹکے  
سے مڑی، تھیری سے لاؤنج کی جانب بھاگی اور  
دماغ اس سے کہیں زیادہ تیز پانچ سال پیچھے بھاگ

رہا تھا۔

کس کی بچی ہے یہ۔۔۔ اس کا ذی ان اس نے مجھ  
سے بچاؤ نہیں کر رہا۔“ زین پر پھر پورس چلا چاکر  
کھڑی ہوئیں۔

”کسی کی؟ کسی کی؟ کسی کی؟ قدم اور تیز  
ہو گئے، چھانچوں کی صورت میں کسی کی نہیں ڈال رہی؟  
مجھے تو بہت اچھی لگی؟ زمری بہت جدید ہے۔۔۔ اور  
پھر اٹھ کے تم کا انتظار کر رہی ہے۔ مہینہ، میں تو  
آرام سے گزر رہی جاؤں گے۔“ بتاتا ہے، تا وہ بد سبیل  
کو۔

میں سن کر پریشان ہی ہوگا۔ مر رہی ہے۔۔۔  
سولی سے لٹکی ہوئی وہ ساتھ چلی جائے گی۔ ”شادی  
سے پہلے تو تھا، کہاں تھا، مجھے کوئی غرض نہیں، لیکن  
اب میں۔“ چاہتا تھا، تم پوری طرح مجھ سے  
سنہری (فکس) کرو۔ جس تم سے بہت محبت کرنے لگا  
ہوں۔ زندگی میں بہت کچھ ہو جاتا ہے۔۔۔ میرا  
ہو۔ خود میں حوصلہ پیدا کرو۔ کس کی بچی ہے۔۔۔  
میں تم سے بہت محبت کرنے لگا ہوں روایتیہ۔ کس  
کی بچی۔

چند قدموں کے فاصلے میں جھلسوں کی اتنی  
بازگشت گنڈ ہو رہی تھی، اسے خود پر قابو رکھنا دشوار  
ہو گیا، کالوں پر اپنی نصیحتیں بھانے وہ اضطرابی  
کیفیت میں بھاگے جا رہی تھی۔ لاؤنج میں داخل  
ہوئے ہی اس نے دروازہ دھڑلے سے بند کیا، پتلیوں  
چڑھا کر لاک لگا دیا، پھر وہ ایک کھڑکی کو جاگھوں  
کی طرح چپک کر رہی تھی، خوف اس کے ایک ایک  
سامے بہر رہا تھا۔

”مما۔ کیا ہوا؟“ اسکرینل سیٹ کرتی رانی  
اس کی اس کیفیت پر چپک لگی تھی۔ اس کی آواز پر لہر  
پھر روایتیہ کے ہاتھ تھے، پھر اٹھ کر اسے دیوچ  
لیا تھا۔

”رانی۔ رانی تم میری بیٹی ہو۔ تمہیں میں  
نے جنم دیا تھا، مجھے بہت درد ہوا تھا رانی، تم بہت  
تکلیف سے پیدا ہوئی تھیں۔“ رانی کا مضموم سا چہرہ

اس کے دلوں ہاتھوں میں بڑھا تھا، روایتیہ اس کی  
دھت سے پھٹکی سیاہ آنکھوں کی پروا کے بغیر بیانی  
انداز میں مسلسل بولے جا رہی تھی۔ اس نے کانپتے  
ہاتھ سے باہر کی جانب اشارہ کیا تھا۔

”وہ۔۔۔ وہ جھوٹ بولی رہی ہے، یہاں کے  
لوگ جھوٹے ہیں۔ یہ سب مجھے اذیت دیتا چاہتے  
ہیں، اب یہ تمہیں مجھ سے چھیننے کے لیے جھوٹ بولی  
رہے ہیں۔ رانی کی آنکھوں میں آسوا گئے، خوف  
سے اس کے گتے لگ گئے اور زور سے کہنے لگی۔  
”مما! آپ کو کیا ہوا۔۔۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔

باہر کون ہے؟“  
”مجھے کچھ نہیں ہوا رانی۔۔۔ میری جان، میں  
ٹھیک ہوں۔“ اسے خود سے الگ کرتے ہوئے اپنے  
جسم پر ہاتھ پھیرے ہوئے لیکن دانی کرانی۔  
”دیکھو میں ٹھیک ہوں اب۔ لیکن تب مجھے بہت  
زیادہ درد ہوا تھا تم ایک ہفتے کی میں تم پھر چارہ ہو گئی  
تھیں، اسپتال چلی گئی تھیں۔ گری لگ گئی تھی۔  
رانی میرے پیچھے (ٹانگے) خراب ہو گئے تھے۔ وہ  
بولے بولے زور، زور سے رونے لگی۔ آٹھ  
دشادوں سے پھسل پھسل کر گردن اور پیٹ کا سینہ جھگو  
رہے تھے۔

”رانی مجھے تب بہت درد تھا، مجھے آج پھر وہی  
درد ہوا ہے، میرا پیٹ پھٹ جائے گا رانی۔۔۔ رانی  
میں اب بھی ایسی ہی میں آج بھی ایسی ہوں۔ مجھے  
چھوڑ کر مت جانا۔ یہ سب جھوٹ بولی رہے ہیں،  
کھواس ہے سب۔ تمہارا انڈیٹنٹ ہوا تھا نا۔۔۔  
کچھ دن پہلے۔ میں نے تمہیں خون دیا تھا، میں  
نے تمہیں نصیحتا تھا۔ میں نے تمہیں اتنا بڑا کیا ہے۔  
تم میری بیٹی ہو۔ رانی مجھے چھوڑ کر مت جانا، میں سر  
جاؤں گی۔ اس نے کانپتے ہوئے اسے اپنے ساتھ  
پھر دیوچ لیا۔

☆☆☆

لاؤنج کا لاکھڑا دروازہ زور سے دھڑھکا  
رہا تھا۔ سرینہ نے جب اسے لاؤنج کی جانب

بھاگتے دیکھا، کچھ ہی دیر بعد وہ بھی اس کے پیچھے  
دبے ہوئے بھاگی تھی اور بند دروازے سے کودوں ہاتھوں  
سے پیٹ رہی تھی۔

”خدا کے واسطے روایتیہ دروازہ کھولو۔۔۔ مجھے  
ایک بار اس کی شکل دیکھنے دو۔ صرف ایک بار، تمہیں  
اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ۔ میری پوری  
بات تو سنو۔ خدا کے لیے۔“ سرینہ کی بیٹی  
آنکھوں میں تمام مناظر کی فلم کی طرح چل رہے  
تھے۔ سولی اس کے گتے کا خاص طور پر اس سے ملنے لگی  
تھی اور جب یہ پتا چلا کہ اس بار پھر یہ دھڑکی کو بہنم  
دینے والی ہے، بے حد اداں ہو گئی تھی۔ اس سے  
زیادہ درد ہوا کہ دانی کا تھا اور چند دن بعد وہ  
آخر کے ساتھ اس سے ملنے آئی تھی اور جو کچھ اس  
نے کہا تھا پھر یہ دیکھیں گے، وہی ملے گی تھیں۔“

”ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟“  
”ہوئے تو کیا نہیں ہو سکتا۔“ آخر نے بیٹھے  
بیٹھے پہلو بدلا تھا۔ ”دیکھو۔ ایک سنگا چائس ہے،  
اگر لے آتی ہو تو لے لو۔“

”جان تو وہ تمہاری دیسے ہی لینے کے درپے  
ہے۔“ سولی کو زور دیا تھی۔ ”اگر تم اس طرح شاید  
تمہاری اور بچیوں کی عزت اس کی نظر میں بڑھ  
جائے، اور دیسے بھی میری بات سنو۔“ سولی اس  
کے کمرے سے نکلتی ہوئی کھڑکی پر بیٹھی تھی۔  
”اسی کے باپ نے تمہاری ماں کو داغ لگایا تھا  
نا۔ کچھ نہ کچھ تو کھارہ دیا ہی ہے، دیسے بھی ماں، باپ  
کی گناہیں اولاد ہی بھگتی ہے۔۔۔ اور تم کون سا  
غریب غرا ہو، جو اس کا بیٹا یہاں قافلوں سے سر  
جائے گا۔ بلکہ خود جانی زیادہ قدر سے پائیس کے  
اور تمہاری بیٹی ایسا نہیں ہے کہ تقیر فٹے سے رہی  
ہو، بلکہ وہ دوسری بچیوں سے زیادہ عزت و احترام  
سے لینے گی۔“

”لیکن سولی؟ تم کا بہت فرق ہے، ایک ڈیڑھ

”ماہ“

”اوہو.....“ سلوٹی نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔  
”سائنس نے اب اتنی ترقی کر لی ہے، بڑے انتظام ہو چکے ہیں جہاں کائنات کے آگے تمہاری سرحدیں ہیں، میں نے پہلے ہی بڑی شکل سے آپ کو رہائی کیا ہے۔ بچی حولی میں ہی ہوئی، جب دل کیا آ کر دیکھ لیا۔ باقی تمام سوچ روز بروز کا شمار اور آسان بن جائے گی۔ ہوں، بہت دل دکھاتا ہے تمہاری بے بسی پر۔“

دائیں سے۔ آپ یقین کریں ایک ہی جیسے حالات میں ہیں، کچھ بچے، ایک ہی جگہ، ہمارا بھائی تو بہت اچھا ہے، اسے اعتراض نہیں ہوگا، بس پاکستان آجائے، ہم اسے بتا دیں گے۔ بھابھی ذرا ایسے مزاج کی ہے وہ دیکھ مانے کی۔ اگر آپ ساتھ دیں، مطلب اسے چاند ملے۔ تو.....“ آخر کا کٹتی انداز ڈاکٹر کو سنے پر مجبور کر رہا تھا، اس نے ایک اور نقطہ اٹھایا۔

”اسے کیسے پر نہیں چلے گا..... دلوں کی ڈش میں خرق ہے، روایتی نہیں ہے کی اس کا بچہ پر ہی پیچڑ کیوں۔“  
”اسے یہ بتانا ضروری ہے؟ یا یہی تو کہہ سکتے ہیں بچی کو پریشان ہے، آئین کی کمی ہے، نمونہ ہے، اس کے آخری تجربے میں رکھا ہے۔“ آخر کی پوری کوشش تھی اذکار کے مقابل کوئی وارث کھڑا نہ ہو۔ اپنی کوشش میں بہت حد تک کامیاب ہوئیں۔ جب ڈاکٹر کوئی فیصلہ نہیں اٹھا رہا تھا۔  
”یہ بہت بری شے کام ہے، بلکہ جرم..... کسی بھی بدمزگی یا نقصان کی صورت میں اسپتال یا انتظامیہ ذمہ دار نہیں ہوگی، ہمیں بھی.....“

”ہاں..... ہاں..... بالکل۔“ وہ دونوں یک آواز ہوئیں۔  
”اور دوسری ڈیوڑی کہاں ہوگی۔“  
”آپ کے پاس..... لیکن وہ کہہ رہی ہے، میں جلد اسپتال بدل لوں گی۔“  
”پچیس ٹھیک ہے۔ دیے بہت امتحان میں ڈال رہے ہیں آپ لوگ مجھے۔ بہت دوستانہ ماحول میں انہوں نے جانے لے، ڈاکٹر لڑکے ڈاکٹر سے بھی زیادہ دقت نہیں ہوا تھا، اس لیے مجھے گھر ہی ہوئی تھی مگر ان دونوں نے خاصی تلی کر رکھی، اب ہی آئے تھے اسے خوش کرنے کے لیے ایک بات پوچھتی تھی۔  
”کیا تم اس زمین کا۔ جوتہارے اسپتال کے پیچھے ہے۔ ساتھ قائم ہے، وہی.....“

”ہاں آئی آ لیتا تو ہم چاہ رہے تھے، اچانک ٹھوڑا سیخ کرنا ہے، مگر اس پر اپنی کا بڑا گھلا ہے۔ کاغذ اور دیگر کا۔“

”نہ..... تم نے ہمیں بتانا تھا۔ میں بابا جان سے کہتی پڑی تھی، لیکن کرام کاغذ کھج کر دے دیتے ہیں، میں بات کروں گی ان سے..... ریٹ بھی مناسب کر دوں گی..... ایسے کام ہوں زمین وغیرہ کے بتا دیں کہ کوئی مسئلہ نہیں۔“ وہ مسکرائی۔  
اس کا کام جانے ہو تھا یا نہیں، البتہ انہوں نے اپنا کام نکھو لیا تھا۔ ڈاکٹر نے اپنا ضرور لیا تھا، مگر کم سے کم رکھا تھا۔ ڈیوڑی کے وقت مرجن وہ دوسرے اچھلے سے بولتی تھی۔ جو انتہائی قبل وقت میں اپنا کام کر کے چاچا تھا۔ روایتی کے نوراجند بریرینہ کا آ رہیں اور تھا۔ سوائے ڈاکٹر اور خالہ گھڑائی کے کسی کو کالوں کا پناہ نہیں چلا تھا۔ کون سا بیکس کا ہے اور نرسوں کو آخر نے خاموش رہنے کی اچھی خاصی نیت ہے، دیکھی اور وہ اگلے دن ہی چھ دن کی بچھی پر چلی گئی تھیں۔ جب کئی نرسوں نے جو بچے کی فاضل پر دیکھا، ویسے ہی سب سے بات کی تھی، رانی کی فاضل پر پری پیچڑ ڈاکٹر آف تھیں (مکمل کی بنی) لکھا ہوا تھا۔

بریرینہ بعد میں کچھ دن اسپتال رکنا چاہ رہی تھی، تاکہ رانی کی کوشش کا پتہ چلے، لیکن شیخز کمال نے کہا کہ سنتے ہی بھانسا آیا تھا اور انتہائی چھوٹا سا اسپتال دیکھ کے مایوس ہوا۔ وہ کچھ دن کے بیٹے کی پیدائش کے شانیں شان نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے ڈاکٹر سے لڑ بھڑ کر میں کھڑے کھڑے اور بریرینہ کو کھر لے گیا تھا۔ وہاں اس اور ڈاکٹر اس نے خصوصی سروس رکھ کر پوری کر لی تھی۔ اس دن سے آج تک بریرینہ اپنی بچی کی شکل نہیں دیکھ سکی۔ ہر بار پر پچھنے پر آخر بتا دیتی۔  
”ابھی فیصل اسے اپنے ساتھ جڑی لے گیا ہے۔ آئے تو لی لیتا۔“ مجرورہ خود ہی بولی۔  
”اتنے برسوں بعد پتہ چلا تھا۔ روایتی نہیں تھی، مگر

سے نکال دی گئی تھی۔  
کچھ دنوں کے بعد بریرینہ کے چہرے پر بہتہ بہتہ قہقہے کا دامن گھلا ہو گیا، وہ زور، زور سے دروازہ بجاتی فریاد کر رہی تھی۔  
”خدا کے لیے مجھے صرف کل کو دکھا دو۔“

اندروں روایتی اسے خود میں لٹے، نچے، لیٹے میں سر ہلاتے تھی تھی، ایک بار دروڑی بھٹی ماں، ایک اندر خوف، دوسروں میں گھری ماں..... وہ رانی کو گود میں اٹھا لے اندر کرے میں لے گئی اور کرے کی تمام چٹنیاں چڑھا لیں اور اسے کھل میں دیکھا کہ اس کے ساتھ لیٹ گئی۔

منہل قدم قدم آگے بڑھتا بریرینہ کے پاس آ کر دوا دروازے پر اس کے بار بار پڑتے ہاتھ روک دیے تھے۔  
”یہ سب کر کے کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہیں۔ دیکھ کر پیدا ہونے کے بعد دعوت نہیں ابھری تھی اسے دیکھنے کی؟ اسے پلٹانے کی؟ جو اب ایسے چلا رہی ہیں آپ.....“ بریرینہ نے نگاہ اٹھائی۔ آنسو ٹپ ٹپ کر رہے۔  
”صرف ایک بار..... میں نے بھی تو عدل دے دیا۔“

”آپ کے لیے عدل سے دست برداری کوئی کمال نہیں ہے، آپ کو پتہ تھا، وہ آپ کا بھوکھن تھی نہیں، بہت ضرورت تھا آپ کی۔ جواب نہیں، رسی روایتی ختم..... روایتی نے اولاد ہی ہے، ضرورت نہیں۔ ہمارے یوں کہہ دینے پر کچھ یقین کر لے۔ پانچ سال کی متا ہے اس کی..... خدا کے لیے اسے مزید تکلیف مت دیں۔ مت اس سے اور امتحان لیں.....“ کہتے، کہتے منہل کی آواز نرمی، بہت برداشت کے باوجود آج اسے لوگوں میں اس کی آنکھوں سے بہت سے آنسو بہتے گئے۔ اس کی ہاتھ کی پٹ سے اپنی آنکھیں سے رو رہی سے رکڑیں اور بہت نکلیتے سے کہا تھا۔

سلوٹی اور آخر کو جب سے ڈاکٹر کوئی کے نئے بے اسپتال کا چلا تھا تو وہاں سے مزید تیزی سے کام کیا تھا۔ وہ اس کا نیا اسپتال دیکھنے کے بھانے ایک اور ان کی ملاقات پر بہت تھی و جب اور انداز میں لہنی کو سارا دعا مانگا تھا۔ پہلے تو وہ جہانی سے سستی رہی، لیکن جب اس کی مدد مانگی، اس کی حیرت سوا ہو گئی۔

”میں ڈاکٹر ہو، سلوٹی ہو، کوئی ایچ بی جی نہیں کہا ہے۔“ سلوٹی کے لیے میں سارا درد اور آئے۔“ منہل پانچ زندہ افراد کی زندگیوں کا سوال ہے، اس کا سوال توئی بالکل ہے، اب بچی کی پیدائش پر وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ جان سے مار دینے تک کی دھمکیاں تو دے رہی ہیں اور یہ بچی جو دنیا میں آئے والی ہے، اگر یہ کہیں اور لپے گی، اس کی زندگی بچ جائے گی، میں یہ کتنی ہی بائیر..... اسے پرتا کواریت کا احساس ڈاکٹر کوئی کے انداز پر چھایا۔ اس کا بہت سے پوچھا تھا۔  
”دونوں خواتین کا آپس میں رشتہ کیا ہے۔“ سلوٹی یہاں ٹھوڑا سا کڑواہٹ، آخر سے منہل انداز میں جھوٹی کی آمیزش کی۔  
”نندہ، عبادت ہیں..... لیکن ایک ہی گھر میں

س کے کانوں میں بہت در تک دروازہ دھڑ

”نہ آج مجھے سنار ہے؟ کون سا شہر پھیلنا

☆☆☆  
 احمسی میں اس کی بات بہت غور سے سنی گئی  
 تھی۔ اس کے بعد عارودہ مزید حقیقی سوال کر رہے

”اگر مجھے دو تین دن میں دیر الیٹو نہ ہوا، میں یہ کال نیٹ پر ڈال دوں گی۔ آسٹریلیئن گورنمنٹ تک آپ کی ہٹ دھرمی کی کاپی لین جائے گی۔“

ہم ابھی تحقیق کرتے ہیں اور یہ کہ اگر سب مل جائے تو بڑے آئے ہوئے ہیں۔ ایسا ہے آپ کا اپنے ڈاکٹرنس کے لئے آئیں، پہلی فرصت میں آپ کا کام ہوگا۔

”میں نے آپ سے کہا تھا۔ مجھے اور میری بیٹی کی جان کو خطرہ ہے، میں کھرے نہیں کھل سکتی، ہمیں انکار کر لیا جائے گا۔ میں اپنے اور بیٹی کے تمام ڈاکٹرنس آپ کو ای میل کر رہی ہوں۔ اور میں آپ کی صرف اس وقت کسی کی جب سب سے زیادہ ہمارے کھٹس، فلائٹ کا بندوبست ہوگا، مجھے سیکورٹی پر اہم ہے۔ سیکورٹی کی ذمہ داری میں۔“

”اوکے۔ اوکے۔“

ساتھ ہے۔ یہ فکر کریں۔“

اس کے بعد فکر کرنے سے وہ بے فکر تھوڑا ہوا۔ ان رات کے سناٹے کی ہوائے وسعت کار کر توڑنے شروع کر دیتے تھے۔ چاروں جانب موسم کی وجہ سے دھند ضرور تھی، لیکن آج کی سفیدی پھر بھی اپنے ہونے کا یقین دلانے کی سر ڈکوش کر رہی تھی۔ دن لکھا، پھر اسلام آباد جاگ گیا۔ سردیوں پر گرمیوں چھوڑی ڈکڑیاں..... لوگوں کے تاک، منہ سے نکلتی بھانپ کے دھوئیں اور آواز کی شور، پہلی قدمی شمع کے زندہ ہونے کا چارے سے رہی۔ البتہ اسی شمع میں کچھ کرے آئے تھے جہاں سوت کا سنا دار دو بار پر صور پھونک چکا تھا۔ وہ بیلہ کاروں سے ٹک لگائے۔ رانی کا سر کوڑھیں رہے۔ جون کی توں پٹی کی۔ اس یہاں سے جلد از جلد لگتا ہے، اس سے آگے اس کا ذہن کچھ بھی سوچنے پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ کھلی شیر گیت پر جاگ چکا تھا۔ اس کی پوری سر دھت کارورے سے نکل کر ان کے کام پر ملتا بھی تھی۔ اس نے گی بار لاؤنج کا روزانہ دیکھا تھا۔ مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے روایتی کے سیل فون پر کال ملائی، جو بہت دیر بعد روایتی کے ریسیور اور اسے سختی سے کہا تھا۔

”صرف باہر کے کام کے تم جاؤ، آرام کرو۔“

اور شرمیل سے کہہ دو کسی کو گیت سے اندر آنے دے۔ جب کو بھی۔ کوئی بھی خواہ راضیا حیات کیوں نہیں ہوں۔ کہہ دو طبیعت خراب ہے، مگر آرام کرنا چاہتی ہوں۔“

آؤٹ لیٹ پر در پر پوج جانے کے سبب بھی کال آئی تھی۔ اس نے بنا جس پیدا کیے بہت عا۔ سے انداز میں کہا تھا۔ ”جتنی میں چندوں کے لیے دعا ایک کنٹریکٹ کے سلسلے میں جاری ہوں۔ تم اس دیکھی رہتا۔ اور میرا کسی کو بھی تانے کی ضرورت نہیں، اوکے۔“

☆☆☆

صبح ہوتے ہی عائشہ کو ہان جانے کی گ گ کا تھی، ماں میں، ماں کا رور جا تھی میں۔ راضیا حیات نے بہت سچ کیا، مگر عورت صرف مرد کے سامنے ہوتی ہے، جیسے ہی اسے آفس کے لیے نکلے وہ خاموشی سے اس کی جانب نکلتی۔ کھلی شکر بے شک اس نے سختی سے سنا کیا تھا، مگر وہ روایتی سے چپا عائشہ کا ملازم تھا، اور بہت بچپن سے ان کے ساتھ رہا آیا تھا۔ اس نے فوراً انہیں آنے کے لیے راستہ دیا تھا۔ عائشہ ماں میں، انہیں پتا تھا ان کی نفسیات ک ہے، اسے کیسے روزانہ کھولنے پر قائل کرنا ہے۔ جس میں وہ کامیاب ہوئی تھی۔ روایتی ان کے سامنے خود کو بہت مضبوط ظاہر کر رہی تھی، جیسے ایک معمولی آدمی ہو، جیسے کلاڈن اس کی زندگی میں آیا نہ نہ وہ اسے ان کی دن کی بھائی سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔ ابھی اس سے معمول کی بات چیت کرتی رہیں، جس انہیں پورا یقین ہو گیا، روایتی واقعی حادثے سے سنبھل چکی ہے، جب انہوں نے بہت لگاؤ سے پوچھا تھا۔

”پھر کیا فیصلہ کیا تم نے؟“

”کس بارے میں۔“ وہ بالکل انجان لہجے میں بولی تھی جو عائشہ کو قدرے حیرانی بھی ہوئی۔

”رانی۔ رانی کے بارے میں۔“ روایتی چند لمحوں ان کی بڑھی آنکھوں میں دیکھتی رہی، پھر

پیکا ماسکر کر ان کے بالکل قریب رو بہ رو بیٹھی، اس کا انداز جھٹکا تھا، پھر حقیقت بٹھا۔

”اسی۔ اگر میں آپ کو ایک اور جگہ بناؤں۔ تو کیا یقین کریں گی۔“

”کیا۔“ عائشہ کو اچھا ہوا کہ ابھی اور لوگوں کی حقیقت وہی ہے۔ ”اللہ اس بچی پر رحم کر۔“ ان واحد میں ان کے دل سے نکلا تھی۔

”میری می نے بہت بچے پلے پاتا تھا، میں بھی بیدار کس کے وقت ابھی ہوئی تھی، آپ کی بیٹی مام سے۔“ وہ کہہ کر گھر کے لیے چپ ہوئی۔ اب ان کا بھرنے والا رو بہ جا چکی رہی۔ عائشہ اٹھتا نہ ہاتھ پر آنکھیں میسر کرنے میں اسے دیکھنے لگیں۔ پھر آہستہ سے بولیں۔

”ابھی کیسے ہو سکتا ہے؟“

”نہیں ہو سکتا؟“ روایتی نے تسخیر میں قبضہ لگایا تھا۔

”ظاہر ہے۔“ عائشہ اب کے ڈپٹ کر بولی تھیں۔ ”ماہم سے کسی سال بڑی ہے۔“

”چھا! پھر جب سے کر لیں۔“

”کیا فضول بول رہی ہو۔“

”نہیں یقین آ رہا تھا آپ کو۔“ اس لیے نہیں آ رہا تھا، پنے انہیں اسے قسم قسم محسوس کیا ہے۔ کئی سبب ان کا وجود آپ کے ساتھ دھکا ہے، ان کی بیدار کس کی تکلیف آپ نے برداشت کی ہے، اس کی لیے نہیں، اس تکلیف کے بعد وہ آپ کی کوشش دے گئے آپ نے انہیں کھلا دیا، پایا، یقین ان سے، ان کے جسم کی حرارت کو آپ نے محسوس کیا، انہوں نے آپ کو کہا تھا۔ ان کی تکلیف پر جاں ہے۔ ان کے ساتھ کسی ان کے ساتھ وہیں، پھر کیسے یقین کر لیں گی۔ مجھے بتائیں، میں کیسے یقین کر لوں، اتنا وقت میرا اس کے ساتھ کروا، میں تنہا بھی، شوہر کے بغیر سارا پڑھنے میں اسے اکیلے اپنے ساتھ محسوس کیا۔ وہ تکلیف میں بھی نہیں بھول سکتی، جو دونوں میں اس کے لیے برداشت کی۔ اب سب معصوموں کے

بہو دانی مجھے گود میں دینی گی۔ آپ کو یاد ہوگا، کتنی جلدی جلدی ہوا پوری تھی، کتنا دور تھی۔ اس کے ہوتے سوکھ جاتے تھے۔ ساری ساری رات بچکی تھی یہ۔ اسے چوٹ لگ جاتی تھی، کتنا مشکل وقت گزارا ہے، اب کی کی ایک جملہ کہہ دیتے سے کہہ دو تمہاری بیٹی نہیں، میں کیسے یقین کر لوں، میں اپنی زندگی کے باقی سال کیسے بھلا دوں، میں ان دونوں کی تکلیف کیسے بھلا دوں اور پھر ان لوگوں کا کہنے پر جو پہلے ہی جوئے ہیں۔“ روایتی کی باتوں کو کر کے لگا لگا کئی عی آنکھوں سے پانی اگل اگل کر کر کے لگا لگا کئی قطرے اس کے منہ میں بھی جا رہے تھے، مگر وہ مسلسل روئے بولے جا رہی تھی۔

”میں نے تو مجھ سے عبت کے دعوے بھی کیے تھے۔ کی اس کی عبت؟“ اس نے سختی سے کہا تھا، دیا اس نے؟ اس نے کہا تھا عبت میں پڑو (بھٹ) رہو۔ رادہ؟ پھر اس نے کہا، یہ بچی میرا گناہ ہے، میں میں نے گناہ کیا تھا؟ اب وہ کہہ رہا ہے یہ بچی بتائیں یہ پیدای نہیں کی۔ اتنے بہت سے عبتوں بعد، کس اب اس کی بات کا اعتبار کر لوں، کیا مجھے اعتبار کرنا چاہیے؟ پیدائش کے درد کے عوض جو بچہ کوڑھیں آ جائے، چند لمحوں بعد کی اٹھ کر کہہ دے یہ تمہارا نہیں، کوئی لائی یقین کرے گی؟ مجھے کتنی ہے سچا نہیں، اپنی کی ماں بھی کیوں نہ کہو، کوئی عبت یقین کرے گی۔ (اب آتا ہوگا، وہ بڑے اعتراضی کی کوئی پر تمام کر رہی ہے۔ جو میں لکھتی ہوں۔ کئی کی ماں سے تو ذرا تیزہ بچے کے میٹ کر دے؟ کراس کے من سے وہ بیدار ہوا کر لیں، خودی عبت ہو جاتی ہے، وہ وہ روئے روئے دہری ہوئی، بہت دیر روئے سے ٹھیکاری، سسکیوں میں بدل گیا۔ عائشہ خود بھی رو رہی تھی، ساتھ اس کی پشت سہلائی رہی۔ کچھ دیر بعد وہ باک زور سے چڑھا جھکے سے اگی، آکھ صاف کیے اور اپنی انداز میں کہا تھا۔

”آپ ان کی بات کا یقین مت کریں، وہ جھوٹ بول رہے ہیں، بالکل جھوٹ۔“



”روادینہ میں مان لیتے، پٹائے خشک رہا کہیں سے بھی تم نہیں..... میں مان لیتا اگر میں عدن کو نہ دیکھتی تے مے اس بچے کی آنکھیں دیکھی میں!“

”میں دیکھا میں نے اسے۔“ اس نے ناگوار سے آنکھیں بند کر کے چہرے کا رخ دوسری جانب کر لیا تھا۔ بالکل ایسے جیسے اس بچے کا نام بھی اسے اذیت دے رہا ہو اور وہ بچے کو نہ دیکھنے کا سب سے بڑا جھوٹ بول رہی ہو۔ اس نے ایک اونٹنی کاٹھ میں بھی اس بچے کی آنکھیں، ان کا بھونکن دیکھ لیا تھا، مگر وہ بھر بھی انکس محسوس کر نہیں جا رہی تھی۔ وہ خود اسے دل کو ادھر اُدھر سے کیس نے تو اس بچے کو دیکھا تنگ ہیں اور اس کے دیکھنے پر لیا تھا تو یہ بالکل ایسے جیسا نہیں کہ جس رانی اپنے بھئی لگتی ہے، دیکھے اس کے بال، آنکھیں کالی ہیں، رنگت سائو ہے، مگر ہے میری بیٹی، پھر مجھ پر ہی ہوئی نا..... اسی لیے اس نے وہاں سے اٹھتے ہوئے صاف کہا تھا۔

”پلیز آئی! آئندہ اس کا یک پر بات نہیں ہوئی چاہیے، میں نہیں چاہتی میری رانی کی شخصیت کوئی تو ہے۔“

”تھیں تھارے اپنے بچے کی نوٹ جائے۔“

”بس کر جائیں۔“ اس کے اندر سے ایک درد بھری دعا نکلتی تھی، جیسے کسی تیز ہمالے نے اسے اندر بار سے چر دیا ہو۔

اس کی آواز پر ہی رانی سہی ہوئی باہر نکل، دروازے سے کھڑکی آنکھیں مسلی مانی کی جانب بازو پھیلا رہی تھی۔ روادینہ بھاگ کر لپٹ گئی، اسے خود میں چھپتے ہوئے زور زور سے روٹی تھی۔ اسے اسے ترے کا دانت نہیں ہو رہا تھا، وہ رانی کے چمن جانے سے خوف زدہ تھی اعلان کو کھوینے سے، بس اسے یہ تھا، اسے صرف اور صرف فرار چاہیے، اسے رانی کو محفوظ مقام پر پہنچانا ہے، جہاں سے ہر بیڑا اسے جبین نہ سکے شاید اس کا دل نہیں سے یقین کر چکا تھا، رانی اس کی بیٹی نہیں ہے۔ اسے کوئی جبین لے

گا۔ اس مخفی یقین کا اسے خود یقین نہیں آ رہا تھا۔ بس آسو تھو اور بہت تھے، تھے تھامتھے۔

☆☆☆

اس واقعے کے بعد ہر بیز اسلام آباد ایک دن ہی راکھی گئی، پھر رانی غالی غلو دواپس فیصل آباد آگئی۔ عدن، عدن کے کاغذ تیار کروانے کے سلسلے میں ابھی رکھا ہوا تھا۔ جناب نے دن، تین بار فون پر رابطہ کیا؛ پہلی بلیں کیا۔ اسے ایک دو کوش اور کرنے کا کہا تھا، مگر محض اسے اب اسے صاف انکار کر دیا تھا۔

”اور تھی ٹھیک دوں اسے..... میں انسان ہوں یاں..... پھر یہ نہیں ہوں، بار بار اس کے دل پر چلنا رہوں۔ اسے حقیقت بتا دی ہے، اگر یقین آ گیا تو وہ ضرور عدن سے ملنے آئے گی۔ نہیں تو..... اس نے اذیت سے سانس لٹی۔“ نہیں تو وہ نہیں آئے گی۔ انکار کے اسے سکون مل جائے۔“ ان چند دن ان کی بلیں ختم ہو چکی تھیں۔ ان چند دن

میں اس نے عدن کو خوب اسلام آباد مہمیاں، پھر ایہا، تبھی تبھی شخصیت کے مالک عدن کو کسی حد تک اپنے ساتھ اسے کر لیا تھا۔ میرا کسلسل محض کی تئیں کرتے رہے تھے، کسی طرح وہ واپس نہ جائے آج آج دو اسلام آباد پھر اسے مہمانے کے لیے آئے بیٹھے تھے۔ عدن بے پروا ہوا تھا، تھی وہ تو اس کے ہاتھوں کا سہارا اس کا ہاتھ چرتے رہے، انہیں اس میں کچا اذلان کی شجاعت آئی، کبھی از میر کی، کبھی وہ چھوڑا خیاں میں جا تا، کبھی بے گھر ماں جان کے ساتھ لپڑ محض اپنے فرار ہو کر محض کے آگے ہاتھ جوڑ دیے ہر ڈکانے۔“ خدا کے واسطے نہ اسے خود۔“

”پلیز! یہ امت ہے کریں۔“ اس نے ان کے ہاتھ کھول دیے تھے۔ ہاتھ دیکھے یہاں سے جانے دیں، اگر میں مزید یہاں رہا تو میں بائیں ہوجاؤں گا، بلائے ادم گھٹ جائے گا۔ بر آئے والا ہو میرا سناں کر رہا ہے۔“

”میں روادینہ کی تئیں کر دوں گا۔ محض وہ میرا بات مان لے گی۔ وہ بہت خراب برادر بیٹی ہے۔“

”آپ ہی تئیں آج میں بھگت رہا ہوں۔“ وہ ایک سخت پٹ پڑا تھا۔ ”آپ نے یہ اسے نوس کر کے شادی کے لیے راضی کیا تھا، آپ نے ہی میری تئیں کی تھیں، یہ ایک ہے جوڑ شادی تھی، میں اس کے قابل ہی نہیں تھا۔ آپ کا بیٹا محض ذکا، روادینہ اذ میر کے قابل ہی نہیں تھا..... آپ کا بیٹا اس کی حفاظت کر ہی نہیں سکا۔“ عدو سے سے محض کی آواز بھاری ہوئی، اس میں کی آ میرا راج بھٹکتے لگی۔ ”میں تو اتنا غیر ذمہ دار لگا، اسے پہلے بچے کی حفاظت نہیں کر سکا۔ میرے بچے کی شخصیت جانا ہوئی ہے، وہ عجیب و غریب سوال کرتا ہے، اسے اپنے ماں باپ کی بلیں نہیں ہیں، کبھی شوگر مال کا پوچھتا ہے، کبھی ہر بیز آکا۔ کبھی روادینہ کا پوچھتا ہے، وہ آئی کون تھیں، مجھے آپ کیوں لے آئے، بتائیں میں اسے کیا جواب دوں۔ جواب ہے میرے پاس؟“

بولنے کے دوران محض کو محسوس بھی نہیں ہوا، اس کی آنکھوں سے کتنا پانی بہہ رہا ہے، اس کا چہرہ اور شرٹ کا اگلا حصہ بہت میٹک چکا تھا۔ ”میں نے کیا کر تھا خدا کی قسم..... میں سوچ بھی نہیں سکتا، مگر جانی میرے ساتھ یہ کھو کر گئی ہیں۔ من رشتوں پر میں خود سے زیادہ اعتماد کرنا تھا، کیا، کیا انہوں نے میرے ساتھ یہ بھی تو آپ جانتے ہی نہیں کسی کس رشتے نے کہاں کہاں مجھے نفرت لگا۔“ ذنب کی زبانی اذلان کا بتایا واقعہ کونہ کی طرح پلٹنے کی داغ بوبوں سے چھٹی ہو گیا تھا۔ اسے ماں جان کا جملہ پوری حقیقت سے باز آ گیا۔ جب وہ انہیں کھڑا ہوا تھا۔ ”آپ دیکھنے پریشان ہیں، آخر میر جانی بہت اچھی ہیں۔“

”سب اچھے ہیں محض، لیکن بدلے کی آگ کسے رشتوں کھٹلا کر رکھ کر دیتی ہے۔“ اور واقعی یہ سب رشتے بدلے کی آگ میں جلیں گے۔ اگر ہو گئے تھے، اب اس را کہ محض کے آسو بر سے لگے۔ میرا کد کتم کیفیت میں اس کا سرخ گیلا چہرا

دیکھے جارہے تھے، انہیں یاد نہیں پڑتا تھا محض کبھی بچپن میں بھی ایسے ہوا ہو۔ وہ تو بس اپنی ماں کے سر جانے پر اس طرح تڑپ تڑپ کر نہیں روتا تھا، جس طرح آج اس کی آنکھوں سے کبھی ہم کھینچتا تھا۔ کبھی وہ اس کو لگے لگے کھڑے رہے۔

☆☆☆

بے نظیر انشعش اپر پورٹ پر معمول کے مطابق بہت گھبراہٹ ہوئی۔ اندرون ملک کے علاوہ بیرون ملک بہت ہی تلاش کرنے جانے کے سبب مسافروں کا بہت رش تھا۔ وہ بہت دور پہلے ہی وہاں پہنچ چکا تھا۔ دیشک لاؤنج کے داہیں جانب بیٹ لالی میں دو ایک بیٹ پر بیٹھا تھا، عدن اس کے ساتھ رکھ کر بیٹھا لوگوں کو آتے جاتے دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی اپنا سر اٹھا کر کرے آنکھیں پٹپٹا تے ہوئے اس سے پوچھ لیتا۔

”ہم جہاں جا رہے ہیں، وہاں دعا آئی ہوں گی؟“

”ہوں۔“ محض نے اثبات میں سر ہلایا۔

”اور ماما..... مجھے ملنے آئیں گی کبھی؟“

”اب آئیں گے۔“ وہ اس کے سلی پٹکے بھورے بالوں میں اگلیاں چلانے لگا، کچھ کچھ بعد اس نے پھر پوچھا۔

”شہزاد بابا..... مجھے ان کی یاد گری ہے۔“ (بابا دہی کی جگہ وہ لگ رہی بولتا تھا)۔ وہ مجھے ملنے آئیں گے۔ مجھے ان کے پاس جانا ہے۔“

”بابا عدن ایسے مت کراؤ۔“ محض نے اس کے گرد بازو پٹپٹا تے اسے اور اپنے قریب کر لیا۔

”آپ جلدی جلدی سے ہوجاؤ، اچھا، اچھا، پڑھو گے تو میں شہزاد سے بات کروں گا، کہ وہ آپ سے ملے گی۔“

”کب آئیں گے..... ممانے ان کے اوپر بہت زیادہ مٹی ڈالی ہوئی ہے، آپ کا وہ بٹنا آئیں۔“

”اچھا۔“ محض نے بات ختم کرنا چاہی، مگر

”میری ميم کہہ رہی تھیں، اللہ ميں کے پاس جا کر واپس نہيں آ سکتے۔ پھر وہ کہيے آئيں گے؟“

”قبل کے ہونٹ آہں ميں پيوست تھے، وہ بس اسے دیکھے گيا۔“

”بتائیں نا..... اچھا دہاں جاتے کیسے ہیں،  
مجھے جانا ہے۔“  
”عدن پلیز یار..... چپ کر جاؤ۔“ ضہیل کا دل

بہت بری طرح کٹا تھا، عدنان نے بھی زوٹھے پن سے دوسری جانب رخ پھیرتے کہا۔  
”پھر مجھے اپنے گھر جانا ہے۔ آپ کے ساتھ نہیں جاتا، بورڈنگ میں۔“

اس کی آنکس کریم کھاؤ گے۔" پردی کے باعث کھانسی ہو جاتی تھی۔ اب یوں اچانک پوچھنے پر اس کا ردھا ہوا چہرہ آہستہ آہستہ افراری خوشی میں بدلا اور نہ بھلائے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

”چلو آؤ.....“ اسے گود میں اٹھا کر سائڈ پرینی بک شاپ پر آگیا اور اس کی مرضی کا فلیور لے کر اسے تھما تھا۔

☆☆☆

سفید بیک ٹراؤزر کے ساتھ کھنٹوں تک آنی والی بالوٹ میں جس کے خرت اور بیک پر سرخ دھاریوں کا پھینکا اور چھوٹے بے سفید چھترے کے تھیں کہ کیا ان میں ملو پر آسنے لیا کے جھنڈے کے مجھ پر فائدہ کی کر رہا تھا۔ اس کے ایک بازو پر بڑا لال سرخ لوگوں کا تھا، اس کی ایک بازو سبک لٹکا رکھا تھا۔ گلے میں ایک گرم مٹھا قرقرہ رنگ کا نرہ اور ایک تھپڑ بالکل ہی معمولی کھول کر کندھوں کے گرد اپنے کاندھے پر جھکنے کی صورت میں بچھا تھا۔ انچس میں کسے سرخی بالی مجھ سے بال آج اس نے اپنے سے تھپڑ سے بلکہ نظر کے دھڑکے صاف جیسے سرخ لب اس کی جی لوئی

آج دو مکمل مہریم ہی لگ رہی تھی جیسے وہ بے خوف و خطر چلتی تھی۔ اور دیکھنے والے کو پشٹ سے ہی آسٹریلیا میں محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر سائفر مشین پر اپنا سوٹ کیس اور ہنڈل کر دی رکھا۔ دہائی کا ہاتھ تھا۔ پہلی دیوار پر لگی بیڑی سی ایل ای ڈی پر اپنی ٹکائٹ کی ماسنگ چپک کر رہی تھی۔

رضا حیات اور عائشہ کی بار اس سے ملنے گھر آئے تھے، جناب نے فون پر اس کی خبر خیریت پوچھی۔ ارادوں کی ایسی ہوئی تھی کہ کچھ ہلک پڑنے نہیں دہی یہاں تک کہ شیر گل اور اس کی بیوی سے بھی چوری پیچھے اپنا سامان چیک کیا۔ جب اس کے جانے کے تمام انتظامات ہو گئے تو باہر نکلتے ہوئے شیر گل سے کہا تھا۔

”میں اپنی ایک فرینڈ سے ملنے جا رہی ہوں۔ ایک دو دن تک آ جاؤں گی۔ اگر کوئی ملنے آئے یا فون کرے تو بتا دینا کھرب نہیں ہوں۔“ پھر جیسی لے کر

آرام سے ایئر بوٹ آگئی۔ اپنے سواہل کے تمام  
 کاٹلیٹ کی لسٹ بنا کر پوائنٹ بی بی میں سیو کر لی تھی اور  
 اپنی سم گھر پر تو ڈر کر پھینک دی تھی۔ وہ کشتیاں  
 جلانے کے عزم سے نکلی تھیں۔ اسے اب پلٹ کر کسی کو  
 نہیں دیکھنا۔

تھی۔ تب ہی اس کی فلائٹ کی انٹرنمنٹ پورے  
لاؤنج میں گونجنے لگی۔

راہی کے غصے یا تھجہ پر اپنی گرفت پوری طرح کرتے ہوئے وہ چلی گئی تاکہ اس کی نظر دائیں جانب بنی لالائی کے ایک بیج پر پڑے۔ اُن کی کرم کھاتے جموے بھالے سے خوب مسرت بننے پر وہ گردوں بھائے کسی اور جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کا بائیں رخسار آج کے جموے سے بالوں پر کھا اور پچہ پوری طرح آج کی کرم کھاتے میں خود راہیہ نے صرف ایک نگاہ اُن کی دیکھا تھا اور گرفت کھاتے کے انداز سے اپنی گردن دوسری جانب جھیر لی۔ اسے اس دل

سے لکھا خون کا ایک ایک قطرہ اٹکنا ہوا محسوس ہوا اس کی چال تیز ہو گئی رابی کے ہاتھ پر گرفت خود بخود بڑھ گئی۔

نیک شاپ کے پاس بنے فلاورز اسٹال کے سامنے سے گزرتے خود بخود ہی اس کے قدم رک گئے۔ کانڈر پر ایک چھوٹا سا تیار سفید کارڈ بنا کے چھپوں کا کچھ لکھا تھا۔ اس نے وہ نوٹ خریدا لیا۔ ایک کارڈ لے کر اس پر ایک عبارت درج کی۔ کارڈ اس میں لکھا اور فرسٹی کی معافی کرتے ایک لازم کتاب کر کے اسے تھمایا اور ایک جانب اشارہ کرتے کہا تھا۔

”یہ ان صاحب کو دیے دیں۔“ اور خود تیزی سے برقی سڑھی کی طرف بڑھی تھی۔

[illegible]

”کیا ہے یہ ..... اور کیوں؟“ اس نے فوراً رخ مقرر پر مجھ سے بال گرائے لڑکی کی جانب اشارہ کیا جو برقی سیڑھی پر چڑھی تیزی سے اور برقی انب بڑھ رہی تھی۔ کمرے سے بھی کم وقت لگا تھا مگر

وہ اسے اس کی پشت سے پکڑنے میں اور دل کی  
مڑک مڑک سے کسی کی دودھ پلٹیں بچکے اسے دیکھے جا  
اسے اٹھاتا تھا اس کا چپا ایک جھلاکھ مارے اور اسے  
اسے مارے اسے روکے اس کی ہتھیں کرے، لیکن اس  
الٹا قدم اٹھا کر وہ اب دودھ پانی بیڑی سے اتر کر  
پانی بچہ کی جانب بڑھتا جا رہی تھی رانی کا ہاتھ اس  
سے پھٹک رہا تھا اسے تمام کڑوا ہوا تھا وہ دودھ کے  
تھکے تھکے پھولوں میں اٹکے گاڑ کر پھینک دیا  
تھکے تھکے باہر نکلا۔ کمر دل بکھا تھا۔

”ان لو آلویز بی پازیو۔ (محبت میں ہمیشہ  
ت رہو)“

لفظوں سے ان دیکھے تیرے لکے جو جو دھڑ

بجست ہو گئے تھی کارڈ کے بالکل نیچے بریکٹ میں اس نے لکھا تھا۔

”پھولوں سے رنگ اور خوشبو اب اڑ چکی ہے،  
پانے کی خواہش مت کرتا۔“

خیر، ہر دینی سائنس بمشکل پھر سے بدن میں  
تیرنے لگی تھی۔ گوہا اپنے معمول کے مطابق چل پھر  
تھے۔ کوئی بہت جلدی میں تھا، کوئی ضرورت  
سے جلدی تھا کسی خاص سبب کے سوا۔ آوازوں کا شور و  
گلوں کا۔۔۔ ان آوازوں میں ہر دنگوں میں وہ لگتا ہوا  
تھا جیسے جان بزرگ ہوتا تھا۔ ہر دنگ جیسے ابھی تسلی  
کی دیواس آوازوں کی زمین دنیا کا حصہ بنے رہتا  
تھا۔ اسے اندر کی لچل، اسے تاثرات چھانسنے  
پوری کوٹھن سے دوڑا جورو، دوڑا محسوس کر رہا تھا۔  
سنگار چھانسنے چھاؤں سے دوڑا چھاؤں سے دوڑا  
تھا۔ اوپر بہت اوپر بالوں سے دوڑا چھاؤں سے  
دوڑا تھا۔ اس کی سینہ پر سے اس کی اپنی ہمت کو  
دھڑکتے دھڑکتے دوڑا تھا۔ دوڑا تھا۔ دوڑا تھا  
لڑکھائی سے اس کی آواز تھا۔ کین دھڑکی کی منزل  
تھی کسی سوخوئی اسے اسے پھر لے۔

☆☆☆

محسوس کرنے میں وہ دن معمول کی طرح ہی  
دور و آوا تھا فرق صرف اتنا تھا کہ اس دن مندر عام  
پلیس پر عامی کسی کی بجائے ایک اعلیٰ درجے کا  
پلیس ٹھہرے جس کی حد تک پہنچی ہوگی وہ اس کے ہڈوں  
الٹے کی سخت سردی میں شہر اسلام آباد کی طرح  
کے ایک چٹا چٹا چنڈ اپنے چھوٹے سے لان میں  
کھڑا تھا۔ گیت کے نیچے سے چھینکا گیا اخبار  
اٹھا اور اس نے پھیلایا۔ عاشرین میں ناشٹا بنے  
کے لیے مصروف میں کڑکی سے اسے لان میں بیٹھے  
تھا۔ عاشرین کے گرد بیٹھے چنان میں کام کر رہی تھیں اور  
خاک پھیلا رہی تھیں اور اپنے اپنے رات کے لباس میں  
خاک پھیلا رہے تھے۔ چوک رہی تھیں وہ جس میں وہ  
ہڈیاں سبک رہا ہو۔ گیت کے آئینے کو کھینچنے

ہاتھ تھے اور جلدی سے ہاتھ لکھیں۔

”جناب..... کیا آستان پر سورج نظر آ رہا ہے، جو اب غنڈہ میں آکر بیٹھ گئے۔“ اس نے کردن پھر کر پیچھے دیکھا اور پیکا سا مسکرایا۔

”وہ نہیں لگ رہا تھا۔ جب ادھر آ گیا۔“ اور یہاں تھوڑی سی ساری جان لگ جائے گی، پیچھے ہٹاں میں..... وہ ادھمکی سے تم سے کئی تیز چل رہی ہے، چلو اندر چلو۔“ وہ کچھ نہیں بولا اخبار کی تہ لگا تا ان کے پیچھے چل پڑا۔ رضا حیات اپنے کمرے سے نکل کر آؤ گان میں داخل ہوئے یہ تھے چہرے پر تازہ و جاننے کے آثار تھے۔ غنڈہ کی ہی جماعت روکنے

عائشہ سے کہا تھا۔

”بھئی جائے ہی بنا دو۔“ عائشہ اپنی سوچوں میں غلطانج سے تن نہیں پا گئیں۔ اسی لیے پوچھا تھا۔

”کیا بنا دوں.....؟“ وہ پھر لطف لے کر بولے۔

”بے وقوف.....“ عائشہ نے انہیں سر سے پاؤں تک ایک نگاہ دیکھ لیا تھا۔ اور تھما لے عارفانہ سے فکھ کر مٹے لکھیں۔

”اللہ کی باتنی چیزوں کو حزیہ نہیں چھیڑتی؟ میری کیا بات اوقات.....“ رضا حیات غنڈہ ہوئے جب ہوت بند کرتے ان کی ہر جھنجھکی سے محفوظ ہوا تھا۔

جب رضائے بیٹے سے پوچھا۔

”اس کی برہم کیوں ہو رہی ہیں.....“ اس نے ہاتھ کے کمرے کے بند دروازے کی جانب اشارہ کیا۔

”اب کو ہوتا ہوا چاہیے، ماہ آئی ہوئی ہے۔“ ہاتھ کے خوشی خیزی کی ادھر تیرا ہوا شروع ہوئے یہ وہ ادھر آ گئی۔ اسے دوسرے کمرے کے اتنا خوف زدہ کر دیا تھا، قدم اٹھانے، اچانک سے ٹپکی آ جائے سے بھی وہ ڈرتی تھی۔ اپنے کمرے میں ملازماؤں کی سہولت ہونے کے باوجود اسے وہم و

چکا تھا کچھ ہونہ جائے، آخر چھوٹے سونے میاں کے

کام کو کرنے پر ڈرتے ہی ہیں اور یہاں آکر عائشہ کے تاک میں دم کر رہا تھا۔ یہیں کھانا، وہ نہیں کھانا، اس وقت نہ چکا..... لڑکا نہ کر شروع میں تو عائشہ نے بہت خیال رکھا۔ ایک قوس کیرجنگ کے بعد پھر پانچ سال کر رہا جانے کے بعد انہوں نے اسے یہیں کا چھال پکارا تھا تاکہ کچھ وہ خود بھی اسے حق بجانب سمجھیں تھیں لیکن شوہر نہیں کرو۔ دروازہ آہستہ بند کر دیا پر وہ

آگیا جائیں۔

”ہاتھ میرا خیال ہے، اپنے کانوں میں روٹی ٹھونس لو۔“ اب جب وہ کئی دنوں سے آئی ہوئی تھی اور معمولی معمولی بات پر توجہ ہوتی تھی بار بار عائشہ نے اسے کہہ دیا تھا۔

”اتنا کمرے کمر میں شو نہیں، جتنا تم نے آکر ڈال دیا۔“

وہ ٹھنکی سے اپنی کونہ دیکھتے رہ جاتی ایسے میں رضا حیات آگھوں آگھوں میں عائشہ کو پھر رہنے کی حسیہ کرتے تھے۔ آخر وہ ان کی اگلی لاڈلی بیٹی تھی۔ وہ اپنے کمرے کے دروازہ کھول کر ادھر ہی آ گئی جہاں سب بیٹھے تھے۔ عائشہ نے ناشیلا کراہتیں

برگایا۔ ساتھ ہی جماعت روکنی آگیا ہٹ سے بھر گیا اور کچھ دیکھا تھا۔

”اللہ نہیں.....“ اس نے ٹھنکی بھری نگاہوں کی جانب اٹھائی۔

”کیسے سوتی، صبح ہی صبح آشوراؤں دیتے ہیں جیسے بڑی تک رہی ہو۔“ عائشہ نے جھنجھٹا ہٹے پر اٹھ کر ہاتھ، جب نہ پر اٹھی رکھ کر ہاتھ پیرچہ

بٹنے کی آواز کی۔

”بھئی کل سے شو نہیں ہوتا چاہیے، میری گڑیا ڈسٹرب ہوئی ہے۔“ رضا حیات کی حمایت پر وہ محبت سے ان کے قریب کھینچی اور کندھے پر ہاتھ سے سر رکھ لیا۔

”میرا بچہ.....“ رضا حیات نے اس کا سر تھم لیا، عائشہ نے مصغری ٹھنکی سے رضا حیات کو کہا تھا۔

”اب اپنے بچے سے پوچھ کر بتا دیں، جس

بچے کا، یا دو دو ہلاؤں؟“ ہاتھ نے ایک کھٹ کندھے سے سر اٹھایا اور شکایتی اعزاز میں رضا حیات سے کہا تھا۔

”دیکھا آپ نے..... کیسا سلوک کرتی ہیں میرے ساتھ، سوئی ملی ماؤں والا۔“ اس سے پہلے کہ عائشہ کو جواب دیں۔ جب کہ بہت دنوں بعد مذاں سوچا تھا۔

”واٹ.....؟“ اکیا یہ بھی پاہل میں جھنجھو

”اللہ نہ کرے۔“ عائشہ کے سینے پر ہاتھ پڑا تھا۔ تینوں نے اسے کھرا کہ وہ کھینکا ہو کر کندھے اچکانے لگا۔

”خود ہی کہہ رہی ہے سوتلی ماں۔“

”بندیز.....“ عائشہ مزید کچھ کہنے کے بجائے سیدھی کچھ نہیں کہیں اور ہاتھ کے لیے سب کا جس نکال لائی تھیں۔ جناب کی بات سے سب کو ادھیہ یاد آ گئی تھی۔ ہاتھ نے استفسار کیا تھا۔

”تم رو ادھیہ کی طرف گئے؟ کتنے دن ہو گئے رات نہیں آئی، مجھے بہت یاد آ رہی ہے، انصیت کی ہو گئی ہے ناں، اس سے کئی۔“ عائشہ ڈرائس کی صورت اسے دیکھ کر ہنس کر دھڑکی۔

”تم اس سے کہہ رہی ہوں.....“ ہاتھ جواب نہ پا کر بھولائی عائشہ نے اس کی آگھوں میں اٹھا کھا

سادے ٹیپے میں ادا سی ٹھنکی آئی۔

”ہاتھ، رانی ہمارے لیے ایک بولے، شرارتیں کرنے والی گڑیا ہے، ہمیں اس سے بچنے کے لیے اپنی انصیت ہوئی، چند دن وہیں آئی اس کی کوس کر رہے ہیں اور ادھیہ کا سوچا اس نے اسے اپنی اولاد کچھ

کر پالا ہے، اس کے کھدو رکھو، اس کی راحت سکون کو کیسے کیا ہے اسے کتنی انصیت ہوئی اس سے..... وہ

بھئی یقین کرے کہ وہ اس کی کچھ نہیں گئی، پاس سے دست بردار ہو جائے، اس کا رد عمل بہت نفرتی ہے رضا۔“

رضا حیات نے کھکھری تانید کی، جناب یہ بھی

نہ کر کا بس چپ رہا ہوتی ہاتھ میرے بولی۔

”خیر اب اسکا بات بھی نہیں ہے کئی۔ جب سب بات واضح بنا چل چکی ہے، جنہوں نے سب کیا، وہ اپنے منہ سے اقرار کر رہے ہیں، معمول اپنے کے پر نام ہے، میری بھائی ناگہ رہی ہے، اسے یقین کرنا چاہیے۔ اب فرشتے تو آکر گواہی نہیں دیں گے ناں۔“

”ہاتھ..... وہ یقین کر سکی ہے۔“ رضا حیات کا اعزاز دہر اور دسا تھا۔ ”اس کا خاموش ہو جانا، اس معاملے کی تفتیش میں نہ پڑنا اس بات کا ثبوت ہے، وہ یقین کر رہی ہے لیکن اس کا داغ اس یقین کو ابھی قبول نہیں کر رہا۔ ہاتھ کے معاملے بہت حساس ہوتے ہیں میری جان۔“

”ہمیں تو یہی کہہ رہی ہوں۔“ ہاتھ ٹھنکی سے بولی تھی۔ ”اپنی اولاد کو سامنے دیکھ کر بھی ماننے سے انکار کر رہی ہے..... دوسرے کی اولاد کو دیکھ کر بھی ہے۔ اس کے بدل کو کچھ نہیں ہوا عدل کو دیکھ کر۔“

”ہاتھ بائیز اب ایک لفظ مت بولنا۔“ عائشہ نے اسے سختی سے ڈنکا تھا۔ ”جو لوگ بد دعا میں نہیں دیتے، ان کی یہی عرش بلاؤ جاتی ہیں..... بد دعاؤں سے زیادہ آہوں سے بچنا چاہیے۔“ انہوں نے غصہ ہوا کھرا تھا۔ ”وہ لڑکی کسی کو بد دعا نہیں دیتی، میں نے اس کی آہوں کی طاقت دیکھی ہے..... انہوں نے میں نے اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کی، اللہ مجھے

معاف کر دے، مجھے بہت ڈر لگنے لگا ہے۔“

جناب نے چونک کر ہاتھ کی جانب دیکھا تھا

لے کے ستر ہو جس سے میں جانے کیوں اسے لگا، جب اس کا رشتہ بنا رہا تھا کچھ وقت رو ادھیہ چڑھ چکی ہو کر اس سے بھگوتے کئی کئی گھر چھوڑنے پر کس طرح اصرار کر رہی تھی۔ تو کیا اس

سب میں ہمارے کھنکھ کی جانب سے بھی کوئی بڑھڑقا

دہ بہت جاننے کے باوجود جی نہ پوچھا۔ اب ان سب باتوں کا کوئی ناکہ نہیں تھا، جو بیت چکا وہ ماضی

تھا اور مستقبل کی صورت واضح نہیں تھی، فی الوقت

138 فروری 2018

عانتا تھا ہر زہریلوں کے گھر میں تھی۔

”جتنی تکلیف میں وہ اس وقت ہے انھوں میں اس کا بیان نہیں ہے، اب یہ تو دو گن دن ہو گئے ہیں اس کی جانب کی نہیں، مجھ سے دیکھا نہیں جا رہا، وہ منہ سے کچھ نہیں کہہ رہی مگر ایک ایک عضو سے اس کا زور ٹھک رہا ہے، جب ممتا نے اسے اصرار ہوا تو بچے کی پتا ہے اس کے پاس۔“ وہ ناشدہ ہوا آنکھوں پر سے ہبک ہبک کر دینے لگی۔

جب ایک لفظ نہیں بولا انھیں حتیٰ سے بند کیے چپ بیٹھا تھا۔ جیسے اسے بھی وہ درد محسوس ہو رہا ہو اور انہوں نے روانہ کر دیا تھے۔ ہاتھ کھائی کی ہو کر بھی پانی کا گلاس لے کر عاشق کے قریب ہو گئی۔ ”تھیں۔۔۔ اب آپ ایسے تو درد میں، بلکہ اسے سمجھائیں۔ کسی کی تو اس کی سمجھ میں آئے گی ناں۔“ انہوں نے دوپٹے سے حتیٰ سے ناک دھو کر انہیں تھیں میں سر ہلایا اور پانی پی لیا۔ ☆☆☆

وہ اپنے آپس فانی جانے کے ارادے سے لگا تھا۔ گاڑی فرائی کرتے ہوئے خود بخود اس کے گیت کے آگے بڑھ گئے۔ عموماً اس وقت اس کی گاڑی گیت سے یا تو باہر نکلتی تو اس کی یا فرائی ہوتی تھی۔ اس کے آگے لپٹ جانے کا بھی وقت تھا مگر اس وقت گیت منہ کی طرح تھی سے بندھا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ اس نے دو گن دن تک اپنی ہی گھر مامد کر کوئی چار گھنٹے آتا تھا اس وقت تو کبھی دسک پری گلی شیر کا منہ چاہے کی طرح اٹھتا تھا۔ تھیں اس نے زور دیکر بھائی کی تفریح یا تفریح میں ہر شے کے گیت کو کھاتھ اس کا لباس کھانا، انھیں ہینڈ سے بوجھ لیں، جیسے ابھی سے دار ہوا ہو۔

”کہاں تھے۔۔۔ میں کب سے گیت بجا رہا ہوں۔“ جنڈ کی برہی پر اٹھ لگے ہاتھ سے جمانی روکنے بھاری آواز میں بولا تھا۔ ”خیریت۔۔۔“ ”ہاں خیریت ہے۔“ اسے گیت میں کھرا کچھ

کر وہ کوئی زندہ سا ہوا۔ ”کہاں ہے تمہاری میڈم۔۔۔ راستہ چھوڑو۔“ وہ قدر سے ساکنہ پر بیٹے ہوئے تیار تھا۔

”وہ تو پرسوں شام سے اپنی سہیلی کے گھر گیا ہے۔“ ”سہیلی کے گھر۔۔۔“ ”جب نے اچھے سے کہا تھا وہ زور سے کسی میں سر ہلانے لگا۔ ”کسی سہیلی کے۔۔۔ اور وہ بھی پرسوں سے۔۔۔ جاتے ہوئے کچھ بتا نہیں۔“

”کسی سہیلی کا تھا کہ کئی کے یہاں جا رہا ہے۔۔۔ دو تین دن تک آجائے گا۔ مگر کا دھیان رکھنا۔“ گلی شیر کی بات پر اس کی تیرانی سو اسی یک نیت ایک کون سی بچی پر ہوتی تھی جس کے گھر مردوں سے ملتی ہوئی ہے، بتاتے تو وہ کسی کہیں نہیں گئی۔ کہاں جا رہی ہے۔“ سوچوں کے گھوڑے دوڑاتے وہ سر کھینچے سے اچھا کہہ کر پنا تھا۔ پھر واپس اس کی جانب گھولا۔

”جب آجائیں مجھے فوراً کال کرنا۔“ کہہ کر وہ گاڑی میں آ جیٹا ایک باہر جا کھائی پر بند کی گھڑی پر اس نے وقت دیکھا تھا اور گاڑی اسٹارٹ کی۔ پھر اسے آگے لپٹ جانے کا خیال آیا اور فوراً ہی مٹی کو کال ملائی تھی۔ اسے پھر یقین تھا وہ مٹی کو ضرور بتا کر رہی ہوگی۔ لیکن اس نے فون اٹھاتے ہی بتایا۔

”نہیں سر۔۔۔ ہم تو کئی دن سے اوپر نہیں آ رہی۔ طبیعت خرابی کا بتایا تھا، پھر کچھ کنٹرول کے سلسلے میں دیا جاتا ہے، بلکہ مجھے تو خداں سے کام تھا، کچھ مشورے کرنے تھے۔“

”اچھا نہیں ہے۔“ ”جب نے اس کی بات کاٹی۔“ ”آپ انہیں فون کریں، بتا کر میں کب آ رہی ہیں۔“ ”آپ جسے کہتے ہیں اس کا تمام تر دھیان اس کی جانب تھا۔ کئی بارس کا کبیر ملایا مگر ایک ہی جواب مسلسل آ رہا تھا۔

”مطلب یہ کہ کسی کے استعمال میں نہیں۔“ فون بند کر کے اس کا کچھ شے سے بدل گیا تھا۔ سارا وقت

وہ کوئی میں چلا رہا۔ شام میں واپسی پر وہ سب سے پہلے ادھر ہی گیا تھا۔ گیت گھلتے ہی شریک سے پوچھا تھا۔

”ہم کس میڈم۔۔۔“ ”نہیں صاحب۔۔۔“ ”کونسی فون۔۔۔؟“ اب اس نے نہیں بھی زندہ کھا صرف فون میں ملا دیا۔ ☆☆☆

گاڑی سے نکل کر وہ لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔ وہاں سب لوگ تقریباً ان ہی چھپوں پر بیٹھے تھے جہاں صبح وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ محل پر دھمی چاٹنے کی چالوں سے پتا چلتا تھا کئی دن پہلے جاتے ہاں کر رہی تھی ہے، جس پر بھی تھی یہ سلسلوں میں شے کر رہی کنارے چھوڑ کر رہی تھی۔ محل پر چائیاں موبائل رکھتے اس نے حیرت سے عائد کر دیکھا تھا۔

”کیا ہوا۔۔۔ صبح سے یہیں بیٹھے ہیں۔“ ”صبح سے کیوں۔۔۔ ابھی کچھ پر پہلے ہی آئے ہیں۔“ انہوں نے ہنسونوں سے رضاحیات کی جانب اشارہ کیا۔ ان کے ماتھے پر پریشانی کا چال تھا۔ انہوں نے جب کی جانب نگاہ اٹھاتے تھے کہ انداز میں پوچھا تھا۔

”وہ کچھ تو پتا ہے، کہاں ہے؟“ ”لہجہ تو وہ ساکت رہ گیا کہ بھینا کوئی ٹو پڑ ہے، وہ متاسف سا منہ سے پوچھا تھا۔

”آپ کو کیسے پتا چلا کہ گھر نہیں۔“ ”مجھے پورا یقین ہے، وہ سیرین کی طرف مٹی ہوئی، مرن کو لینے۔“ ”آپ اس کی۔۔۔ نام کے اہل اعزاز پر رضاحیات نے جب سے سیرین کے گھر کا پوچھا تھا۔ اس نے کسی میں سر ہلا دیا۔

”ان کا تو نہیں ہے، محل کے پاس ہوگا، ایک منٹ۔“ اس نے محل سے موبائل اٹھا کر ایک خبر ملائے کہا تھا۔

”سوچی کا ہے۔۔۔ ان سے پتا چل سکتا ہے۔“

☆☆☆

آ کر کی پہلی پہلی حالت نے اسے اندر تک۔ مگر کتنا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اسے نہیں کی کا احساس ہوا تھا۔ کوئی کنڈھا تو ہوتا جس پر وہ سر رکھ کر روئی تھی۔ الا لان کا دکھ اپنی جگہ آ کر جو کچھ نہیں کر رہی تھیں، انہیں پورا کرنا ہے خود اصرار تھا۔ خیام دکھانے تو آ کر نہ ہے ایسے منہ پھیرا تھا، جیسے کسی اس سے اچھی رہا ہے نہ۔ طبیعت کب پوچھا گوارا نہیں کی۔ اس کے کچھ پر پہلے آ کر بچیں سے دودھ سے بھرا چھوٹا سا فیڈر ہاتھیں باہر نکلیں۔ محل پر رکھے گھداں میں سارے پھول نکال کر باہر پھینکے، اس کے سوراخ میں فیڈر کا ٹیبل مگسا دیا۔

”یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟“ ”اعمال انہیں دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھی تھی۔ آ کر نہ ملنے سے اعمال کو کھر کا گھداں کو خود سے پلٹاتے دوسری جانب منہ موڑ لیا۔

”کب سے بھوکا ہے الا لان۔۔۔ دودھ دے رہی ہوں۔“ الا لان کے بچپن کی چیزیں جانتے کہاں سفید کر رہیں ہوئی تھیں۔ کسی کوئی، کوئی نکال لائیں، جس چیز کو دھمتی اس پر چڑھانا شروع کر دیتی، منہ کرنے پر جو وہ اپنا اور سارے والے کا حشر کر دیتی تھیں، وہ بیان کے قابل نہیں تھا۔ اس وقت بھی اعمال ان سے فیڈر پکڑنے کو آگے بڑھی، انہوں نے منہ سے اسے گھداں دے مارا تھا۔

”تھی جانتے تھے کیا ہے، خود نہ کیا کہ۔۔۔ مجھ میں نہیں آتا۔۔۔ میرا بچہ اٹھ جائے گا۔“ ”بروقت اعمال سمجھنے نہ کر لی، بھینا اس کا سر تھما دیا۔ وہ آگے بڑھ کر ان سے لپٹ کی اور زار زار زور سے لگی تھی۔

”ای الا لان آپ نہیں رہا، آپ کو یقین کیوں نہیں آتا۔ اسے ہم نے کھو دیا ہے۔ وہ اب نہیں آئے گا۔“ ”اللہ کے واسطے خود کو سنبھالیں۔“

”محل دے ہو۔“ انہوں نے اسے دھوکا ہاتھوں سے دے دیا۔ ”میرا بیٹا کب نہیں ہو سکتا۔ وہم

نہیں ہوا اعشال..... وہ تو اس منہوں کی نخست  
بر سے گھر پر ڈنگی، پہلے اپنے ماں، باپ نکل گی،  
یہاں آئی تو خوشی میں تاجی چادی۔ اس کی وجہ سے  
ہو ہے، اس کی وجہ سے..... ”وہ زور، زور سے جھنجھ  
جائیں، روئے جائیں، پھر آنسو پونچھ کر اعشال کو  
چھوڑنے لگیں۔“

”جیسے تاجی، وہ جانتے وقت کھر گئی تھی، کیا  
بیرا کوئی خدا نہیں، اعشال میں اس کے یقین کی پڑ  
میں آگئی تڑا سے ہلا لگا۔ میں اس سے معافی مانگ  
لوں گی۔ پاؤں پکڑ لوں گی۔ میں اذلان کے بغیر نہیں  
رو سکتی۔ اسے کھیر اذلان بھجھ دے۔“  
دوڑنے ہوئے کھیر اذلان بھجھ دے۔  
بہت مشکل سے اس نے انہیں قابو کیا۔ دوادے کر  
سلا گیا تھا۔ ان کی بڑائی کیفیت سے کھر کی ملازمت کی  
قریب آئے ڈرٹی تھی، کئی بار اس کے ہال اور منہ  
نوج لگا تھیں۔ ایک اعشال عیسیٰ جو بری طرح جگی  
میں پس رہی تھی۔ روئے کے لیے اندر سے ابال  
اٹھتے تھے۔ آنسو آنکھوں کے کناروں پر آ کر پکڑ کر  
مانہ سخت برف کی طرح سرد ہو جاتے تھے۔ اس وقت  
بھی وہ ایسی کیفیت میں تھی، جب لینڈ لائن نے  
لاؤنج کے سکوت کو توڑا۔ اس سے پہلے کہ آنر کی  
آکھ کل جائے وہ تیزی سے فون کی جانب بڑھی  
تھی۔

”جی.....؟“

”میں جنڈ بات کر رہا ہوں، اسلام آباد  
سے۔“ اس گھر کے کینوں کے لیے یہ نام غیر معروف  
نہیں رہا تھا۔ اس کی آواز سننے ہی اعشال کی  
آنکھوں میں سر جھپکیں ہی مگر نہیں۔  
”یہ نہ پاکستان ہوتا، نہ دلیلوں پر دلیلیں اٹھتی  
ہوتیں۔ اس سوچ نے اس کے لیے میں ایک نئی سی  
جبردی۔“ ”فریڈا کیم۔“

”بیرا کا کل سے بات کر رہا تھا، پلیئر.....“  
”وہ اس وقت گھر پر نہیں ہے، کھر کی اور وقت  
کر لیجئے گا۔“

حالانکہ میرا کھر پر ہی موجود تھے، مگر اپنے  
کمرے میں توجہ مبذول کے چلے جانے سے انہیں  
بالکل چپ لگ گئی تھی۔ کھر سے کیا نکلتا، کھر میں  
دھنکی نہیں دیتے تھے۔ اعشال کو پتا تھا وہ بات نہیں  
کر رہی ہے، اس خیال سے اس نے کہا اور فون بند  
کر کے گی پر جنڈ جلدی میں ہوا تھا۔  
”اچانک کیا! مجھے بریذ صلیب کا نمبر چاہیے.....“

آپ دے سکتی ہیں؟“  
”نہیں مجھے زانی تو نہیں یاد..... میں ڈھونڈتی  
ہوں۔ آپ بعد میں کال کر لیجئے گا۔“ اس نے فون  
کھت سے بند کیا تھا اور بعد میں بہت دیر چھتا جی  
تھی۔ اس سبب میں اس کی آنکھیں، لیکن ہم بشر  
ہیں۔ جتنی مٹی سے بنے خاکی، غلطی کو کون سے یا  
سودھارنے کے بجائے، غلطی کے سبب کو پیٹنے لگ  
جاتے ہیں اور ان سب غلطیوں میں ایک بہت جنڈ  
بھی بنا دیا گیا تھا۔

☆☆☆

برینڈ سے رابطہ کرنے کے دو ہی ذریعے تھے  
یا تو فیصل آباد اس کے گھر جایا جائے، یا پھر بمبیل سے  
پتا کر لیا جائے۔ کچھ دیر بعد اس نے کال بمبیل کو  
ملائی تھی۔ ”جودری فون پر ریسیو ہو گئی۔“  
”ہاں جنڈ، خبر تیریت، اس وقت کال.....“  
اس نے تاج پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا، تقریباً نو  
بج رہے تھے اور اس وقت پاکستان میں رات کے  
بارہ بجتے والے تھے۔

”کی تیریت ہی ہے۔ دراصل مجھے برینڈ  
صلیب کا نمبر چاہیے۔“  
”نمبر پتہ کیا کا نمبر۔“ اس کے اچھے سے  
دہرائے نہ پرکان میں کھاتے عدان کے کتاز کے  
ہو گئے۔ وہ چھپے ہاؤں میں چھوڑ کر تیزی سے پاس  
آیا۔

”ماما کافون ہے؟“ ”مبیل نے اشارہ سے  
انکار میں ہلا گیا تھا، کھر عدان کو یقین نہیں آیا وہ چپک  
کر ساتھ ہی بیٹھ گیا اور لچکی نظروں سے مبیل کو

دیکھنے لگا۔ اس کی معصوم گرے آنکھوں میں کچھ ایسی  
انجامی، مبیل کا دل اندر تک ڈکی ہو گیا تھا۔ وہ کھر جی  
دوسرے دن اس کی برینڈ سے بات کر دیا تھا اور ہر  
کال پر وہ اسے ساتھ لفظوں میں چھتا جی۔  
”دیکھو عدان، آپ نے اب مبیل بابا کے  
ساتھ ہی رہتا ہے، میں آپ کی کامیابی ہوں۔ آپ  
کی ماما، روایہ ہے۔“

”نہیں..... آپ میری ماما ہیں۔“ ”عدان کے  
دل سے سکھان لفظیں..... مجھے دعا ہے کہ پاس آنا  
ہے۔ عشا اب کہاں ہیں۔“  
”یہاں اب کوئی آئی نہیں رہتی، سب اپنے  
اپنے ماما، بابا کے پاس چلے گئے ہیں۔“ ”جیسے آپ گئے  
ہو وہاں خوش خوش رہو، پھر مشورہ بابا آپ کے لئے  
آئیں گے۔ اگر کھک گئے تو نہیں آئیں گے۔“  
”برینڈ اسے بھلائے بھلائے کے لیے کتنے جھوٹ  
کے سہارے لگتی۔ وہ معصوم بچہ تھا کھر کی وقت مبیل  
جاتا، کھر اس کو ہوتا، کھر روئے لکڑی اس قدر کم  
تھی، اس کی کھجھ میں سارا قصہ آتا تھا آسان نہیں تھا،  
بس اس کی ذات میں عدم تحفظ بھرا جا رہا تھا۔ اس  
وقت بھی کھر حشوت زدہ نگاہوں سے مبیل کو دیکھ رہا  
تھا۔ اس نے اپنا بازو اس کے کندھے پر پکڑا کر اسے  
اپنے قریب رکھ لیا۔  
”نمبر برینڈ کر رہا ہوں، مگر تم نے کرنا کیا  
ہے، کوئی کام ہے؟“

”ہوں.....“ جنڈ نے ٹھٹھ سے کہا تھا۔  
”روایہ پر سوں سے کھنکی ہو گئی ہے، کھر فریڈا کا  
بتا کر۔ میرا خیال ہے شاید برینڈ.....“ مبیل اس کی  
بات میں ہلکا ہوا تھا۔  
”نہیں واقعی نہیں پتا وہ کہاں ہے؟“ جنڈ  
کی تیریت سے نمٹو میں سمٹ گئی۔  
”جی..... وہ بتا کر نہیں لگی، ہم سب بہت  
پریشان ہوئے ہیں۔“  
”پھر پریشان مت ہوں۔“ ”مبیل نے کھک اس  
طرح کہا، جیسے اسے معلوم ہو وہ کہاں ہے۔ تب ہی

جنڈ پہلے چلا۔  
”کیا مطلب.....“ آپ جانتے ہیں وہ کہاں  
ہے۔“ ”مبیل اب چپ تھا، وہ اسے اختیار کرنے لگا۔  
”نہیں آپ.....“ ”نمبر مطلب ہے وہ آپ کے ساتھ  
جڑی.....“ ”ک رک کر پوچھتے ہی خود تیریت  
ہو رہی تھی، وہ کھکے کھکے کھکے کھکے کھکے  
”نمبر مطلب بھائی بتائیں وہ کہاں ہے۔ کیا  
واقعی وہ آپ کے ساتھ ہے۔“

”نمبر سے ساتھ.....“ ”وہ پکڑا جا رہا۔“ ”جتنا  
میں اپنے معیار سے چپکا ہوں، کیا وہ میرے ساتھ  
آ سکتی ہے؟“ ”اسے اپنے کے بٹلے سے خود تکلیف  
محسوس ہو گئی۔“ ”آپ کو وہاں نہیں لے گی۔“ ”مبیل کی نگاہوں کے  
سامنے سفید بھولوں میں اگلے کارڈ پر درج تحریر کھوم  
گئی۔“ ”ان پکڑلوں سے رنگ اور خوشبو اڑ چکی ہے، سو  
پاسے کی خواہش مت کرنا۔“  
”میں سمجھاں آپ کی بات۔“ ”مبیل کی سوچ  
کا رنگارنگ جنڈ کی آواز نے توڑا تھا۔“ ”آپ کیا کہنا  
چاہ رہے ہیں۔“

”جنڈ میں چپ کھر رہا ہوں، وہ پاکستان میں  
نہیں ہے، وہ آسٹریلیا جا چکی ہے۔“ ”جنڈ کی  
بھونڈوں کے سر سے آہستہ آہستہ سننے اور پھر پھیلنے  
پھیلنے اس کی پوری آواز میں مل گئی۔  
”ابا مایے ہو سکتا ہے، وہ نہتا ہے اتنا بڑا  
فیصل نہیں کر سکتی۔“ ”صرف جنڈ ہی کی نہیں باقی  
تمام اہل خاندانی کھر کی سوچ کی۔“ ”فیصل انسان کے اختیار  
میں ہوتے ہیں۔ یہ تو ملے ہوئے ہیں اور یہ  
اختیار میں باقی کھر کی سوچ ہے۔“ ”جنڈ اس کی  
پکی سوچ سے، حالانکہ کھر سے ممتاز چھل انسان  
کو دے کر فیصلوں کی کوئی تہاڑی لگی ہے۔ پھر کھوار  
بڑھتے جاؤ اس کی عقل کی کوئی پکڑا انرا تھارانی کو  
بھانے کے لیے جلد از جلد یہاں سے چلے جانا  
چاہیے۔ بہت سے لوگوں کے بچے سے وہ یوں آسانی  
سے چلے گئی تھی جیسے کھر یہاں دہاں رہی نہ

ہو..... ہم سب سے پی پل پر تھی۔

جذب انگوٹھوں کی پوروں پر بیٹانی کیلئے بہت دیر کچھ سوچا رہا۔

☆☆☆☆

سرزمین وکٹوریہ اس کے لیے کوئی اجنبی نہیں تھی۔ باقی سال بعد میں اسے اپنے قدموں کے نشانات یاد کیا وہاں کھائی دے رہے تھے۔ تمام مناظر کی تلاش بیک کی طرح اس کی نگاہوں میں چلے گئے اس کی تیز نظر کو انگریزوں پر ایک ایسی توجہ مرمیہ و معصوم کرے آٹھوں کی کسی سواول سے براہین سے بھری اس کی جانب اٹھیں۔ وہ آٹھیں بہتی سانسوں میں سوئی کی طرح چمچیں۔ شہر تکلیف سے ہلے بھر کے لیے آٹھیں بند ہوئیں اور گلے پر دھانچا چلایا جاتا۔ وہ ایئر پورٹ سے سیدھی اپنے فلیٹ کی طرف گئی۔ وہیں بھینٹوں کا حساب اس کے سامنے تھا جو ہو گیا تھا۔ وہ یہ تک بھول گئی تھی۔ ان کا کرانے کا قلیف تھا اور باقی سال گزرنے پر وہ اس کے بخار میں بند ہو گیا تھا۔

ڈورنٹل دینے پر دروازہ ایک اجنبی عورت نے کھولا تھا اور جب اس نے اپنا تعارف اس کی فلیٹ کی موجودہ مالک ہونے کے نامے سے کروایا پل بھر کے بعد روایتی ٹھیکہ پیس پر اس کی یادداشت کوٹنے کی اور پہلی سی سی ٹی ویس کرنا تعارف کروا دیا۔ وہ سوڈانی عورت بہت خوش اخلاق تھی۔ اسے اندازے کی عورت دی۔ اب بائیس سو پچاس والا کمر تھا۔ جنہوں نے کمر میں خرب کھل عمارت کی۔ اس نے دالی کو ان کے ساتھ کھینچے کے لیے کہا مگر دالی کو کیا ہو گت

بھاری عمارت پہنچے پندیس آئے تھے وہ اس کے ساتھ چلی بیٹھی رہی۔ روایتی سنگ روم میں بیٹھی ایک ایک چیز کو ایک ایک دیکھ رہی تھی جیسے سب آج آ کر لگی ہوں۔ درد و پوار فیمر، پیٹنگ، کاہر، سب وہی سے صرف مبین بدل گئے تھے دروازے کے ساتھ ایسی چھوٹی سی سلطہ پر چھائی اس کی نسل باقی رہی۔ اسٹک روم کی اب ہاں صرف پکڑ پکڑ رہے تھے۔ اسے اپنے کانوں میں ازبیر

”میں کبھی نہیں نا، وہ ڈھنڈا اور دھنڈا ہے، اپنے اس محل سے بھی اس نے ثابت کر دیا۔ یاد ہوگا اپنی شادی پر اس طرح خند ہانڈہ کی۔ پھر میری شادی پر اس کے اندر میرے کی پروا کے بغیر یہ بھی کہی گئی۔ اپنا۔ اپنے باپ کا کمر مٹوں میں چھوڑ آئی اور اب تو حد ہی کر دی اس نے، پل اس کی ٹک چھوڑا جاتا ہے۔ کیا اس کے اندر عدل کے لیے کچھ نہیں ہوا۔ یہی ہے جس ماں سے وہ۔“

”چپ کر جاؤ مام!“ رضا حیات اتنی زور سے دھاڑے نام کی پوری آٹھیں کل کی تھیں۔ وہ جتنے بھی میں ہوں مگر مام نام آج سے پہلے کسی نہیں کھڑا تھا۔ وہ وہاں سے اٹھے اور تیزی سے اپنے کمرے کی جانب چلے گئے۔

”میں نے اپنا کیا کبہ، بڑا جتنے خفا ہو کر مجھے ہیں۔“ مام رو پنا لے گئے میں ہل گئی تھی۔ جذب نے کچھ کھینچنے کے انداز میں سر ہلاتے کہا تھا۔

”اتھیں دکھ ہے مام..... وہ ان کے بہت گھر سے دوست کی بیٹی ہے، اتنا سب کچھ کہنے کے

باد جو درجہ نام بھی روایتی کی بے اعتدالی کی لٹ میں شامل ہو گئے میں نے پہلی سیرین کو اس کے کمر کا رستہ دکھایا تھا شاید وہ میرے خوف زدہ ہو کر چلی گئی ہے۔ جانے اب کیا کرے گی۔ صفحہ میں داغ کا کام چھوڑتا ہے۔“

”میرا تو قصور نہیں ہے ناں۔ مجھے کیوں ڈانٹ رہے ہیں۔“

”تم بھی تو چپ نہیں کر رہیں..... بولے جا رہی ہو۔“ ماما نے اسے زری سے کمر کا تھا۔ ”اور جو تم سمجھ رہی ہونا۔ عدل کا سے یقین نہیں آ رہا۔“

اس کاروائی کے لیے خوف زدہ ہوا اور پھر چھپ جانا اس ہی بات کی دلیل ہے اسے یقین آ چکا ہے، وہ رانی کو دینے سے ڈر رہی ہے۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔ وہ خرواش تیر سے لٹکی کے عدل کی تپ اسے نکالے گی۔“

مریم کی آواز میں کوئی محسوس ہوئی۔

اسے لگا جتن میں کھڑ پڑ کر مریم بہت دیر سے اسے آواز دے رہی ہیں۔ ”روایتی،“

”میں ماما۔“ پھر اسے ہی کہنے پر کھیلی کی ہو گئی۔ وہ خوش اخلاق عورت اسے کھانے پر روکنے کی مگر یہاں اس کا دل یک لخت اٹا ہوا تھا۔ وہاں کا مزیں کا دھوا رنگ رہا تھا۔ اسے اپنے مشتعل کام کا بندوبست کرنا تھا۔ وہ وہاں سے لینا فیز رک کی طرف آئی کی۔ وہ اس پوری عمارت کی لینا فیز تھیں۔ کوئی نہ کوئی فلیٹ ضرور خالی ہوگا۔ اور اگر کبھی کسی

توجہ کسی اسے یوں سے روساں رہے نہیں دے دیں گی۔ کمرے کے لیے ہی کسی مردہ اپنے کمرہ کی لین گی۔ اسے دونوں میں اس کی رہائش کا بندوبست ہو جائے گا۔ اس کا چہرہ تو سخت اور بے اختیار ہے لگا سا پھر کچھ کیا تھا جب لینا فیز رک کی کھانا دروازہ کھل گیا۔ جتنی سے کھولا تھا۔ وہ روایتی کمر بہت اچھی طرح جانتی تھی اور بہت محبت سے ٹکی ہوئی تھیں جب اس نے لینا کھاتا تھا۔

”اتھیں تو فوٹ ہوئے تین سال کا عمر بہت مکیا۔“ روایتی سائیکس کی ہو گئی تھی۔ پاکستان سے وکٹوریہ تک کا سفر، اور پھر اسے کمر کو کی کیا کھانا دیکھ کر دل پر لگتے پھولوں سے روکے آٹھ اسے اندر سے جیسے بڑا کھلی اس کے چہرے پر الٹ گیا وہ وہ کھینچنے کے لیے کوئی آواز سے روٹی تھی۔ زوٹی (لینا کی بیٹی) کو اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ رانی الگ پر بیٹھ گئی۔ ماں سے بچی۔

”روایتی..... اتنا تو میں نہیں روٹی آئی کو یاد کر کے۔“ جنہیں کیا ہو گیا ہے۔

”اتھیں چند دنوں سے ایسے ہی کچھ ہو گیا ہے۔“ رانی کے زونے کچھ سے اس نے آنسوؤں سے تر چہرہ پر اوپر کھٹایا چہرہ دیکھنے سے اسے لگتا تھا سفید روٹی پانی سے خوب بھری ہو اور کنارے بوجھل ہو کر پٹ پٹ سے قطرے پھینکتے ہوں۔

”زونی مجھے تو کچھ نہیں ہوا، دیکھو میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ اس نے اپنا چہرہ گردن شانے، تمام بدن جھپٹ کر یقین دہانی کروائی۔ ”میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ مجھے کچھ نہیں ہوا، مجھے کچھ بھی نہیں ہوا، میرے ماں باپ قسم ہو گئے، مگر قسم ہو گیا، میری شادی جاہ ہوئی، سب اچھا۔“ اس کے وجود میں ایک بھلا لڑکا تھا۔ ”سب سب زوٹی جاہ ہو گیا۔“ لیکن میں ٹھیک ہوں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھے بھڑکائی نہیں پڑتا۔ کچھ بھی تو نہیں پڑا اور اب لینا کی نہیں رہیں۔“

اس کی آواز میں درد کی اتنی آمیزش تھی زوٹی کا دل چر گیا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کے کانچے شانے قلم لیے۔

”روایتی کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ۔“ تم ایسی تو نہیں تھیں۔“ وہ اس کے ساتھ لپٹ کر بہت سا روٹنے کے بعد کھیاٹ سے الگ ہوئی ہاتھوں کی پٹ سے چہرہ صاف کرتے جتنے کی۔ چلوں سے فونے آ زری آخری قدر سے اور گھائی ہوئوں پر مسکراہٹ۔ آہ۔

”کچھ نہیں ڈیر۔“ اس نے اپنا چہرہ بالکل پوچھ لیا تھا اب صرف مسکراہٹ تھی، کھلیاٹ مسکراہٹ۔ ”ابن ایسے ہی بھرا آیا۔“ وہ اس کے پاس سے اٹھ کر لینا کے بندروں کی جانب رخ کرتے تھا۔ ”مجھے اب آرام کرنا ہے، میں لینا کے روم میں جانا چاہتا ہوں۔“

”ہاں ہاں ضرور۔“ پہلے کھانا کھاؤ۔ پھر جتنا مرضی آرام کرنا۔“ پہلے ٹھیک سے بات کر کے۔“ وہ دھیمے مسکرائی تھی۔ کھانے کے دوران بس کھلی کھلی باتیں ہوتی رہیں۔ الیت زوٹی نے کھانے کے دوران ایک بات ضرور کی تھی۔

”میرے بیک کھانہ میں جی تم سے بالکل نہیں ملتی، مگر یہ ہے کہ چاہتا ہوں۔“ جی تو جب چھوٹی تھیں بہت بڑی تھیں۔“ ہفت پٹ پٹ رانی کی طرف بہت مزید جھیل گئی اور روایتی کے چہرے پر کھڑا اثر کھیل گیا

تھا۔ وہ تقریباً تین چار دن زڈنی کے ساتھ رہی تھی۔ اس کے بار بار استخارہ صرف اٹا بتاتا تھا۔  
 ”میان سے معمولی رنجش پر علیحدگی کا فیصلہ کر لیا۔ سو اب کیا آئی گی۔“  
 ”لیکن تم روتے ہوئے بیٹے کا ذکر کر رہی تھیں۔“ زڈنی کو بہت اچھے سے یاد تھا اور ردائیہ کو اب بات بتانے میں کمال ہونے لگا تھا۔  
 ”ہاں تو رانی کی بات کر رہی تھی۔“ وہ اسے مجھ سے بچیں لینا چاہتا ہے، اس کے لیے سچے چاہتے آئی گی۔“  
 ”یہاں کیا کر دی گی؟“ اگلا سوال پہلے سے زیادہ مشکل تھا۔  
 ”جواب۔“ کوئی جواب دیکھوں گی۔۔۔۔۔ اپنی بیٹی کی پرورش کروں گی اور بس۔“ اس نے ایسے کندھے اٹکائے جیسے سب سے بڑا سنا ہے۔  
 ”دوسری شادی کا نہیں سوچا۔ میرا مطلب ہے بہت تک ہو۔“ زڈنی اس کو۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔  
 ”ایک تجربہ ہے کیا؟“ لہجہ جا تو کی طرح تیز ہو گیا تھا۔ زڈنی نے مزید کوئی بات نہیں کی ابھی تھناؤں کے ساتھ اس نے رخصت کروا دیا تھا۔  
 ☆ ☆ ☆  
 اس کے سامنے ڈاکٹر بے شہر کا اہدام پھیلا تھا۔ موسم اور سال کے بے فرقہ جو اسے پھر سے پر روز مرہ کا تاثر پھیلائے پھری ہوئی گی۔ اپنی بلڈنگ سے نکل کر وہ بھی ان سب کا صحنہ بن گئی۔ اسے یہاں سے بس وے کی جانب جانا تھا مگر وہاں سے ریلوے اس کی رات ٹھوہر سے بات ہوئی گی۔ بہت اچانک اس کا فون ٹھوہر کے لیے حرکت اور خوشی کا باعث تھا اور جب اس نے کہا۔ ”آپ کہاں ہیں، مجھے آپ سے ملنا ہے۔“  
 ”میں برہمن میں ہوتی ہوں۔ مگر تم کہاں ہو۔“  
 ”ڈاکٹوریہ۔ میں وکٹوریہ میڈی ہوں۔“

”مگر۔۔۔۔۔“ ٹھوہر کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔ ”کس کے ساتھ؟“  
 ”اپنی بیٹی کے ساتھ۔“  
 ”دیر لگی۔۔۔۔۔ یعنی میاں کو چھوڑ آئیں۔۔۔۔۔“  
 زبردست۔۔۔۔۔ ردائیہ اب چپ کی اس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا البتہ ٹھوہر یہ خوشی کے باعث بولے چاہی گی۔  
 ”کئی بے خبر کھڑے منہ کے بجائے، میری شکل کے منہ سے کئی، بڑی تنہائی وہ میاں کو چھوڑ کر میرے پاس آئی، مگر ایسا نہیں ہوا۔ ہمارے باپ نے میری بہن مجھ سے بچیں لی تھی۔ میں یہ بھی نہیں بھولوں گی۔“ اپنے باپ کے لیے ایک لفظ بھی سنتا اس کی پرداشت سے باہر تھا لیکن کتنی وہ اس وقت مجبور ہو چکی تھی اسے سب کچھ برداشت کرنا پڑا تھا۔ وہ کو فتنہ زدہ آواز میں پھر سے گویا ہوئی۔  
 ”آپ نے کہا تھا کہ آپ میرا انتظار کریں گی، سو اس وقت مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ بتائیں کریں گی۔“  
 ”ہاں بالکل کہا تھا اور میری شکل سے بھی کہا تھا، مگر وہ لوٹ کر نہیں آئی۔ پر اب یہی کسے تیز کرنے کے لیے سے اٹھ کر پڑے اسے کہا تھا۔ اگر کہیں اس کی ضرورت نہ پڑی مگر بھاری اولاد کو ضرور پڑے گی، وہ یہ لینے ضرور آئے گی۔۔۔۔۔ اور وکٹوریہ آگئی ہو۔۔۔۔۔ مجھے خوشی ہے، میری بات ضائع نہیں رہی۔“  
 ”وہ تو یہی کہیں آگئی کہ بددعا میں نہیں، جو یہاں تک لے لے نہیں چکے۔“  
 ”نہیں! ڈاکٹر بلڈنگ سے میری محبت تھی۔ خیر چھوڑو تم نہیں سمجھو گی۔ میں ایڈریس کیل کرتی ہوں، تم آ جاؤ۔۔۔۔۔ میں تمہارا منتظر ہوں۔“ ٹھوہر کے پاس جانے کا فیصلہ اس نے جذبات سے نہیں بلکہ پیرچہ کچھ کر کے کیا تھا۔ اسے شک وہ از میر کو برا ضرور سمجھتی تھی لیکن پیرچہ کیل کے بعد سے وہ ایسے بہت محبت بھی کرتی تھی۔ اور اسے اس وقت ایسے غلط فہمی کی ضرورت کی جو بیٹنا اسے تحفظ دے۔

صبح ہوتے ہی وہ مطلوبہ ایڈریس کے لیے نکل گئی۔ بس وے کی جانب بڑھتے ہوئے وہ چوڑی سڑک پر اس کر رہی تھی صرف لمبے کا مکمل تھا اس کی پس بھری کھلی رانی رانی کو اس سے پیشہ کے لیے بچھن لگتی ہیں رانی کو جس کے لیے وہ اب جانے سے گرا نے کو تیار تھی۔ جس کے لیے وہ اسے اندر سے لڑ رہی تھی اپنی سوچوں میں رانی کا کا تھا تھا سڑک کے درمیان میں پہنچی تھی جب ایک سائے سے تیز رفتار گاڑی اس کی خوف سے اس کی آنکھیں منہ پھٹ گیا۔ آن داد میں اس نے رانی کا بازو تیز سے لے لیا جانب بھینچا اور گود میں اٹھا لیا تھا۔ زڈنی سے مگر زور کا ڈی کو وہ خود غرت سے ٹھوہر رہ گئی۔ رانی اس کی گردن میں منہ چھپائے تقریباً کانپ رہی تھی۔ ردائیہ نے بھاگتے ہوئے سڑک پر اس کی اور دوسری جانب کراسے پھرا لیا تھا۔  
 ”یہاں سڑک کراس کرنا اتنا آسان نہیں ہے رانی۔۔۔۔۔ یہاں کے لوگ تیز ڈرائیو کے عادی ہیں۔“ رانی کے خوف پر قابو پانے کے لیے وہ اسے سامنے سے پراسٹور پر لے گئی۔ وہاں اس کی پسندیدہ چیزیں بکے کر دیے گئی۔ چیزیں خریدنے کے دوران اس کا دھیان بار بار اس معصوم بھوتی کی صورت کی جانب جا رہا تھا۔  
 ”کیا میری زندگی اسے گود میں اٹھا کر سڑک پار کر دانی ہو گی۔“ اس نے سر جھٹک کر خود ہی تڑپ کر ”کیا“ ہاں بالکل۔۔۔۔۔ وہ اس کا بیٹا ہے، وہ اسے بچائی ہو گی۔“  
 رانی سکون سے چاکلیٹ اور جوس اٹھا اٹھا کر باسکٹ میں ڈھک رہی تھی۔  
 ”وہ خوف کے وقت کسی کی گردن میں منہ چھپاتا ہو گا۔ اپنی ماں کی۔۔۔۔۔ اور کسی کی۔“  
 ”کیا، وہ۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ میں تو دف سے بتا لفظ ہاں تین کر کیوں کی طرح اس کے دل کو کھینچ کر کیا تھا۔“  
 ”کون سی ماں۔۔۔۔۔ کون ہے اس کی ماں۔۔۔۔۔ اسے جیتا کا سنا ہو گا میری زندگی۔“ زڈنی کو کس کے

باوجود وہیں پار پار پلٹا تھا ”اللہ“ اس کے اندر سے ایک ہولک سی گئی۔  
 ☆ ☆ ☆  
 خوش فوہ کی دونوں سے بھی اگلا تھا اس کے قدم زمین کے بجائے، اسٹھ کے دل میں اتر چکے ہیں اور اب وہ پوری طرح اس میں خوشی جاری ہے۔ مگر جو خوشی آج بھی اس کا لطف بہت اچھا تھا۔ آج اسٹھ اسے شاہک کو لانے لایا تھا۔ شادی کی شاہک اس کے لیڈر مائے، اس کی پسندیدہ چیزیں اس پر اس سب میں زیادہ مرے کی بات یہی تھی اسٹھ اسے بالکل نہیں گریں گرا رہا تھا بلکہ محبت برساتی گاہوں سے اسے دیکھنا مزید لینے کی آفر کر رہا تھا اس نے چند سوٹ پیک کر داتے ہوئے بہت جوش سے کہا تھا۔  
 ”بھئیں پتا ہے اسٹھ میں آج بہت خوش ہوں۔“  
 ”ہو نا بھی ہے۔“ اسٹھ نے مسکرا کر کہا تھا۔  
 ”لیکن کیوں؟“ میرڈین چاہ رہی تھی وہ اس کی خوشی کی وجہ پر تھکے مگر وہ پچھنے کے بجائے خود بتانے لگا۔  
 ”کیوں کہ اسٹھ بیڑا بہت کا آزر، جہیں اپنی ذاتی کمائی سے شاہک کو دار ہے۔“  
 ”جی نہیں۔“ میرڈین نے ناک چڑھائی اور کاؤنٹر سے کچڑوں کے پیکٹ اٹھا کر دوسرے کاؤنٹر کی جانب بڑھی اسٹھ مل اوکر کے اس کے ساتھ تھا۔  
 ”بلکہ اس لیے خوش ہوں، میری اسٹھ سے ہونے والی شادی کی شاہک کیوں اسٹھ بخوشی کروا رہا ہے۔“  
 ”ہاں۔۔۔۔۔“ جب فوڈ کارٹر پر رکتے ہوئے اسٹھ نے اونچا قہقہہ لگایا۔ ”اپنی ہونے والی پرسل میڈ کو ذاتی خرچ سے شاہک کو دارا مجھے اچھا لگ رہا ہے۔“  
 ”رات۔۔۔۔۔“ اچانک سے آج آنے والے شے

سے میرزین کی آواز بولی ”مجھے پرنس میڈ کچھ کر  
شاہک کر دار ہے ہو۔“ اسٹھ نے پوری مصروفیت  
سے اُتر کر کہا۔ اسے معلوم نہیں تھا یہ اُتر کر اسے کتنا  
مہنگا بنے والے اسٹھ کی شکل دیکھی ہے اپنی۔“  
”تو توتر تو۔“ تھم میں پکڑے پیش کے  
شاہزاس کے سر پر بجائے شروع کر دیے تھے۔ ”تم  
کھلے سے میرے میڈ کچھ ہو گئے ہو، بلکہ جو بے صاف  
کرنے والے اور لاشری میں۔“ واشر میں۔“

دو بولے جاہلی کی اور دو دروازے سے ہٹے جا  
رہا تھا۔ کاذن پر بل اور کئی روایتیں ان کی نالوں کی  
پر چوکی تھی گردن پھیر کر دیکھا تھا۔ انھوں سے اپنے  
چہرے کا دفاع کرتا اسٹھ چننے کے ساتھ کاذن کو  
جانب ہی بڑھ رہا تھا لگیوں کی جبری سے اس نے  
روایت کو دیکھا گھٹنے پر اچھا خاصا چمک گیا تھا۔  
اس کے چوتھے پر میرزین کے اس کے نگاہ کے  
تغایب میں دیکھا اک خوش گواری چرت سارے  
چہرے پر پھیل گئی آکھیں جھکا گئی تھیں۔ روایت  
بہت خواہش کے باوجود اس نے بچ کر نہیں بھاگ  
سکی تھی کیوں کہ وہ دونوں بہت تیزی سے اس کی  
جانب لپکتے ہوئے ایک آواز میں لگا تھا۔  
”تو کچھ تم آگئی۔“ روایت اپنی حیرت پر  
تاہو پا چکی کی اور ان کی طرح گرم جوش دکھانے  
ہوئے تھی۔

”تایا نہیں کب آئی ہو، جذبہ بھی آیا ہے؟  
اور تمہارا پرنس۔“ میرزین نے تعجب سے جانتا جاہر ہی۔  
اسٹھ نے جھک کر ان کی آواز میں اُٹھایا۔  
”جہاداری نہیں ہے۔“

”اے۔“ اس نے صرف اتنا کہا تھا۔ سیاہ لاس  
اسٹھ سے سیمینت رانی روایت کو مد طلب نگاہ سے کچھ  
ری گئی۔ اس نے اسے لینے کے لیے بازو پھیلائے  
کر اسٹھ نے ”آؤ ہوں۔“ کہتے ہوئے پھیر کر اسے  
دہاں لگے دیکھ کر اسٹھ نے پند کرانے لگا۔  
شاہی کے بعد اس کے جسم کی حالات رہے

☆ ☆ ☆  
آج اسے معمول سے کہیں زیادہ محسن کا

احساس تھا۔ چہرے پر زیادہ سی بے زاریت جا بجا  
تھی۔ بید کی پائی پر چمکے ہوئے کی قد سے پاؤں  
آزاد کرتے اسے لکھن کر رہا تھا اس کے پاؤں پر دردم  
آج بہت بڑھ گیا تھا۔ یوں کے کنارے تھوڑی  
جلد میں گرے ہوئے تھے۔ جن دونوں کام کا پرنس  
بڑھ جاتا یا سونے پر حرکت میں زیادہ چکر لگتے تھے  
زیادہ چلنے اور کھڑے رہنے کے سبب پاؤں اور  
پاؤں پر کھارم آ جا تھا۔

خود کو توجہ تو اس کی بہت عرصے سے نہیں رہی  
تھی لیکن اب یہ دردم بڑھ رہا تھا۔ لکھن میں اسے  
خاصے دن لگ گئے تھے۔ آفس کا بہت سا کام اترا  
میں رہا تھا۔ پھر مدد کی تھی۔ چند دن وہ اسے اپنے  
ساتھ آفس لے جاتا رہا تھا پھر اسے ایسے اسکیل میں  
داخل کیا جہاں شاہک کی بورڈنگ کی جاتی تھی۔  
جس جگہ جاتے ہوئے اسے اسکیل ڈراپ کر دیتا تھا  
واپس برتے تھے۔ بورڈنگ آفس سے بہت قافلے پر  
تو نہیں تھی لیکن روزانہ کی پک این ڈراپ میں  
بہر حال اس کا اپنا سرنج بڑھ گیا تھا۔

سارا دن کی بھاگ دوڑ میں لگا چلا وہم  
تھکاؤ کوئی توشیح ناک یا نہیں تھی لیکن اب چند  
دن سے وہ محسوس کر رہا تھا روز پھلے سے زیادہ دردم  
بڑھ جاتا تھا اور آج تو حد تو اس کی تھوڑی سی  
عمل تھیں ہوئی تھیں پلے میں اپنے لکھن اور کاذن  
قدیم اس کے بجائے کی نرم آواز پر ہوں۔ پاؤں پر  
سے جڑیں اس نے کچھ تاثریں پاؤں کی انگلیاں  
اٹھوا پھیلا کر اکر بنو کر رہا تھا اسے پاؤں  
بے حد عجیب لگ رہے تھے۔ چنٹ کا پانچ پھوڑا کو  
اٹھا کر دیکھا پڑیوں تک اس کی انگلی سے مدد کو  
اور پھولی ہوئی تھی۔ مدد اسے پکڑے تھوڑی کر کے  
اس کے پاس آ پھٹا تھا اور کل کے پاؤں کی جانب  
دیکھتے ہوئے اسے بھی تیرا ہی ہوئی۔  
”کل۔“  
”آپ کے پاؤں اتنے بڑے کیسے  
ہو گئے۔“ اس کے سوال پر کل پھیکا سا مسکرایا تھا۔  
”یار میں بھی دیکھ رہا ہوں۔“ کہیں کچھ

اندازہ ہے، کیسے ہو سکتے ہیں۔“ مہبل نے تائید کر  
دیکھا وہ جس پٹنے سے بھولے تھے پٹے بولا تھا۔  
”یہ تو ڈاکو پٹا ہوتا ہے، مجھے کیسے پٹا۔“  
”دوا میرے بے کوتاہی پٹا ہے، ایسی باتیں  
ڈاکو کرنا ہوتی ہیں۔“ اس نے مدد کو اٹھا کر اپنی گود  
میں بٹھایا اور اپنے دونوں بازو اس کے گرد لپیٹ  
دیے تھے۔

”اور آپ مجھے اگلے کیوں کہتے ہو۔“ بابا کہا  
کر، وہاں یار۔“ اس نے فادر ہوں آپ کا۔“ مہبل کے  
بازوؤں کے ملتے میں ہی اس نے گردن اٹھا کر اسے  
استہباب دیکھا تھا۔ جب جب مہبل سے اسے یہ یاد  
کرانے کی کوشش کی کہ وہ اس کا اگلے نہیں باب  
ہے۔ مدد ان آکھیں جھب سے بھر جائیں۔  
”فادر تو شہزاد بابا، آپ کو نہیں ہیں۔“  
مہبل کی کاٹ سے مدد نے خود پر بازوؤں کی  
گرفت کر بھر کے لیے بڑھ گئی۔ مہبل نے اس کے  
سر پر اپنی ٹھوڑی ٹیک لی۔

”مہبل میری جان آپ کو غلط بتایا گیا ہے،  
شہزاد آپ کے فادر نہیں ہیں، انگریزی کی جب آپ  
بہت چھوٹے تھے اس وقت میں کم گو تھا تھا، میں  
اپنے گھر کا رستہ بھول گیا تھا تھا۔ آپ تک نہیں  
سکا۔ اس لیے شہزاد آپ کو اپنے گھر لے گئے تھے،  
اگر وہ آپ کا خیال نہ کرتے، چھوڑ کر چلے جاتے، پھر  
آپ اتنے بڑے کیسے ہوئے۔ اب مجھے جا چلا،  
میں اپنے بے گھر آئی۔“ اس نے بے ساختہ اس  
سے کئی باتیں پوچھ لیا۔  
”آپ رات بے گھر بھول گئے تھے، ہم کہیں  
جس کے پیچہ کم ہوتے ہیں، بڑے نہیں۔“

”ہو جاتے ہیں یار۔“ بڑے بڑے کم ہو  
جاتے ہیں۔ جب جان بوجھ کر آکھیں بند کر دیا تو پھر  
رستہ کم ہو جاتا ہے۔“ مہبل کی بات کا ایک حرف اس  
کے نہیں بولتا تھا۔ وہ اس کی گرفت میں سے چھین  
ساہو کر کھسکا لگا۔ ایسی لے اس نے موضوع بدل  
دیا۔



”آپ ڈاکٹر کے پاس کب جاؤ گے۔“  
 ”اے ڈاکٹر کے..... ان شاء اللہ جلدی فرمت  
 میں۔“

”مطلب.....؟“ وہ ابھی نہیں سمجھتی تھی۔  
 ”وہ..... میں آتا ہوں۔“  
 اچھے ذہن کے ساتھ اس نے اپنا کمرہ دیکھا اور

جگہ فرمت میں کہتے ہوئے اسے اپنے لفظ  
 اپنے ارادے کا مذاق اڑانے لگے تھے۔ جگہ فرمت  
 میں تو اسے پاکستان بھی جانا تھا، جگہ فرمت میں  
 اسے روانہ کیا وہ اپنے پاس جڑی لانا تھا، اپنی جگہ  
 ونگ اور سڑی کے لیے اس نے جگہ فرمت لگا لیا  
 تھی، کیا وہ لگا لیا جگہ فرمت، یہاں تک کہ زہری  
 سے زہری لکھ لکھ کر جگہ فرمت لگائی۔ فرمت بھی  
 خود بھی لکھی اسے لگا جاتا ہے کسی طرح پتے سے،  
 کہیں سے بھی۔

☆☆☆

شام کو وہ اپنے تمام کالوں سے فارغ ہو کر اس  
 کے قلیب پر جانے کی تیار کی رہی، یہی اس اور اس  
 غرض سے تون اٹھایا کہ سمجھ کو بھی ملنے کا کہے مگر فون  
 ہاتھ میں لیتے ہی رو بائک دھن کے ساتھ بجنے لگا۔  
 اسکرین پر لکھا جانے والا ”سمجھ کا لنگ“ اس کے  
 وجود میں خوشی کے سارے رنگ بھر دیا تھا۔ اللہ کے  
 آنے والی خوشی کو خیالاً ب داخون میں دبا کر بہت  
 اتر آئے ہوئے لکھا تھا۔  
 ”بولڈا بڑ، کیا بہت یاد آ رہی تھی میری۔“ اچانک علی  
 میں ہوں یہ اپنی خوب صورت پر ہلکا دیا جائے۔  
 ”کیا میری میری..... ایک پر اہم ہے۔“  
 ”کیا..... وہ چچی تھی۔“  
 ”کیا تمہاری طرف آؤں، یا تم آ رہی ہو۔“  
 سمجھ کے لیے پر وہ قدر سے حیران ہو رہی تھی بہت کم کم  
 سنجیدہ ہو کر آتا تھا۔

”کچھ تاؤ تو کسی ہوا کیا ہے، یا صرف آنے  
 جانے کا ہی پر اہم ہے۔“  
 ”روایتیہ..... اپنے بڑبڑ کے ساتھ یہاں  
 نہیں آئی، بلکہ پاکستان چھوڑ آئی ہے۔“ میری  
 کے جگہ اٹھاتے تھے پر جب سمجھ نے کہا تو میری  
 کی آنکھیں ایک بار پھر سڑکیں۔

”کچھ تاؤ تو کسی ہوا کیا ہے.....؟“  
 ”ہاں..... اس نے پہلے کے کوٹنے سے  
 رشاد صاف کیے، ”اتنا سب کچھ ہو گیا روایتیہ کے  
 ساتھ اور اس نے نہیں اپنا بھائی نہیں۔“ سمجھ نے  
 کچھ سوچے ہوئے تیار تیار ہوا۔  
 ”شاید اب وہ کسی کو اپنا نہیں سمجھتی۔“ وہ کہہ کر

اتھ کھڑا ہوا میری نے اسے پھر سے بٹھانے کے  
 لیے اس کی کلائی پکڑ کر پیٹنی سی۔ مگر وہ کھڑا ہوا تو وہ  
 بھی برابر کھڑی ہو گئی اندازاً الپ لپٹ خوشی سے بھرا  
 تھا۔

”اسمجھ.....“

”ہوں.....“ اس نے میری کی جانب گردن  
 پھیر کر اس کے چہرے پر انجمن کا جال سمجھا۔  
 ”کیا مردانگی جلدی ہے اعتبار ہو جاتا ہے،  
 ایک منٹ میں سب ختم ہو جاتا ہے۔ سب کچھ شادی  
 تک۔“

”مجھے نہیں پتا۔“ وہ ہاتھ جھک کر آگے بڑھنے  
 لگا میری نے تیزی سے اس کے آگے آ کر کھڑی ہو گئی  
 راستہ روکنے کے انداز میں بازو سامنے پھیلا رکھا تھا۔  
 ”کیوں نہیں پتا، ہم ایک مرد ہو، تمہیں پتا ہوتا  
 چاہیے، مرد کیوں، کب اور کیسے کیسے بے اعتبار ہوتا  
 ہے۔“

”بلیز میری میں پہلے ہی پریشان ہو، مزید  
 مت کرو۔“ میں نہیں جانتا تھا، چلو۔“ وہ اس کا ہاتھ  
 پکڑ کر تیز آگے چلنے لگا چند لمحوں کی اسے  
 دیکھ کر میری نے اس کی جانب بھاگی تھی۔  
 ”اسمجھ عاری شادی ہونے والی ہے، مجھے  
 اس بار سے تمہاری رائے چاہیے تاؤ مجھے۔“ وہ بتا  
 جواب دے تیزی سے آگے بڑھا تو وہ برابر ساتھ  
 چلی ہی چوری ہو گئی۔

”شادی کے بعد کوئی بھرے ہوئے فریڈ کے  
 بارے میں غلط اطلاع دے گا۔“ کچھ تاؤ کو گرو۔“ وہ  
 چلا چلا کر تخت دکا وہ بھی رگ لگی اس نے رک کر  
 اس کی آنکھوں میں جھانک کر میری کی کلائی آنکھوں  
 میں بہت سی پتلی بھری تھی۔ ”سمجھ کا کدوت سے  
 دل چاہا میری سے خوب صورت بننے کہہ کر ان خوب  
 صورت آنکھوں سے ہر پریشانی، ہر دوسرا چھوٹے سے  
 لیکن بھرہ اور سمجھ تو نہ ہوا جو میری کو پکڑا دینے کی حد  
 کنڈی نہ کرے۔“ وہ اس کے چہرے پر ٹھوڑا سا جھکا  
 اور نہایت سنجیدگی سے کہتا تھا۔

”میں خوش ہو جاؤں گا، کیوں کہ پھر مجھے اپنی  
 دس بارہ کرل فریڈ ڈیم سے چھپانے کی ضرورت نہیں  
 پڑے گی۔“  
 ”واٹ.....؟“

میری نے کی خوشی سے آنکھیں پھیل گئیں  
 دانت جم گئے۔ ”سمجھ اس کے خواب سے بچنے کے  
 لیے تیزی سے آگے کو بھاگا تھا وہ چند لمحوں سے  
 مٹا گئی تھی کہ وہ اور اس سے نہیں کوئی چیز نہیں ملی  
 تھی جو اٹھا کر سمجھ کا ہاتھ چڑھائی پھر اٹھا کہ اپنے  
 ہاتھ میں پکڑے گا وہ چاہوں کہ مجھے کا خیال آوے۔ اور پھر  
 تھا کچھ کچھ بلیز بعد اس کے پکڑے کہ وہ اپنا  
 تھا۔ اور دلا کلا عورتوں کی طرح گردن اور ہاتھ چھائی  
 اس کے قریب آ کر بیٹھی۔  
 ”دس بارہ کرل فریڈ ڈیم سے پتے نہ کرو الو۔“

☆☆☆

دو دنوں میں ایک فک کہ قلیب پر اس امید  
 سے کچھ تھے وہ اور یہ بلڈنگ کے کسی قلیب پر ہو  
 کی۔ کیوں کہ اس نے یہی بتایا تھا۔ مگر جب ڈوٹی  
 نے بتایا وہ اپنی آئی کے پاس جا چکی ہے سمجھ  
 کو اتنا پتا تو ڈوٹی کے پاس تھا اور نہ ہی جب  
 کے پاس بلڈ وہن کر مزید بہت میں آگیا تھا کہ فر  
 وہ اپنی کیا ہے اور کہاں تک چھپ سکے گی۔ بہر حال  
 سمجھ اور میری نے یہ پھر بھی ذمہ داری لی تھی وہ اسے  
 تلاش کرنے کی پوری کوشش کریں گے..... اور کمال  
 کرنے کی بھی..... اور وہ ان کی تو۔

☆☆☆

دو بہت تیز ڈرائیو کرتے ہوئے الٹو  
 اڑنے لگا کھڑکیوں کی جانب مڑی تھی۔ اسے طور یہ  
 کے کوئی فیشن بال پہنچنا تھا۔ چیتے ہوئے اسے اب  
 اکثر دیر ہونے لگی تھی۔ کچھ عرصہ تو کھڑی نے  
 برداشت کیا مگر اب ایک تو ان کی پر وہ اسے اب  
 خاصا جھک رہی تھی۔ اب اسیں تھا کہ وہ دیر میں پہنچ  
 کر وہ سب تو ہو گئی بلکہ ہر طرح کی جلد بازی کے

سے ہزار پلنے کے باوجود اس میں سے مٹا کر ماش  
نکلی ہے نہیں، انہوں نے تو مجھے چھوڑ دیا۔ آپ نے  
بھی نہیں اپنا..... مجھے تائید میرے حصے میں کیا  
آپا ہے، کس نکستی کے جرم میں میرا وجود بے مول ہو  
گیا، ایک بھی ماں اپنانے کو راضی نہیں“۔ تکلف  
کے احساس سے اس کی آنکھیں بند ہوئیں منہ پر کندھا  
جو گیا۔

جاہ کر دی۔ اور دوا کی جیپ میں تھی کہ کوٹھائی کیا۔  
وہ وہ گھر چھڑ کر وہیں آئی جہاں پہنچے کے لیے آئی تھی۔ اپنا  
ٹھکانا، اپنا بڑا سر رہنے بھٹکانے اور..... اور وہ دو دو گھر  
آکھیں۔ چند دن کی مہمان نوازی کے بعد دوا کی جیپ  
نے خود کو رہے گا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کار کرنا  
چاہتی ہے، تاکہ اپنی زندگی آگے بڑھ سکے۔ طور یہ کہ  
قطعا اس شخص کیس کا مقدمہ خوش ہو گئی اس کی اپنی  
جیپ کے اس کے پاس کے دروازے پر دیکھیں جس کی  
مہمان نوازی، تعلق محبت کی طرف..... کار دہ کے  
مکانے میں وہ اگلے گھر جائیگا اور وہ جانی جس اس نے  
پچلے دن عیسا سے ڈھین گین کار دیا تھا۔

..... برس لپٹی میلے کا ہے، جس کی تھمادی  
نانی..... اس سے تھمادی کے دہی سے پوری تھمادی

محنت اور دقت سے۔ مجھے اچانک لگا کہ اگر کم سے کم آگے لے جاؤ لیکن اس سے کوئی چیز میں مرکز برداشت نہیں کروں گی۔ بڑے بڑے کو میں نے بچوں سے زیادہ توجہ سے پیلا ہے۔..... ٹھیک۔۔۔ اس نے اثبات میں ہر پالا اس کی پی...  
”یقیناً آپ کو بارش کا سامع نہیں ہے گا۔“  
کہہ رہا تھا بہت آج آج ہاں تھا اور دعا بہت ہونے کی پوری کو شش کی کر دیتی لیکن پھر بھی کچھ نہ کھایا ہو جاتا تھا جو طور پر کا مزاج بہت زیادتی کی دن رات ہی کے ایسے کہ جسے پہلے سے وہ دقت سے دقت بڑی ہوئی۔ کچھ مگر سے ہوا ہو جاتی جس پر ٹھوکر سے صاف دونوں الفاظ میں تھا۔

”تم اگر میرے ساتھ کام نہیں کرو گے، مجھے اعتراض نہیں ہو گا لیکن اگر کام چھوٹ نہیں کرو گے تو اعتراض نہیں، بہت اعتراض ہو گا..... سو احتیاط کرو۔“

ابھی چند دن پہلے غور بنے نے یہ سب اسے کیا تھا اور ان چند دنوں میں اس کی روشنی کا کچھ بھتر رہی تھی۔ لیکن اسے اب بھی یہی خیال ہی ضرور آتا تھا کہ وقت گزر رہا ہے۔ کلاں پر بندھے ملنے والے بچے زیادہ دیکھنے سے ابھی کی اور اور مہمند کاڑی ملنے لگے۔

”کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ.....“ اس کے کرسی پر بیٹھنے سے پہلے یہ اس کی جگہ پر بیٹھ گئی۔ کرسی اٹھاتے ہوئے مسلسل اس پر نگاہیں گاڑے

”کام کرنے والے کے بدلے دن کے کام سے  
 کام چل جاتا ہے وہ کام سے کتنا تھک رہا ہے، ہم کام سے  
 تھک رہے ہیں۔“ اس نے اپنی آنکھوں سے آنسو بہا دیے۔  
 ”بھئی سے بجاتے کہا“ مرعشی ہوئی۔ ”اگر شوگر کو  
 چھوڑ کر چھپتا رہی ہو تو وہیں چلی جاؤ..... اور اگر  
 فنی ہمیشہ کے لیے چھوڑ آئی ہو تو دل دماغ ہر جگہ  
 سے نکال دیتا ہے.....“

”میرے اللہ مجھے انسان کی جگہ روٹ بنا  
 دے، جس کے ساتھ احساسات، جذبات، سوچ، کچھ  
 ماننا پڑا ہو..... دل دماغ کی جگہ گنٹ ہوں، فوراً  
 بدلوں..... ورنہ میرے بس میں نہیں ہے اتنی  
 رسی جلدی حالات کو قابو کرنا..... حادثات کو

سمجھا۔

☆☆☆

دن کے دس بجے بھی سارا گھر سانے میں ڈوبا تھا۔ ملازمین حتیٰ نہ ہونے کے سبب اپنی مرضی کرنی تھیں۔ آخر بہت خاموشی سے دس بجے پاؤں اپنے کمرے سے نکلیں۔ لاؤنج میں انہیں کوئی دکھائی نہیں دیا۔ انہوں نے ریل میں گزارا کر کے تھے اور فوراً سے چن میں چلی گئیں۔ انہیں اپنے اطراف اذلان اور مکمل دکھائی دے رہے تھے جن سے ہاتھ میں برتن دو تین دیکھیاں چلے پر چڑھا دیں۔ خالی آئینہ بیکر ہاتھی سے اس دھوئیں کے سرخوٹے سے کھینے لگیں۔

ان کی مثال کے کناروں نے شعلہ پکڑ لیا جو ان کے لیے بے حد کھچا کا باعث بنا۔ چٹکی چٹکی چٹکی چٹکی یا آہستہ آہستہ کوسنے کی کٹی ہیں۔ سکرانی ہو، جاگیر ہو یا آگ۔ آخر یہی تو قسمی نہیں اور نہ ہی کسی میں جرات تھی انہیں کوئی امتی کہہ سکے۔ بھر بھر وہ آگ سے کیلی گئیں۔ بالکل ویسے جیسے اس وقت اپنی چلتی مثال کو لہرا لہرا کر خوش ہو رہی تھیں۔ خانہ کھڑکی دھوئیں کی بو سے بھاگ کر چٹکی کی جانب بڑھ گئی اور وہیں جا کر لال اور کھٹکھٹیں۔ گھر میں بیچ کابوچنگ مٹی تھی۔ آخر کے پکڑوں، بالوں تک کو آگ لگ گئی تھی بہت مشکل سے آگ بجھا لی گئی۔ مگر آخر کی حالت بہت خراب تھی اعشال کی بازوئیں میں غمخال ہو کر ڈھکی آخر چٹکی شام کو کھر چلا رہی تھیں۔

”اذلان کی گاڑی چل گئی ہے۔ میں اس میں سے اسے نکال رہی ہوں۔ میرے بچے کو نکالے دو، مکمل سے کھو اذلان کو نکالنے دے۔ اذلان کو نکالو۔ نکالو۔“ یہاں تک کہ چلا چلا کر بے دم ہوئے گئیں۔

آخر کو ایمر جس کے اندر باہر چلنا بیگیا۔ ان کے رخ مندل ہونے میں تقریباً آٹھ دن لگ گئے تھے۔ یہ آٹھ دن اعشال پر جتنے بھاری گزے یہ

دہی جاتی تھی۔ سلوٹی مین کا سننے ہی باہر چل آئی۔ اسے دیکھتے ہی اعشال نے طرح بھرک مٹی وہ اس کے مقابل کھڑی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولی گئی۔

”سارا اتنا شراک کہ کیا داو لینے آئی ہیں؟“

”یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہو تم مجھ سے۔“

سلوٹی کو حیرت کا مہلکا تھا۔

”میں اس لہجے میں بات کر رہی ہوں۔ جو لہجہ آپ کو بڑبڑاتا ہے۔“

”اعشال۔“ سلوٹی کی سرزنش پر وہ قہر تو بولی تھی۔

”چلا نہیں مت۔“ میں آپ سے زیادہ اونچا بول سکتی ہوں۔ میری ماں کو اس حال تک بچکانے کی ذمہ داری ہیں، میرے بھائی کی موت کا سبب آپ نہیں۔ میرے خاندان کی جتنے پر جھمے گھوپ کر آپ جانتی ہیں میں آپ سے آرام سے بات کروں۔ جو مجھ میری ماں کے ساتھ ہو رہا ہے، ہونا تو وہ آپ کے ساتھ چاہیے تھا۔ کیوں کہ باہر تو آتے تھے نہ۔ یہ بھول گئی تھیں آسائوں کے پر کسی تو باہر بیٹھا ہے جس کے ہاتھ آپ کے جال کی طرح پودے نہیں ہوتے۔ کسی کی گودا روکھ کا فیصلہ آپ کئے کر سکتی ہیں بھلا۔ وہ بیچہ چاچی کے ساتھ بہت علم کیا ہے۔ آپ نے، مجھے آج بھی یاد ہے چاچی روتے ہوئے کٹی تھیں۔ ان کے آنسوؤں کی لپٹ میں میرا خاندان بھریا گیا ہے اور آپ چاہتی ہیں لیٹ خاموش ہوں۔ اٹھ آپ کو کبھی چھوڑے گا نہیں سلوٹی میڈم۔ وہ اپنے کھاتے بہت کھیر رکھتا ہے۔“

”جو کچھ بند کر دیتی اپنی۔“ سلوٹی وہاں مزید ایک منٹ نہیں روکی تھی۔ ”موت نہ“ میں گردن جھک کر باہر چلی۔ اعشال ان کی کم ہوتی پشت کو بہت دیر تک غور سے گھورتی رہی۔

☆☆☆

منہل کی وہ رات بہت تکلیف میں گزری تھی۔

کسی کدوٹ اسے سکون نہیں مل رہا تھا۔ سینے سے چند انچ نیچے دائیں بائیں پکڑیوں کے دونوں اطراف درد کی آنکھ لہریں اٹھتیں جو پچھلے ہوئے پشت کی دوسری جانب کو پھرتے ہوئے جا تھیں۔ مکمل کواپے محسوس ہو رہا تھا۔ درد زدہ جسم کو کوئی دھڑکن یا ہاتھوں میں دیوچ کر بے طرح سے چھو رہا ہے جس سے اس کے قدم اس قدر بھاری ہو گئے ہیں اٹھنا تک دشوار ہے۔ آج کا دن مکمل شدت میں بہتر زیادہ طاقتور دروازے سے کھلی بار محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس کے اس جیسے میں کبھی بچپن، شگفتہ تقریر یا رفتی ہی رہتی تھی جو بہت حد تک قابل برداشت تھی۔ چند ماہ پہلے یا شاید ایک سال پہلے اسے اس وقت تک سے یاد نہیں آتا تھا جب اسی طرح شگفتہ رہتے ہوئے اسے درد محسوس ہوا تھا۔ اور اس درد کی وجہ سے قیامت کی طرح کڑی دھڑکن کر اٹھا۔ کوٹ اٹھا کر سینے کے قدام سے ہاتھ نکال کر اٹھا۔ بیون نے اسے ہائی لاکر چلایا۔ اور بیٹھنے میں مدد دی۔

”میں ٹھیک ہوں۔“ اس نے سر دھتیاہنے سے کہا مگر وہ لگرمندی سے بولا تھا۔

”لیکن آپ کب ٹھیک رہے۔“ آپ کا رنگ بالکل زرد ہو رہا تھا۔ آپ کو ابھی ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے۔ ”مکمل نے اشیات میں سر ہلا دیا۔“

”اگر آپ کب تو کب شگفتہ ہیں۔“ آپ کو اس حالت میں ڈرائیو نہیں کرنا چاہیے۔ ”مکمل نے استعما میں نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ اور پھر پیکا سا ہنس۔“ میں اب بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ میں ڈرائیو کر سکتا ہوں۔“ وہ لہسا سا پسینا اندر اتار کر خود کو پھرتے کدو کرتے ہوئے وہاں سے اٹھا اور اپنی گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔ بے فکر اس نے معمول سے بہت کراہت چلائی تھی مگر خود ڈاکٹر کے پاس گیا تھا۔ ڈاکٹر نے چپکے کرتے ہوئے دینی طور پر درد کنٹرول کی ادویات کھنی تھیں اور اسے چند منٹ جلد کرانے کو کہا تھا۔ ادویات سے درد بہت حد تک کنٹرول ہو

چکا تھا۔ ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق اس نے ہائی کی مقدار مناسب پڑھا تھی اور ٹیسٹ آج کل پر ملنے پھر استعما کی حالت میں۔ جب جب اس جگہ جھنجھ محسوس ہوئی وہی درد رہی اور آج درد اس کو عین پر آچکا تھا۔ اور بالکل کام نہیں کر رہی تھی۔ اسے نہ ہونے کا انتظار تھا کہ وہ ڈاکٹر کے جانے کا ادارت بھی کل ہی کر دالے گا۔ مگر کل ہوئی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ کمرے میں ایک کھنٹے سے بہت سی کھنٹاں گزراں کے ششے کی دیوار کی کڑکی سے سلاخ بڑک کر ہاتھ کاٹنے اور ایک پتہ کھول دیات۔ رات کی کھنٹا میں بیٹھا خنڈا جھوٹا کل کے چہرے سے آکر چلنا۔ اس کے پلٹنے میں اس قدر سناٹا تھا جو اسے اپنی پور پور میں اذیت محسوس ہو رہا تھا۔ اور اس رات میں ڈوبا ہر جی شدید درد اور سیاہیر دھتیاہنے اور بہت دور رفتی پر ایک تھا آرا

خواتین ڈاکٹسٹ  
کی طرف سے بیہوش کے لیے ایک بہترین

# دست دھکر

نویسیا مین

تقریباً 750 روپے

32735021

## تیری چاہ میں



ظہار ہاتھ اس کی روشنی کی سیکاپاٹ سے واضح محسوس ہوتا تھا تا راب ڈوبنے کو..... تارے کا انہماجر کر ڈھبنا سے خود کو بہت تکلیف دے رہا تھا۔ اس نے کھڑکی بند کر دی۔ وہ چلا ہوا کرنے کے انداز میں بیڈ پر آ بیٹھا اس کے درمیں آہستہ آہستہ کی آری کی پینٹ ڈاؤن اپ اپنا اثر کرنا شروع کیا تھا۔ سیدھے ہو کر ہستر پر لیٹنے تک وہ درد بھول چکا تھا البتہ اسے اپنا جسم ہلکا کرکرم پڑنا محسوس ہوا کچھ ہی دیر میں اس کے ہاتھ پاؤں برقی طرح جلنے محسوس ہوئے اس نے اپنا کرکرم ہاتھ قریب لیے بدن کی جانب بڑھایا اسے بازو سے پکڑ کر اپنے قریب کر کے رکھا تھا۔

”عدن..... عدن پار مجھے پانی پلاؤ۔“  
چھوٹا سا عدن بے خبر سو رہا تھا۔ محل کے طبق میں سوکر کھانے پر گئے اس وقت اسے اپنا حلقہ تنویری مانند لگ رہا تھا۔ جس میں بہت سی لگن پان محل کر اتنی گرگاش ہو جائے کہ اس کی دیوار میں بڑخ کر بیٹنے کو ہوں۔ لینے لینے اس کا ذہن جانے کہاں پہنچ گیا تھا۔ اسے ایسے محسوس ہوا کہ وہ انہماجر اس کے پاس پہنچ ہے۔ محل کا پانی میں جکڑا ہوا تھا اس کی گود میں ہے۔ پانی سرسری اس کی پور دیں میں اندر تک محسوس ہو رہی تھیں۔ جب اس نے آنکھیں سے پوچھا ”بہت درد ہو رہا ہے۔“

”انہیں، اب نہیں ہو رہا۔“ اقرار کرتے ہی اس کے اندر رکون اترنے لگا اور وہ نیند میں جانے لگا تھا۔

☆☆☆

گزشتہ رات اسے نیند نہیں آئی تھی۔ بے وجہ خواہ مخواہ ہی اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس رہی کرسی پر جمی رہی، کھڑکی سے باہر برصن لسی نیند لینے سو رہا تھا۔ جس کی سرکوں پر روشنیوں میں جتنی فریٹک میں بھی اسے زندگی کی حرکت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا یہ خود، ہنگامہ آپس میں مل کر کھڑے سے سناٹے میں بدل جائے گا۔ اس نے وہاں کرسی پر بیٹھے بیٹھے الیکٹرک بجلی سے تین بار کالی بنا کر لی

”پانی پانی پتا ہے۔“ اس نے سر اٹھا کر کے مندی آنکھوں سے رانی کی جانب دیکھا اور فوراً گلاس پکڑ کر اس کی جانب بڑھایا تھا۔  
”یہ لو..... اب اٹھو لی لو..... رانی۔ رانی۔“  
راناہیہ نے جہاں روکے اس کی جانب زور دیکھتے ہوئے غور سے دیکھا تھا۔ وہ ننھے ننھے سے خراٹے لیتی گہری نیند سو رہی تھی، اس کے پلانے پر کسمالی اور کر دت بدل کر دوسری جانب ہوئی۔  
”ہیں..... پھر پانی اس سے مانگا تھا۔“ راناہیہ کو حیرت ہوئی تھی۔ ”شاید خواب ہو۔“

اس نے پانی کا گلاس اپنے ہونٹوں کو لگا دیا، ایک گھونٹ بھر کر ہی گلاس واہیں رکھ دیا، اسے پانی رخ محسوس ہوا تھا۔ جیسے حلق میں بنار کا ذائقہ ہو یا جی میں سارا بحر کا کھل اٹھا آہو۔

☆☆☆

(آخری قسط پانی آئندہ دن شام اٹھ)

”زادوں کی پسندیدہ جاگلیٹ“

مجھے نے جاگلیٹ کا کھانا سنہ میں ڈالتے ہے  
انتخاب تہجرہ کیا تھا۔ اگلے اسی احساس ہوئے ہی ادا  
سجاد کی طرف دیکھا تھا۔ وہ لاہور کی سے ریوٹ  
تھامے لی وی کی طرف متوجہ تھے۔ چمیل پر چمیل  
بدلتے انہوں نے سر کی جانب دیا تھا۔

”بھجوا دینا اسے بھی، ہے چارے کے پاس  
اب کہاں پیے ہوں گے ان پر چلوں کے“ عام ہے  
مجھے میں کئی بات نے مجھے کے من کا ڈانڈا کھینچ دیا  
کڑوا کر دیا تھا۔ من میں کھلی جاگلیٹ کو کھانا مشکل ہو  
گیا تو وہ خاموشی سے انہر کرانے کرے میں چلی  
آئی۔ ہاتھ درم میں جا کر وہ جاگلیٹ تھمتے انہی  
طرح کی کر رہی تھیں جب رویوں کے زہر  
احساسات میں کھل جائیں تو زبان جیسے شیریں  
دہنی۔ وہ منہ پوچھتی جاہر آئی گی جب میراں جاگلیٹ  
کے ڈبے کھانے چلی آئی۔

”بی بی سجاد! سامنے سے بھجوائی ہے۔ یہاں  
دکھ دو فرنگ میں“ اس نے دوم فرنگ کی طرف  
اشارہ کرتے مودبان پڑھا تھا۔ ایشات میں گردن  
ہلاتے اس نے تونے بیلے پر بھجوا کر کڑی کے سامنے  
کڑی ہوئی۔ کھلی کڑی سے نظر آتا دینے باغ طرح  
طرح کے چول بھگتی ہوا کے بھونگے مچھ کی دل کو  
نہیں بھلا رہا تھا۔ ایک نے کو تول چاہا کہ ساری  
جاگلیٹ پھر ان کو ہی دے دے لیکن جانتی کی کر ادا  
سجاد کو چول ہوا وہ تہمت ناراضی ہوں گے۔ وہ اس  
سے بہت بہت کرتے تھے۔ اس کی ہر خواہش کا خیال  
رکھتے۔ اس کی پسندیدہ وہ اشیاء کا ذکر کرتے دیتے۔ بس  
اس کے احساسات کا خیال نہیں رکھ پاتے۔ شاید  
انہیں اس کا دل پر دھنا نہیں آتا تھا وہ جان کر نہیں  
پڑھنا چاہتے تھے۔ زادوں کے لیے ان کا انداز ہمیشہ  
ایسا ہی ہوتا اور وہ چاہے کبھی کبھہ کہیں پائی۔ ان کی  
محبت اپنی جگہ لیکن جو درجہ بچپن سے دل میں بچھا  
تھا۔ وہ دیکھ کر نہیں دیتا تھا۔ ہوا کا ایک قطرہ بھولا  
پرائی دیا لیے اس کے چہرے سے گر گیا تھا۔

”بی بی ہاتھ پر ضرور پوچھیں گے۔ تم نے انہیں  
کیا بتانا ہے کہ سعد کی ادا کا انتقال ہو گیا ہے۔ وہ  
بہت پریشان تھی۔ اگلے لیے میں ساتھ جا رہا  
ہوں۔“ زادوں سامنے بچھا اسے سین پر چارہ تھا  
جبکہ وہ بکری سے کھانے کھاتی رہی۔

”شرم نہیں آتی ایسا بھوت بولتے۔“ مجھے نے  
خشمیں کھانوں سے زادوں کو گھبراہٹا تھا۔

”میں اس کی بھوت ہے، انتقال تو ان کا ہو  
چکا ہے۔ اچھا ہے ہاتھ تو فوراً کھڑے رہیں گے کھدے میں  
بھی ساتھ پڑھوں گا۔ وادی بھی اگلی دنیا میں میری  
شکر گزار ہی ہوگی۔“ اس نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا  
تھا۔

”لیکن تمہیں سعد کے ساتھ گاؤں جانے کی  
ضرورت کیا ہے، بھوہ بھی۔“

”پارگت کی طرف ہے اس کا گاؤں، اتنا  
حسین پر اتفاقاً تمام نہیں تو پتا ہے مجھے سیاحت کا کتنا  
شوق ہے۔ پھر وہاں کوئی پہاڑی حینہ مجھے پیسہ ہینڈ  
شہری بابو کے مشق میں بھی گرفتار ہو جائے۔“ وہ  
بولتے وہ سب معاہدہ پھری سے اڑا اور اگھ  
باری۔ اس کے اگھ مارنے سے مجھ کو چڑھی۔ وہ تپ  
گئی۔

”اچھا! لیے جا رہے ہو، بتائی ہاں ہاں  
کو ابھی۔“

”تم بھی باقی افریقہ نہیں سمجھتیں۔ سعد کی بہن  
تہماری دوست ہوئی تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔  
اب تک جا کر آ بھی جانا، یہاں کھنے سے دماغ  
کھار ہا ہوں۔“ وہ بھی غصا ہوا۔

”اچھا مجھے کھانے کا، وہاں کے موسم اور  
حیوانوں کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت کچھ اچھا ہے،  
پنڈی کرانٹ، بیگز، شال، سب سے“ مجھے مود بولتے  
شروع ہوئی تو اس کی لٹ سے گھبرا کر زادوں نے  
بات لی۔

”اللہ کو مانو، بس کوئی ایک چڑ لے آؤں گا،  
غریب آدمی ہوں میں، ہم کروچہ۔“

خون پڑا پر کراہٹ اور آنکھوں میں نمی لیے  
مجھ سوچ رہی تھی۔ جن سے محبت ہواں پر ہم کیم کیا  
جاتا بلکہ ان کی تکلیف سوچ کر خود ہماری حالت قابل  
رہم ہو جاتی ہے۔ ادا سجاد کیوں نہیں سمجھتے۔ کیوں وہ  
مجھے تکلیف دیتے ہیں۔

☆☆☆

مجھے کے انتظار میں ہو رہی وہ درجن کھولے  
درخت کے پتے کے لٹک گئے تھے انہماں سے تیل  
ہوئے بنارہی تھی۔ شمع کے درخت کی ٹھنڈی چھائی  
دھوپ کی قنات زرد کے ہوئے تھی۔ کلاسز میں وقت  
پاکر زیادہ تر طلبہ لکھنیں کا درجہ کر چکے تھے۔ جب  
اچانک مردانہ آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

”السلام علیکم“  
عمر احمد سامنے کھڑا بہت توجہ سے اسے دیکھ رہا  
تھا۔

”وعلیکم السلام“ نے نا کجھی سے اسے جواب دیتے  
اس نے سوائے نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ سناہ کے  
کسی گاؤں کا یہ امیر دیراں اس کا کلاس فیلو ضرور تھا  
لیکن آج سے پہلے بات کرنے کی نوبت انہماں آئی  
تھی۔ یعنی اور وہ ایک دوسرے کے لیے کافی تھیں۔  
آج اس کا یوں غائب کرنا اسے حیران ہی نہیں بلکہ  
اندیشہ انداز رہا۔

”میں آکر اسے کہنے کا غرض تھا۔ مجھ کو بتایا دیتا  
ہے تم پر جو کسی کے لیے راستہ نہیں چھوڑتا تہماری  
سے بہت چھوڑ دیتا ہے۔ اس نے بھی اس کے اپنے سے  
افضل مذاق پر تو چڑھیں دلی تھی۔ اب اس کے سلام پر  
وہ جس طرح پڑی آگئیں کھولے توجہ ہوئی تو عمر  
حسن ایک لمحے کو اگلی بات بھول گیا تھا۔

”کیں ہیں آپ؟ آج نہیں رہا میں خیریت؟“  
فورا خود کو سنبھال کر اس نے شاخ سے ہاتھ پکڑا۔  
”بی بی انور اللہ، معروضات میں کچھ۔“ بہن کی  
شادی بھی میری۔“ سرسری جواب دیتے کا ارادہ  
کرتے اس نے بلا غرضگی سے بتادی۔  
”مبارک ہو، بہت آپ نے تو کسی کو بتایا، بلایا  
دیکھنے کی۔“

”بی بی! کہتے ہیں، بھائی ہیں آپ؟ اس کے لیے  
میں کھلی تھی۔ وہ دھرم سن کے لیے کھلی نہیں تھی مگر  
جوئی سے جواب دیتے اس نے یوں گھوہ کیا جیسے  
پرائی دیتی ہو۔

”جی، بس ایک بہن ہے۔ سادگی سے شادی  
تھی تو اس لیے کسی کو نہیں بلایا۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی  
اس نے جواب دیا تھا۔ وہ کسی سے جلدی دہنی نہیں  
کر سکتی تھی۔ عمر حسن کے امیرا نہ ہیں منظر کے باعث  
اس نے تو انہماں کوئی کھلا تو درکنار دہنی ہوئی تو  
دشمنی نقصان دہنی ہے۔ اس کی آنکھوں میں کھلتے  
جذبہ وہ نظر انداز کر دینا چاہتی تھی۔ مگر یوں اچھے  
مہذب اعزاز کے جواب میں بدلتی کرنا بھی اپنا ہی  
تھا شاہد تھا۔

”سادگی سے شادی کے لیے آپ نے ایک  
ہفتہ چھٹی کر لی، دھوم دھام سے ہوئی تو کیا کر سکتیں۔  
میں پریشان ہو گیا کر شاہید طبیعت خراب ہے۔“  
وہ کھلے سے غصہ کر بولا تو ایک نظر اس پر ڈال کر  
وہ دوبارہ جہن جہن کر اپنے بنائے پھولوں میں  
رنگ بھرنے لگی۔ سناہ رنگ عمر کی کراہٹ سے  
بھلک رہے تھے۔ اس کے چہرے پر بکھرے تھے،  
انہیں نظر انداز کرنا آتا آساں نہیں تھا۔ اس کا گریز  
مہاب کر وہ بھی گستاخا ہوا ہاں سے بھلائی عمر کے  
جانے کے بعد اس نے کل کر ساس لی تھی۔ تب ہی  
میں آئی۔

”کہاں رہی تھیں تم، بونو انیسٹ کراری تھی یا  
خونگے بیڑی تھی۔“

”میں کو کچھ کر مریم بلایا ہو گی۔“  
”وہ سن کر حیرت، یہ میری اپنی فائل ہے جس  
میں تمام پتھر موجود ہیں اور میں آپ کے لیے کالی  
کرانے لگی۔“ وکر نہ سمجھے ان کی چنداں ضرورت  
نہیں۔ ”میں نے ہاتھ میں قلمی فائل میں فونو  
انیسٹ کے اجارہ کی کو میں بھیجی۔  
اور چاہا کر کہتی بیڑی۔“ مریم مسکرا کر لکچر  
دیکھنے کی۔

”کون سا طریقہ سامنے آیا تھا عمرامہ“ یعنی نے کئے۔ لہجے میں جو عہدہ دونوں بچپن کی سیہیاں تھیں۔ ان کے درمیان کوئی نزاع نہ تھی۔

”طبیعت پیچھے آتا تھا، چشیاں جڑی ہیں“

مریم نے لاہروالی سے جواب دیا۔

”میرے پاس بھی آیا تھا کہ آپ کی کھلی کیوں نہیں آکر ہیں، میں نے کہا بیٹھے کیا، میرا اس سے کوئی رابطہ نہیں ہے، خود بہت پریشان ہوں“

یعنی نے جتنے ہوئے تیار تو مریم بھی سے اعتبار نہیں دی۔ وہ اس کے پردوں میں رہتی تھی۔ دن کا بیشتر وقت بیٹھی مریم کے کمرے کی کڑائی بلکہ سوز ہوتا تو رات بھی بکری جاتی۔ اس پر اس کی طبیعت کا استحکام اگر عمرامہ جان جاتا تو اپنا سر پھینکتا۔

”دیکھو آپ کی کیوں نہیں ہیں جس، خبر ہے تو تھی نا“ معصومی کشمکش چہرے پر طاری کرتے تھے نے پوچھا تھا۔

”اودہ سو سوری میں آپ کو آگاہ نہیں کر سکی، میری بہن کی شادی کی نا۔“

مریم نے بھی بن کر جواب دیا اور دونوں زور سے فہم دیں۔

☆☆☆

”اس آج کراچی میں بیٹھے۔ تصنع پر حسیں اماں کے پاس بیٹھ کر لاڈ سے فرما رہی تھی۔“

”خبر ہے میری چچا، یہ ایک کیا پروگرام؟“

انہوں نے پیار سے پوچھا تھا۔ ماں کو اپنے بچوں سے پیار ہوتا ہی ہے لیکن انہوں نے تو اس سے اتنی طویل دوری کا کافی کی کراہ نہیں چلا، کیسے واری صدمے جاتے تھیں۔

”آج عمرامہ، بابا کی شادی کی سالگرہ ہے نا، ہم تو ضرور منانے سے غم نہیں۔ زارون آج اکیلا اپنی محسوس ذکر ہے۔ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔“

”تجربہ باز زارون کیا کہے؟ کہ کیا کرے، وہ آتا ہی نہیں تو اب کیا کروں۔“ ہم جانی بھی تو کیا فائدہ۔ گھر میں لڑکے رہے ہیں اس کے ساتھ۔ وہاں

جانیں تھکے۔ کسی مال کے فوڈ کورٹ میں تھوڑی دہانے لئے سے بہتر تم اس سے فون پر بات کرو۔“ انہوں نے اسے مشورہ دیا تو وہ خاموشی سے اٹھ کر گئی۔ وہ دوبارہ کتنی تو اماں جان جاتیں لیکن اس نے نہیں کہا۔ وہ ضد صرف اپنے مامے، بابا سے کر لی تھی۔ اب وہ اس دنیا میں نہیں تھے تو اس کی ضد بھی ختم ہو گئی تھی۔ زارون کو فون کیا تو اس نے جلدی جلدی بات کی۔

”آج مرامہ، بابا کی ویڈیو اینڈر سٹی ہے“ لمحہ نے یاد دلایا۔

”کچھ یاد ہے ٹی، میں فاتحہ پڑھنے گیا تھا صبح۔“ اس نے تنبیہ کی سے جواب دیا، یہ وہ زارون تو تھا جس کے ساتھ اس کا بچپن گزرا تھا۔

”اے کاب پڑ آؤ، کب کاٹے ہیں“ بچہ نے دانستہ لہجے میں بیٹھتے بھرے فرما رہی تھی۔

”اساں ابھی میں زارون تم اپنی عادتیں سدھار لو گے تو کبھی میرا فائدہ ہے۔“

میں سدھار رہا ہوں۔ مجھے کام سے جانا ہے۔ تم بھی یہ ایک دیکھ چھوڑو اور کچھ پڑھ کر بٹھو آؤ گئیں۔ اس بات پر ختم کی گئی۔ فون رکھنے لگی ایک آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ زندہ دل، بے گناہ زارون کبھی کھو گیا تھا۔ وہ قسم بہت بے قسم استاد ہے۔ جو بائیس والدین اپنے لڑکوں کو اسوں میں نہیں سمجھاتا۔ زندگیوں میں سمجھا دیتی ہے۔

موہا پر بھی فتنی تصویر دیکھنے اس کی آنکھوں میں اب بظاہر تازہ ہو گیا۔

”جسٹس دیو میری بیٹیا، خوش رہو۔“ ایک اوبھ جانے کا سامان میز پر بچا تھا۔ وہ زبردستی ماما، بابا کو سال ملتا اور وہ اس کی خوشی میں خوش رہتے روزانہ ان کے سالگرہ وغیرہ فضیلت کی تھیں۔ بابا اب اسے بہت پیار سے دعا دے رہے تھے کہ زارون نے میں کر کم تھا۔

”اس نے کیا کیا ہے؟ سب کچھ میں بازار

لے آیا ہوں۔“

”آپ کا تو الگ سے تحریری طور پر شکریہ ادا کرنا ہے مجھے، آپ نے ہمیں اس قابل سمجھا کہ شام ہمارے ساتھ گزاریں۔“ بابا نے بھوکہ مار دیا، زارون کھانا ہوا گیا۔

”گھر پر ہی تو ہوتا ہوں بابا۔“ وہ کان کھاتا آہستہ سے بولا۔

”میں نظر بد جاتی ہے بعض اوقات، کھاتے، سوتے یا موہا بل، کچھ پڑھتے خالی کرتے۔“ بابا نے سر ہلاتے ہوئے کہا جس انداز میں جا رہی تھا، بلید سے بھی روکنا مشکل ہو گیا۔ ماما بھی سکرابٹ دے لے بیٹھی تھی جس انداز میں وہ بیٹھی تھی خود کو کوکھ ہاتھ، بلید بابا کی دعاؤں کے بیٹھ میں دھندلائی۔

”اے، کبھی دیکھیں ہے اپنی اس مسسری“ بابا زارون نے تھیلے سے ملی نکالی۔ یہ بچہ بھی ان کے اس انداز کی۔

”بابا وہ دراصل نا۔۔۔ طبیعت کچھ ترسبی تھی بچہ زم۔۔۔ اسے بھانڈی بھنگ ملے، کہا کہ کہیں بچہ زم میں دوست کی شادی آگئی تھی۔ اب مسسری دوبارہ دے سکتے ہیں لیکن شادی تو بار بار نہیں ہوتی نا۔“

”جی، جی طبیعت کی خرابی میں ہی آپ کا سر ڈول رہا تھا جو چید کی بات پر بھنگو سے ڈالتے پھر رہے تھے۔“ وہ بچی کے ناخن کو زارون۔ چید کی طرح خاندانی کارڈ بار نہیں سے تھپا رہے۔ پڑھ کر تھپا رازدق بھی لائے کی۔ آج لاہروالی کر دے تو کھل بچتا ڈکے۔“

اپنے مزاج کے بخلاف بابا کا سوز و غراب ہو چکا تھا۔ ماما بھی تنبیہ ہو چکی تھیں۔ ماما کی کنوٹی دیکھ کر بلید میدان میں آئی۔

”چھوڑو میں نا، اس کی کلاس بعد میں لیں گے پہلے کیک تو کھیں، زارون تم ایک تصویر تو لو ہماری۔“ چھری ماما، بابا کی طرف بڑھائی وہ بولی تو

زارون سب فون اٹھا کر فوراً سبلی بنانے سامنے آیا۔ ان جادوں کی یاد کا تصویر جو ذہن کے ساتھ موہا بل کی گھر میں بھی تھوکی ہوئی تھی۔ جیسے ہی بابا ہاتھ کر گئے، زارون آرام سے میز کے سامنے چوڑی مار کر بیٹھا۔ اور پلیٹ بھرے ماما کو خطاب کیا۔

”دیکھا آپ نے، ساری زندگی کر داور تیریت پردھان بابا علم حاصل کر دے، زندگی کی خبر ہے اور اب خود بخود بدل گیا بابا۔۔۔“

”زارون“ ماما اور بلید نے اسے ایک ساتھ گھور کر کہا تھا اور وہ فہم بڑھا تھا۔

بلید تصویر دیکھتی اکیلی بچی دور رہی تھی۔ کوئی دیکھا تو پریشان ہو جاتا۔ یہاں سب اس کے بہت اپنے تھے، اسے پار کر دیتے تھے لیکن وہ جن کی اپنی تھی۔ بہن سے پیار کرتی تھی وہ اب اس دنیا میں نہیں تھے۔ یہاں رہے ہرے میں اسے اپنے گزر کرے دن ہی یاد آتے تھے، وہ بیٹے لے جے میں کوئی کم نہیں تھا۔

☆☆☆

”زیر کی کا بچہ گھوڑا دیکھنا پلینا“ عمرامہ خنجر کھڑا تھا۔ میں نے خاموشی سے اپنا رخسار سے پکڑا دیا، مریم سر جھکا لے جاٹ کی پلیٹ میں چچہ گھمائی رہی۔ وہ رخسار سے لپٹا نا کوری سے بولی۔

”کلاس میں کیا کرتا ہے جو ہر دروس دن ہمارے کچھ لے لے کھاتا ہے۔“

”آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ عمرامہ کلاس کے ذہین طلبہ میں سے ایک اور اساتذہ کی آنکھوں کا نور ہے۔ لیکن ہمارے پاس وہ اپنی آنکھیں بندھتی کرتا ہے۔“

یعنی نے خبر نا پڑنے سے ماما انداز لگائی۔

”جیپ ہو جاؤ، فیصل زہان اشتعال کرتی ہو۔“

ہاتھ سے مجھے خود بہت جڑت ہیں۔“ مریم بھانگتی تھی۔

عمرامہ نے زبردستی ان سے راہ و رسم پوچھا ہی تھی راستے میں دیکھا تو مسکرا کر سلام کر دیتا۔ بھی



تب ہی مناسب جاب کا انتظار کے بنای نصیب کی حسن سے شادی کر دی۔ یوں بھی مگر کیا بات تھی۔ حسن ان کا سمجھتا تھا۔ اور باپ کی وفات کے بعد انہوں نے ہی بالا تھا۔ ابوس کا چل تو مریم کی بھی فوراً شادی کر دیے جسے مناسب رشتہ لے کر دی۔

”جائے بیوی مریم! اور داد و کھول کر نصیب آئی نے بھانجا۔“

”نیکی اور پوچھ پوچھ دو سکرائی ابھی انہوں نے جائے کی نیکی چاہئے پر پڑھائی ہی تھی کہ روزانے پر دستک ہوئی تھی باقی روزانے کی طرف چلی گئیں، سامنے بھی کوئی گڑھی۔ جوتے سے تھمتے چہرے کے ساتھ سلام کر دی۔ وہ اندر آئی۔ آئی چکی کی طرف گئیں اور وہ مریم کے کمرے میں تھی۔

”شادی کی ڈنٹ لے ہو گئی۔“ اندر آئے ہی اس نے ہاتھ پیچہ بند پھڑا۔

”کس کی؟“ مریم نے اس کا ایک دھماکے پر سر اٹھا کرے دو تھی سے پوچھا تھا۔

”میری اور کس کی؟“ وہ جھلا کر بولتی زور سے بیڑ پر بیٹھی۔ مریم اچھل کر روئی کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اسے مجبور و تہذیب پر لہسا سا بھگدورتی لیکن ابھی تو اتنی غیر متوقع خیرے سے بھری نہیں آئی۔

”مبارک ہو، اتنی اچانک کیسے؟“ بے تابانی سے پوچھا۔

”چاہیں کیسے، مجھے تو خدا جاکے پڑ چلا۔ چچا، چچی آئے تھے۔ چچی اب کو کھڑی تھیں، ابھی بھی نہیں آپ تاریخ دے دیں اب۔ میں نے کڑے سے گزرتے خود اسانا تو ایسے ہی بول دیا۔ کیا جا سچے

بچی میں لادتی ہوں۔ امی نے کھور جاوا جائے لے آؤ۔ میں چائے کے ساتھ کھاب جاکر بھی لے گئی۔

معدے کے راستے دل میں اترنے کے لیے جھکی ہوئی خوب اصرار کیا یہ مشائی تو تھامیں۔ چچی کس کس بولیں۔“ بھائی مروتہ میں سے بھٹا کر آیا، اب قائل کر لیں۔“ بھائی نے باہر کا بتایا کہ اپنی شادی کی تاریخ طے کرانے چکی ہو، یوں بھگدورتی۔

میں نے کہا، مجھے کچھ ہاتے تو میں شرابی یا بھڑے لے کر اس نے ایسے تفصیل بتائی کہ چائے لائی نصیب آئی بھی جس دن، مریم کو تو ویسے بھی بے بات ہوتی تھی۔

”جی ہاں راس کی لڑکی کو یوں اپنی شادی کی تاریخ طے ہونے کی خوشی سناتے دیکھا، واقعی شرم نہیں تھیں۔“ آئی نے کہا۔ پھر خیال آنے پر

پوچھا۔ ”پڑھائی کا کیا ہوگا تمہاری؟“

”پچھلی ہوئی، نیکی تو کھڑی تھیں بھٹنا چاہے پڑھو لیکن میرا کوئی ارادہ نہیں، میں تو بس آپ

دوے کا پڑھاؤں گی پر پینے شرابے کی کوشش کروں گی۔“

”نیکی نے شاہانہ انداز اعلان کیا تھا۔“

”میریم، پھر میں اب کی کیا کروں گی پونہ دس میں؟“ مریم چپٹی تھی۔

”کچھ نہیں کرنا پڑا کہ تم بھی شادی کروالو؟“

”نیکی نے کئی سے کئی پیش کیا۔ خوش اس کے ایک ایک سے پھوٹ رہی تھی۔ جب ہی موڈ خوش گوار تھا۔ اس کے ابو کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس رشتے میں اشعر کی عدم موجودگی اکثر اسے شکستہ کر دیتی لیکن

اب تمام گھروں کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

”کی شادی ایک باہر ہو گئی اور میری گورنے کا پتا نہیں چلا۔“ بھی بھٹی اسے اپنے ساتھ بازاریوں میں محبت کر اس کی پونہ دس کی کچھ کرانی اور کس

وہ اسے زبردستی پونہ دس لائی کہ جب تک شادی نہیں ہوئی اور اسے خود۔“ بھی آجانی بھی قابو نہ آئی۔ اسے اپنے رنگ کی بہت لگتی، آہ بھی جاتی تو

دھوپ سے چپٹی بارادون کرنا دیتی تھی۔

مریم کا تھکانا بھی لگ کر بھی تھی۔ پھر پورے نہیں ہوتے تو پھیر جاتے تھاری کیسے ہوئی۔ عمر اس معاملے میں ان کے بہت کام آیا۔ یوں تو کلاس کی چند لڑکیوں سے اس کی کیلو ہانے کی بھی عمر بچے

ٹوٹا سب کے پاس نہیں ہوتے تھے۔ وہ ویسے بھی مریم کی مدد کو تھے وہ دل و جان سے حاضر تھا کوئی نہ ہوتا۔ وہ پہلے سے ٹوٹا تو انہیں کرنا دیکھا اور

نری پیرل میں پورا موضوع اچھی طرح سمجھا دیتا۔ نیکی کی شادی کے بعد ساتھ پڑتے باتیں کرتے مریم کی عمر سے دوستی ہوئی تھی۔ شاید مریم میں دل کو سمجھا سمجھا رکھا۔ آئی تو خود دل کے چھپے تھیں دی۔

”آج بھی وہ عمر کے ساتھ نہیں تھی۔ پڑتے پڑتے تمک لگے تو وہ اسے اپنے کاؤں کے قصبے

سنانے لگا۔ اشتیاق سے اس کی باتیں تھیں، گلیں، جھکائی حیرت کا اظہار کر لی وہ عمر کو دل میں اترتی

محسوس ہو رہی تھی۔ جانے کی دیر سے وہ جیسے تھے کہ سامنے سے بھٹی آئے دکھائی دی۔ بھٹی کو کچھ جہاں

مریم خوش سے اس کی طرف لگی، وہ پھر کچھ ارادہ باز ہو گیا تھا۔ اور گرد گردانہ محبت کا فسون میں وہاں

تخلیل ہوا تھا۔

”چاہت کھانے آئی ہو نکیتیں۔“ مریم نے گلے لٹنے سے چھپا رکھا۔ شادی کے دوسرے ہی ہفتے

اس کا پونہ دس کی نالے اسے اچھے میں ڈال گیا تھا۔ اس کا مزید پڑنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

”بس پار، پھر میں پور ہوئی ہوں تو میں نے سوچا پونہ دس کی میں بچکر میں پور ہو جاؤں۔“

اس نے خوش دلی سے کہا تھا۔ خود ہی دیر بعد جب عمر چلا گیا تو وہ مریم کی طرف مڑی۔

”کیا بات ہے آپ کی، عمر اچھے سے دوستی ہو گئی؟“

”وہ بد بندہ ہے کلاس کا جو تمہاری طرح میرا ہر کام خود کر دیتا ہے تو دوستی تو بھی تھی۔“ مریم نے جواب دیا۔

”میں تو تمہاری بچپن کی دوست ہوں، تم سے محبت کرتی ہوں۔“ اسے کیوں غریبی سے تھاری۔ اسے کو

سیدھے راستے آئے۔ یہ درست طریقہ نہیں۔“ بھٹی نے گویا یاد دلایا تھا۔

”کیا ہے پار، پہلے خود ہی تو اس کی آہٹیں پڑھ کر شادی کی۔ اب بچے بڑے طے کے کر بیٹھ ہو؟“ مریم نے پھر اڑا دی۔

”اتنی تھی پہلے میں، بلکہ ابھی میں ہوں۔“ بھٹی

نے چخ کر کہا تھا۔ مریم چکی ”خیر تو ہے پار، کیا مسئلہ ہے؟“ بھٹی کی آنکھوں کے کنارے تھکے۔

”کھڑا آؤں گی تو بات کریں گے؟“ اس نے بات ختم کی تو مریم نے بھی کر دیا مناسب نہ سمجھا۔

☆ ☆ ☆

”اماں جان میں آؤ گے پڑھا جا پاتی ہوں کراچی جا کر۔“ نکیتہ نے ان کی گود میں منہ چھپائے

کہا تھا۔ اماں جی پریشان ہو گئیں۔

”مرا جی جانے کی کیا ضرورت، روز آنا جانا ممکن نہیں، تم سندھ پونہ دس کی داخلہ لے لو۔“

انہوں نے مل چکر کیا۔

”میں ہاسٹل میں ہوں گی روز کیوں آؤں گی یہاں؟“ اس نے بے زاری دکھائی۔

”ہاسٹل میں کیا کاغذ خوار ہونے کا، یہاں مگر میں میرے پاس رہو چند! انہوں نے پیار سے

سمجھانا چاہا جاتی تھیں جب تک وہ یہاں نہیں تھی، کسی کو یاد بھی نہیں کی لیکن اب اس کے ہاسٹل جانے پر بہت اعتراض تھے۔

”پہلے کب میں آپ کے پاس رہا تھی، مجھے کراچی میں جانا ہے اماں! اس نے تقصیر سے کہا

تھا۔ ہم تو وہ یہاں بھی حاصل کر چکی لیکن کراچی کا کرکڑا زم زادوں سے رابطہ ہوتا۔ وہ اس کے لیے

ایک کن کن بلکہ زندگی میں جتنے والا رشتہ تھا۔ ایک ٹریفک حادثے نے اس سے جان بچا کر دے والے بابا، ماما جین لیے تھے۔ مگر معافی سے اس

سے اس کا کھور زادوں کی جینیں لیا تھا۔ بابا، ماما سے انتقال کے بعد اماں بہت دن ویں اس کے پاس رہی تھیں۔

اس نے خود اپنے کاؤں سے ساتھ، ادا سہا دل زادوں سے کمرے تھے۔ ”تمہاری پڑھائی کے لیے

بہت کمرہ دے رہے تھے پروفیسر صاحب، اب کوئی ذریعہ نہ تھا کہ میں تو کچھ پڑھوں۔“ کس کے پیسے تو



لگتا کہ تم کچھ خود بھی کا سکتے ہو۔ وہیں گاؤں آ جاؤ  
یا میں کسی سے کہہ کر کوئی کارواں دوں۔" ان کا انداز  
اکتا چنگ آمیز تھا کہ ایک کچھ کو لکچرورنگی نہ زاروں یہ  
انداز برداشت نہیں کر سکتا۔ اب وہ صفے میں آ جائے  
گا۔ مگر کچھ نہیں ہوا۔ والدین کی چھاؤں بننے ہی  
کر دے بچوں کی دھوپ برداشت کرنا آ جاتا تھا۔

زاروں نے دیکھا اٹھا کر انہیں دیکھا اور  
سچاٹ لیٹے میں کہا۔  
"شکر ہے میں خود بخود کھڑا ہوں گا۔"  
وہ گاؤں آئی، زاروں نے گھر میں لڑکوں کو  
بے ایک گیسٹ کے طور پر رکھ لیا اور ان کے انہیں  
پڑھا کر اپنے اخراجات پر لے کر نئے لگا۔  
اس دوران وہ ایک بار بھی گاؤں نہیں آیا،  
صرف ایک بار علیحدگی میں تو اس نے مختصر ملاقات  
ہوئی تھی۔

☆☆☆

دروازے کے سامنے بائیک روک کر تحصیل  
انداز میں وہ تالا کھولے پڑھا تھا۔ سارے دن کی  
تھکات اپنی جگہ لیکن گھر میں ٹھہری یادیں ہر اس  
پر جادو تھیں۔ یہ وہی دروازہ تھا، جہاں وہ بھل  
دیسے کی راحت نہیں کرتا تھا۔ ہارن بجا کر لکچرور  
دروازہ کھولنے پر مجبور کرتا۔ یہ وہی دروازہ تھا جس  
ساتھ رات کے خاموشی سے اندھا جانے کے لیے وہ  
بائیک گاڑھی پیچھے بند کر دیتا تاکہ ہاؤس کی آمد  
کے درست وقت کا اندازہ نہ ہو۔

جانی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہی  
گہری خاموشی نے اس کا استقبال کیا تھا۔ وہ ایک  
خضد کی سانس بھر کر رو گیا۔ اس کے ساتھ روئے والا  
ایک لڑکا چھپاں گزرنے آ پائی گھر گیا تھا۔  
دوسرا شاید نائم شفت پر تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر بیڈ پر  
بیٹھے ہی اس نے پیدل سے بازار سے لے لی کباب  
گھمایا تھا۔ شدید سر درد نے اس کا سر کر دیا تھا  
آخری سوسر تھا، روایت کی مصروفیت، بھرپور  
پڑھانے جانا۔ فرمت کا کچھ بھی نہیں تھا۔ چائے

کی طلب اسے پہنچ کر رہی تھی لیکن اٹھ کر جانے  
کی ہمت نہ تھی۔ وہ یوں ہی سوئے لیٹ گیا۔ صبح  
جلدی اٹھا تھا۔ چٹی اور جسمانی تھکات کے ساتھ وہ  
اصولی طور پر کئی بے حال تھا۔ زاروں حسن نے ہمیشہ  
سکوا بننے کے لیے کمر بندو کیا تھا۔ آج شدید تکلیف  
میں یوں تھا، لاوارثوں کی طرح لیٹے بے اختیار اس  
کی آنکھیں میٹھی تھیں۔  
"آپ لوگ کیوں چلے گئے مہما، ہلا بی بی کتنی  
تمی نا، میں نہ ہوں تو تمہیں میری تدو ہو۔" کتنی  
تھیں۔

اسے وہ وقت یاد رہا تھا جب وہ کائنات کھول  
کر ماسے فرمائشیں کرتا رہتا۔ کئی زیادہ دیر لگا رہا  
پڑھا تو ہر آدمی سمجھنے بعد گرما، گرم تازہ چائے  
کا کپ سامنے ہوتا۔  
"کتنی تک کرتے ہو زاروں، جب اتنی چائے  
پینی ہے تو ایک بار بوا کر قمر اس میں رکھ دو۔" عید  
جانی۔

"اطلاعا عرض ہے میں ہاں چائے نہیں  
پیتا۔ وہ جانے والی سکرابٹ لیوں پر جاتا۔  
"ہوہہ! ہاں چائے۔" ایک نئی سکرابٹ  
لیوں پر سجانے، چائے کی طلب وہ داتے ہو سو گیا  
تھا اس نے اسے کئی فون میں کیا تھا جو پائے نہیں  
تھی۔ کتنی! پھر بھی رات کے اس پہ۔  
چائے کا کپ سامنے رکھے بھی گئی۔  
وقت اچھا نہ ہو آجھی، بری سب یادیں دکھائی  
دیتی ہیں۔ یادیں اتنا دکھ کیوں دیتی ہیں۔

☆☆☆

مینی روانہ ہو تیورٹی آ رہی تھی اور پہلے سے  
زیادہ محنت سے پڑھ رہی تھی۔ اس کا خیال اپنی کم ہو  
گیا تھا۔ وہ کیر پڑھنا چاہتی تھی۔ کئی گھر سے کچھ  
دے ہوئی تو قومی لائبریری سے کتابوں کا ڈیم  
اٹھانے آ جاتی۔ اس کی حالت دیکھ کر بریکر کمزوری اور  
دل دل دین میں شکر ہزار صلواتیں سنائی۔  
شعر عشق سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بچپن

لگاں اور دینہ شراسے براہ راست کچھ کہنے سے روکے  
ہوئے تھا۔ وہ چار ماہاں، لیکن کچھ کہنا نہیں چاہتا  
انہوں نے ٹال دیا۔ آخر ایک سال پہلے اس نے  
چھپ کر اپنی پسند سے شادی کر لی۔ چٹی جان کو جیسے  
یوں علم آگیا اپنی بیٹی کے گھر کی طرف ہوئی۔ وہ ماہاں  
تھیں، ان کے پاس جذباتی کرنے کو "دودھ میں  
بخشوں کی کارہی کا ٹی تھا۔ چٹی جان نے اشعر کو  
مجبور کر کے خاموشی سے ذرا بیٹھی سے شادی کرنے  
پر مجبور کر دیا لیکن اس سے زیادہ مجبور نہ کر سکیں۔ اشعر  
نے بیٹی کو تمام تفصیل بتا دی تھی۔ اس کا بیٹی کو  
چھوڑ کر کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن جس طرح وہاں  
بکلی بیوی پر فدا تھا، وہ بیٹی کے لیے تیار تھا۔ برداشت  
تھا۔ وہ دونوں کے درمیان انصاف کرنے سے قاصر  
تھا۔ اس پر بیٹی جان کی جذباتی ایک سیلنگ، وہ  
جانتی تھی کہ بیٹی اپنے گھر والوں کو کچھ نہ بتائے۔  
بیٹی کی اہمال بالکل خاموشی سے اپنی تعلیم میں مشغول  
ہو چکی تھی۔ سریم کی توجہ تھیں سے ہٹ چکی تھی۔ اس کا  
دھیان عمر احمد میں ہی اٹھا رہا۔ ابھی بھی بیٹی  
لاہور میری تھی ہوئی کی اور وہ اپنی کلاس روم میں بھی  
تھی کمر آ گیا۔

"کیا ہوا، کبھی کیوں بھی ہو؟" بیٹی کہاں ہے  
"عمر نے سکرابٹ سے ہونے اس کے سامنے نشست  
سنہالی اور نظریں اس کے چاند سے چہرے پر تھادیں  
جواس وقت کچھ سمجھا تھا کچھ رہا تھا۔  
"لاہور پر کی گئی ہے بیٹی آئی ہو گی ابھی۔  
میرا سوڈو نہیں تھا قاتل چلے گا؟" سریم نے سمجھے اٹھے انداز  
میں کہا تھا۔

"کیا ہوا؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"  
وہ اس کے انداز پر پریشان ہوا۔  
"ٹھیک ہوں۔ کس بیٹی کی پیشکش ہے۔ کتنی  
بول گئی ہے۔ اٹھ پوچھو اشعر بھائی سے میری دوست  
وہ بیٹی کے لیے واقعی بہت گہر مند تھی اس لیے  
غصے سے اشعر کے بارے میں کہا۔

"نہیں نہیں کہتے یار، کبھی کی کوئی مجبوری ہو سکتی  
ہے۔ زعفری کیوں پر باد ہو۔" عمر نے مختار انداز میں  
کہا تھا۔  
"کبھی مجبوری، انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کا  
لگاں ہو چکا ہے۔ ادھر ادھر تاک تھا کچھ نہ کر سکی۔  
رو دنا تھے اپنی داری سے تو عمر کسی سے پہلے ہاتے تاکہ  
یوں اپنی مرضی کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہوئی۔" وہ  
بھٹ پڑی تھی۔ عمر نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور  
بیگفت موضوع بدل دیا۔

"سریم مجھے تم سے بہت محبت ہے۔" سریم بھرمونگ  
رہی تھی۔ عمر کی نظروں سے پیغام تو اس نے عرصہ پہلے  
وصول کر لیے تھے۔ اس اٹھا کر کا اٹھا دودھ کا کپ  
دے گی لیکن یہ یوں اٹھا جاتا کچھ اور بات نہ ہوتی۔  
انداز وہیں تھا۔ اس کی جراتی سے قطع نظر عمر بولنا جا  
رہا تھا۔

"میں نے جب تمہیں پہلی بار دیکھا تھا، تم  
میرے دل میں اتھر گئیں۔ لیکن میں خود کو جھلکا تار ہا کہ  
یہ محبت وغیرہ کچھ نہیں ہوئی۔ پھر بھی تم ہر وقت  
میرے عواسوں پر سوار تھیں۔ تمہیں وہ یکن تو نظریں  
ہٹانے کا دل نہیں چاہتا۔ آخر میں نے خود سے پار مالی  
اور تمہاری محبت کا اقرار کیا آپ سے کیا کہہ۔ اس لیے  
میں کبھی بھی سے اٹھا کر نہیں آ جاتا تھا۔" وہ دیر سے  
دیر سے بول رہا تھا، آج کبھی بارش کی نظر میں کس  
چہرے پر نہیں تھی۔ سریم بہت توجہ سے کس رہی  
تھی۔ "تم پہر ایک بغض غائب ہیں۔ میں بھول گیا ہوا  
پھر تار ہا۔ کبھی تمہاری نیت کے لیے پریشان ہوتا تو  
بھی یہ خیال آتا کہ شاید تم تیورٹی کی مجبور ہو گئی ہو۔  
تمہیں دوبارہ نہ دیکھنے کا خیال میری سانسیں بند کر  
دیتا۔ پھر میں خوفزدہ ہو گیا۔ میں سے نہیں جانے کا  
موت لیا۔ میں نے تمہاری طرف قدم بڑھایا۔ یہ  
جانتے ہو مجھے کبیری شادی ہو چکی ہے؟"  
اس نے سریم کے سر پر دھکا کیا تھا۔ زمین کی  
گردش ایک دم سریم کو محسوس ہوئی اس کی کا تھ  
بے ساختہ اپنے ہون پر آ کھا تھا وہ لٹی میں گرد ہلا

ری تھی۔ "میری خاندانی بیوی سے دو بیٹے ہیں۔ وہ بہت بیمار ہے، اسے میری دوسری شادی پر کوئی اعتراض نہیں، نتیجہ ہم سے شادی کرو گی، مریم، میں تمہیں دھوکا نہیں دینا چاہتا مگر تم پلیز فیصلہ کرتے ہوئے میری بہت ضرورت یاد رکھنا، وہ سوال چھوڑ کر چلا گیا تھا۔"

مریم خالی کلاس میں اب پر ہاتھ رکھے ماسک ہٹاتی تھی اس کے دماغ میں بھڑک چلے تھے۔ پھر ایک آنسو اس کی آنکھ سے نکلا، دوسرا، تیسرا اور دوسرا جب ہٹتی آئی تو اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، آنکھیں بندھی ہوئی تھیں۔ ہاتھوں پر سر ڈالے، چہرہ چھپانے وہ اس اکتشاف کتنے ہی لذت سے گذر رہی تھی۔

"مریم کیا ہوا، طبیعت ٹھیک ہے" یعنی سب حد پریشان ہو گئی تھی۔

"کھر جا رہی ہوں" اس نے بے شکل جواب دے چہ وہ رڈ کر صاف کرنے کی کوشش کی۔ یعنی کو آدھے کھٹے بندھوئے والی نکاس یاد آئی لیکن کچھ بھی مریم سے اہم نہیں تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہی لگی تھی۔ راستے میں اس نے مریم سے پوچھنے کی کوشش کی لیکن اس نے گھبرا کر ہاتھ میں سر گھڑا۔

"سب کچھ تمہیں ہی بتاؤں گی، ابھی مت پوچھو۔" اس کا جواب یعنی کو خاموشی کروا دیا۔ وہ اس کے ساتھ کھر آئی تھی۔ زنب آئی کلاس کے شہید سر رڈ کا دیکر خود شام میں آنے کا کھر کر مٹی کی شام میں جب وہ آئی تو مریم بھار میں چپک رہی تھی۔ خشنابی لے کر اس کے سر پر پٹیاں رکھتے یعنی مسلسل اس اچانک بخار کی وجہ سوچ رہی تھی۔ جب وہ لائبریری سے آئی تو اسے عمر جانا دکھائی دیا تھا۔ وہ مریم سے ملایا نہیں، اسے معلوم نہیں تھا۔

"آخر ایسا کیا ہوا تھا۔ اگر صرف طبیعت خراب ہوتی تو مریم سب کی طرح نہ روئی۔ بہت ہون بعد یعنی اسے تم سے گلے کر کچھ سوچ رہی تھی۔ رات وہ اس کے پاس ہی رہی تھی۔" دے گئے

اس کا بھار بارت چکا تھا لیکن وہ بالکل خاموش تھی۔ نہ کچھ بول رہی تھی، نہ کھا رہی تھی۔ دیران سوئی ہوئی آنکھیں نے جا بجا اثرات کے ساتھ وہ ایک ہی دن میں زرد لگنے لگی تھی۔ کھر میں سب پریشان ہو گئے تھے۔

زنب آئی بچن میں گھسے تو یعنی مریم کے سر ہو گئی۔ "یہ کس چیز کا بھار ہے؟" یعنی نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ مریم نے خالی نظروں سے اسے دیکھا اور بے۔

"مریم بس کرو۔ خدا کے لیے، میری زندگی میں پہلے ہی بہت مشکلات ہیں تم تو یوں مت کرو۔" یعنی رڈ کی۔

"ہمارا قسمت ایک جیسی ہے، عروم اور بجز مریم نے آہستگی سے کہا تھا۔ یعنی نے چپک کر سر اٹھا دیا، وہ اسے ڈانکا جاتی تھی مگر گلے سے اکیلے سوچ سوچ کر اور دوسرے مریم کا سر پھٹ رہا تھا وہ دل کا غبار نکالنا چاہتی تھی۔

یعنی سے نظریں ملائے بغیر اپنے ہاتھوں پر نظریں جمائے دو بیٹی کی۔

"مر شادی شہو ہے۔ وہ اشر بھائی کی طرح مجھے دھوکا نہیں دینا چاہتا اس لیے پہلے بتا دیا۔" وہ استہزا پسندی اور شاکا پسندی یعنی کو دیکھا۔

"ساتم نے، دھوکا نہیں دینا چاہتا وہ بیٹے ہیں اس کے، مجھے پہلے سے بتا رہا ہے۔ شادی سے پہلے، محبت کی ڈور سے بندھو۔"

"تم۔۔ کیا کر دو گی؟"

یعنی کو سمجھنا پتا آیا کہ بولے۔

"میں اس سے شادی نہیں کر سکتی لیکن میں اس کے بنا کیسے رہوں گی۔" وہ بھروئے لگے تھی۔ یعنی نے اسے چپے نہیں کر دیا تھا وہ بے آواز رہتے آنسوؤں کے ساتھ اسے ہاتھ کی ٹیکریں کھونچ رہی تھی۔ کوئی نکتا ہی غریب کیوں نہ ہو، رورحب ہی ہوتا ہے جب چٹ اپنے دل پر محسوس ہو۔

☆☆☆

مریم نے یونیورسٹی چاہا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر کھر میں بھی کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ یعنی یونیورسٹی آئی تو عمر کو بالکل نظر انداز کر دیتی۔ اس کے انداز نے عمر کو باور کرا دیا کہ وہ لاطن نہیں سوہو دوسری اس سے مخاطب نہیں ہوا لیکن آج بھی یعنی کو تھکا دیکھا تو وہ نہ سکا اور اس کے پاس آ گیا۔

"مریم کیوں آئی آری؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ یعنی نے سر اٹھا دیا غصے سے اسے دیکھا، چوری چوری سبز دوری والا معاملہ تھا۔ وہ رڈ کر بولی۔

"مریم سے مریم"

"مث اب یعنی، ڈھنگ سے جواب نہیں دے سکتی تو چپ رہو؟ عمر ایک دم برہم ہوا، ناگوار سے اس کے ماتھے پر ہل پڑے تھے۔

"کیوں چپ رہوں، کیا سمجھتے ہو تم، ہمیں، اپنی رعایا، کی تین؟" گھٹے اس طرح ہی بات کر لی آئی ہے۔ بہتر ہے کہ تم مجھ سے بات مت کرو۔"

اس نے تمام لٹا ڈالے طاق رکھ دیا۔ غصے سے عمر نے لب بکھ لے۔ اس کی بھٹی کی رگ پھر بھڑانے لگی۔ ایک لمبے کو تو دل چاہا کہ وہیں سے ہل جائے لیکن مریم کی مٹی آنکھیں، اب ریم کے ہاتھ اور ہنسی میں بھی گردن اس کے ذہن سے گزریں ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ اکتشاف ان سب کے لیے بہت بڑا ہے۔ اس کے اثرات ڈالے ہوئے

میں دقت لگے گا۔ مریم سے رابطے کا یعنی کے علاوہ کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا۔

"یعنی پلیز، تم تو فیملی سے بات سنو" اس نے خود پر کا پتا کر لیا تھا۔

"کیا وہ کیا سنتے؟ بس اپنی محافقت کا نام دے گیا ہے، وہ کر رہے ہیں۔" یعنی نے بے دردی سے جواب دیا۔ اس کے زیادہ برداشت کر عمر کے لیے ممکن نہیں تھا۔

"اس وقت تو ہی تم لوگ، خوش فہمیں میں بیٹھے والے، دوسروں سے امیدوں کے پہاڑ کھڑے

کرنے والے کل مصل مند ہوتے ہیں۔ میں نے کب مریم سے شادی کے وعدے کیے تھے، میں کر جاتا اس کی کوئی گفٹ دوسری کا نام دے کر یا جتانے شادی کر لیتا تو کیا کر، بیٹے تم لوگ لیکن میں مرد ہوں۔ دل کے ہاتھوں مجبور ضرور ہوا ہوں مگر کسی کو غریب نہیں دے رہا۔ میرے کھر میں، میری بھٹی بیوی کو، میرے باپ کو سب مریم کا مصل ہے۔ عزت سے شادی کر کے میں اسے بھی حویلی میں ہی رکھوں گا۔ تم اپنے شوہر کے آئینے میں سارے دروں کو مت دیکھو جو کوئی بہت کم عمر تھو سے پیاد نہ سکا اور اپنی عزت کو محبت دے گا۔"

اس کے کھینچے کا عمر نے خوب بدلہ لیا تھا۔ حسب زیادت وہ اپنی سار کر چلا گیا تھا اور یعنی چو تاب کھائی نہ رہی۔ کتا شائے کا زہن ہوتا تو وہ اس کا منہ تو لگتی۔ وہ کون ہوتا ہے اس کے ذاتی معاملات میں بولے نہ والا بخو کو کوئی جواب ثابت کرنے کے لیے وہ سب کو غلط کر گیا تھا۔

☆☆☆

بابا جان پر سکون بیٹھے عمر کے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ اضطراب سے، یعنی، بے سکونی کتنے دن سے رنک کر رہی سرخ آنکھیں، اس کا ایک انگ اپنی محبت سے کتنی گولائی دے رہا تھا۔

"بہر حال تم نے اچھا کیا۔ کم۔ ہم کبھی دھوکا دے گی سے قائل نہیں رہے۔ زہر ہمارے بھائی کی بیٹی ہے۔ ہمیں بے حد عزیز بھی نہیں دوسری شادی کر نہیں۔"

وہ غمگین کھر اپنے مخصوص انداز میں کھر رہے تھے۔

"مٹی لیا جان، مریم میری محبت ہے تو زہرہ میرے بچوں کی ماں۔ مجھے دونوں عزیز ہیں۔ لیکن جس دن سے اسے معلوم ہوا وہ دوبارہ یونیورسٹی نہیں آئی۔ وہ ہاں سے سب باتیں کر لیتا تھا۔" "تو فون، دونوں کر لو بابا، کھر بے جا ڈے۔ بات کرنے سے ہی بات بنتی ہے۔ اپنی خواہش پوری

کرنے کے لیے غصے تو اٹھانے ہوں گے نہیں۔  
ورنہ لڑائیوں کی کیا کمی۔ ”دو شاہانہ اعزاز میں  
مشورے دے رہے تھے۔ ان کا کہنا ڈالا پریشان  
ہو، وہ کہیں بے برداشت کر سکتے تھے۔

”ٹھیک ہے، میں کچھ سوچتا ہوں۔ مجرمیں  
رہنے کی بات کرنے آپ کو بلاؤں گا۔ پہلے میں  
زہرہ کا علاج مکمل ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ مگر اس  
صورت حال میں اس شادی کو اٹھانا درست نہیں۔“

اس نے فطری لہجے میں کہا تھا۔ جسے رہے پر مریم  
اور اس کے گھر والے سوچ میں نہیں رہے تھے۔ وہ  
انہوں نے اپنے تئیں پکا کر دیا تھا۔ وہ جتنا مرضی  
فیروادتی، روشن خیال، نہی جانتے، درگاہیں لمبوی  
طرح درونی کاحیات اپنا اصل دکھائی جاتی تھی۔

☆☆☆

گھر میں سب کو مریم کے پیوریٹی چھوڑنے کی  
وجہ معلوم ہو گئی تھی۔ عمر احسان کے لیے قاتل قتل ہوتا  
نہیں۔ اس سے کل نظر مریم نے خودی اس سے لائق  
ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ صرف عمر سے لائق نہیں ہوتی  
تھی بلکہ زندگی سے ہو گئی تھی۔ گھٹنوں خاموش بھی  
رہتی۔ جتنی کی قصدا کی گئی خوشیاں، آئی کی بائیں، زہری  
کی شرارتیں کچھ بھی نہیں بھاتا تھا۔ وہ چپ چاپ  
اندرو اندر مصلحتیں ہی اس کی حالت ان سب کے  
لیے پریشان کر گئی۔

”میرم خدا کے لیے، یوں مت کرو۔ دیکھو  
اکل بھی کتاب پریشان ہیں تمہارے لیے۔“  
نفس آئی کے کہنے پر بھی اس سے بھرتا کر  
رہی تھی۔

”میں نے کیا کیا؟ کیا یوں پریشان ہیں؟“  
اس نے چونک کر پوچھا تھا۔  
”خود کو دیکھا ہے؟ نہ بولتی ہو نہ کھاتی ہو۔“

آنکھوں کے گرد جلتے پر پڑے تھے۔ کون خوش ہو گا  
جہیں دیکھ کر۔ ”جتنی پھٹ پڑی تھی۔“

”میں کیا کروں جتنی، میں کیا کروں۔ میں  
آکھیں بند کروں تو وہ سامنے نظر آتا ہے۔ میرا دل

چاہتا ہے ایک بار اسے دیکھ لوں، اس سے مل لوں۔  
مجھ سے ملنے ہوں کچھ سے۔ یہ چند دن نہیں ضرور ہے تو  
پوری زندگی کیسے گزری اس کے بن۔ ”وہ سسک  
رہی تھی۔ جتنی سڑک پر بیٹھی تھی وہی دیر بعد مرگھا کر  
دیکھا تو آنسو اس کی اس کے رخساروں پر بہہ رہے  
تھے۔

”مریم، مجرم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ تم اس  
سے شادی کر لو۔“ وہ چھٹی سے گھبرائی تھی۔

”دوسری شادی، کتنی بھلی مارکر اس نے آنسو  
بھری آنکھیں اٹھا لیں۔

”پہلی دوسری شادی سے کچھ نہیں ہوتا، جس  
نے انصاف کرنا ہوتا ہے۔ وہ کرتا ہے۔ تم اپنے ذہن  
سے سوچو۔ مجرم بیک گراؤڈ سے فطرت رکھتا ہے  
وہاں دوسری شادی منسوب نہیں۔“

وہ آرام سے بیٹھ رہی تھی۔ شاید عمر کے الفاظ  
یوں دل کو نہ گتے۔ ”وہ بھی چاہتی تھی کہ اس کی بے  
رنگ زندگی کا تجربہ مریم کی زندگی میں بھی اندر سے  
بجھ رہے۔ وہ اسے خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ اسے یوں  
دن بہ دن ملنے دیکھنا جتنی کے لیے امتحان سے کم نہ  
تھا۔

”تم عمر کو بھول جاؤ یا اس سے شادی کر لو۔ یوں  
اسے چھوڑ کر خود کو بھی تھما کر لینا سکل کا نہیں۔  
نفس آئی تمہارے لیے رشید بکھری ہیں۔“

اس نے صاف صاف بات کی۔  
”نہیں، عمر نہیں تو کوئی نہیں۔ میں ساری  
زندگی اس کی یاد کے ساتھ گزار سکتی ہوں لیکن اس کی  
جگہ کیوں دے سکتی۔“

وہ بے ساختہ بولی تو جتنی گہری سانس بھرتی اٹھ  
کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

عمر نے سوچا تھا کہ وہ اس کے گھر جا کر اس کی  
بہن یا والد سے بات کرے گا، انہیں سمجھانے کی  
کوشش کرے گا لیکن اس سے پہلے ہی ایک دن جتنی  
اس کے پاس آئی۔

”آپ اگر مریم کے لیے جتنی دیر تو رشید بھیج  
دیں۔ اس کے گھر والے اس کی شادی کر رہے ہیں۔“

اس کا انداز سیاہ تھا مگر الفاظ گہراں لگ رہے  
تھے۔ بڑے دل سے ہی جتنی مریم نے حقیقت  
قبول کر لی۔ وہ شادی پر ان کی کسی۔ اب وہ ایک کلمہ  
کا نتیجہ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کہیں اس کا ارادہ نہ  
بدل جائے۔ اس کے گھر والے مسئلہ پیدا نہ کریں۔  
تکتے ہی غرضیات تھے جن کے ذریعہ ان دنوں میں  
ان کی شادی ہو گئی تھی۔

عمر کی پہلی بیوی زہرہ اس سے عمر میں بڑی اور  
کینسر کی دوسری بیماری۔ اس نے کھیلے دل سے عمر کو دوسری  
شادی کی اجازت ہی نہیں دی تھی بلکہ مریم کو قتل  
بھی کیا تھا۔ اپنے سنے اس نے مریم کے حوالے کر  
دے تھے۔ سب اسے چھٹی دیتے لیکن وہ ہر جگہ آنے  
والی سوئی دیکھ کر ہی کسی۔ وہ جانتی تھی کہ جب  
وہ نہ تو مریم اس کے بچوں کے لیے ماں بن  
جائے۔ اسی لیے وہ اسے بہنوں کی طرح چاہتی اور  
اس کا خیال رکھتی۔ جتنی کا دوسرا پھر اس عمر کے چچا جتنی  
زہرہ کے والد کا تھا، جہاں وہ اپنے دو بیٹوں کے  
ساتھ رہتے تھے۔ زہرہ کے گھر والے ہی عمر کے  
لیے بہتر پریشانی تھے۔ عمر کے ساتھ وہ بچہ نہ لیتے  
لیکن اکیلے میں مریم کو اس کی حیثیت یاد آتا  
دیتے۔ اپنی بہن کی خراب طبیعت میں مریم کا اس  
کی جگہ لینا، انہیں ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ مریم عمر  
کی جھجوں سے سرشار سب بچہ نظر انداز کیے رہ رہی  
تھی۔

ہیلا دیو کا اسے تب لگا، جب وہ ایک چارٹی سی  
بٹی کی ماں بنی۔ ہسپتال میں اس کے گھر والے خوشی  
سے چپکے پھر رہے تھے۔ جبکہ عمر نے بٹی کو دیکھ کر  
گاؤں روانہ ہو گیا۔ اس کی پہلی اولاد انہیں عمر کی  
خوشی سے وہ سب کام دھنڈے بھول جاتا۔  
یوں وہ گھڑی کو آتے جیسے کسی دور کے رشید دار کی  
جاتے جاتے عیادت کرتی جاتے۔

ہسپتال سے وہ آئی کے ساتھ چلی گئی تھی۔ بچی

بہت کمزور تھی۔ عمر کو بچی سے زیادہ مریم کی فکر تھی۔ وہ  
فون پر اس سے بات کر لیتا۔ اپنی محبت اور بے  
تجایاں جتنا مریم جتنی ہی کہہ دے بھی اپنی بچی  
کے لیے بھی اس بے اعتبار محبت کا اظہار  
کرتے۔ بڑبڑاہہ بعد وہ جی تو آئی زہرہ نے اسے  
باتوں کا اٹھ لیا تھا۔ وہ دسارے شکوے بھلا دیتی اگر  
زہرہ کی بھابھیاں اس عمر کے بیٹوں کی پیدائش پر  
گاؤں میں ہونے والے جشن کی غصیلات نہ  
گھنوا تھیں۔

”وادرٹ تو جینا ہے ہوتا ہے۔ پہلی بار بیٹا ہو  
جاتا، بعد میں چاہے بہن آجائی۔“ خود غور ہو کر  
وہ اسے چ کے گھر لگتی تھیں۔  
”وہ بھی ہیں ماٹا، اللہ اس کے اب بچی کی  
ہی کی تمہارے گھر۔“

اس نے مسکرا کر انہیں تو جواب دے دیا تھا  
لیکن دل میں ایک شلش پیدا ہو گئی۔  
کیا ہو جاتا اگر وہ اس کی بچی کا پیش پر بھی  
جشن منا لیتے۔ اس کی پہلی اولاد بھی۔ دل میں گلے  
شکوے باقی وہ بھول گئی تھی کہ ان کی سردہری کا سب  
بیٹا یا بیٹی نہیں بلکہ زہرہ کی روز بروز بگڑتی حالت کے  
ساتھ پیدا ہونے والے بچوں کے۔ ایسے ہی ایک دن  
بابا جان اور عمر زہرہ کو لے کر لاہور کے ہوئے  
تھے۔ اس کی بھی کڑی علیحدگی بھارت میں رہا تھا۔ وہ  
پریشانی کے عالم میں چادر لپیٹ کر گلی تو سامنے زہرہ  
کا کھانا موجود تھا۔

”جینکی طبیعت خراب ہے۔ ڈاکٹر کو دکھانا ہے  
“ اس کی استغما یہ نظروں کے جواب میں اس نے کہا  
تھا۔

”آپ اندر جائیں۔ میں ڈاکٹر بلواتا ہوں۔“  
اس کے کہنے پر وہ اندر آ کر ایک بار پھر اس کے  
سر پر پچایاں دے کر آئی آیت کا ورد کرتی گئی  
تھی۔ جتنی بھائی نے کو لازم کو انکڑ کو بلوانے کا کہا  
مرد تھا لیکن ڈاکٹر کی غیر حاضری کا سن کر کوئی تبصرہ  
نہیں کیا۔ لازم کو انکڑ کا حکم نہیں ملا تو وہ بھی آرام سے

بیٹھ گیا۔ میرے پر گزرتے وقت میں مریم نے پتلی سے ڈاکڑ کی جھڑکی سے ڈاکڑ کا کچھ اٹا نہیں تھا۔ بیٹکی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ وہ پیش و پریشانی کے عالم میں ملازم کو گڈی ڈیٹا لے کر کچھ خُحال بیٹو کے رُکے بھاگی جس کی تمام ملازم پرانے تھے۔ گاڑی کے چوٹی سے نکلنے سے پہلے پتلی بھی تک اطلاع پہنچ گئی تھی۔ وہ تیزی سے گئے۔

”آپ اتنی شام کو اسے لے کر ایسی کیسے جا سکتی ہیں۔ یہ ہماری روایت نہیں۔“ بولتے بولتے انہیں بیٹکی کی گتھ رت سے خراب حالت کا ادراک ہوا تو تاثر ڈال دیے۔

مریم کے اندر کی ماں نے اپنی اولاد کی خاطر اور سمجھوتے کے تمام بہت قورڈے تھے۔ ”آپ کی والدین پر میں اپنی بیٹی نہیں قربان کر سکتی۔“ تزخ کر جواب دیتے اس نے ڈرائیور کو پلے کا اشارہ کیا تھا۔

زود کی شہر کے ہسپتال کے لیے کو ایڈمیٹی ملی امداد سے کرکرا رہی روانہ کر دیا تھا۔ اس کا سانس اکڑ رہا تھا۔ کراچی پہنچ کر بیکو ہسپتال میں ایڈمٹ کروانے پریشانی سے مریم کا دھڑکھم رہا تھا۔ اس نے اپنی آنی کو ٹون کیا اور منٹوں میں سب اس کے پاس موجود تھے۔ حسن بھانجا ٹرانکس سے بیٹکی کی جرحیت دریافت کر رہے تھے تو نسیب آلی بڑ حال بیٹی مریم کو گھونڈ لاری میں۔ مصیبت کے انھوں کو تپتا بیٹیلے مریم کو خود پر روتا آیا تھا۔ تھا اس کی محبت کا انعام۔ پسند کی شادی کا نتیجہ سب کے لیے ہی اتنا بیکار ہوتا ہے یا اس کی قسمت میں یہ سب لکھا تھا۔

جلی فون کرنے سے مریم کو بیٹکی کی خراب صحت کی اطلاع ملی لی کن زہر کی سر جری کے باعث وہ اسے چھوڑ کر نہیں آسکا تھا۔ شقیٹ بھائی نے مریم کے کچھ بتائے۔ سے پہلے مناسب الفاظ میں اپنا مقصد پیش کر دیا تھا۔

کتنے ہی دن اپنے بیکے گزرا کر مریم والدین

آئی تو ایک کچی۔ حالات کی سنگینی کا اعجاز و مرکب ہوا جب مریم نے اسے بیٹے کے مستقل نسیب آلی کے پاس رہنے کی اطلاع دی۔

”یہاں ٹھیک ہے تمہارا امیری بیٹی کیوں اصرار، اور مریم کی۔“ بے اختیار وہ پکڑا تھا۔

”اس لیے کہ آپ کی بیٹی کو ڈاکڑ لگزی دستیاب نہیں تھا۔ میں خود پر سب برداشت کر سکتی ہوں مگر میں بیٹے پر آج بھی آتی ہوں۔ یہ برداشت نہیں کر دوں گی۔“

مریم نے سگ کر جواب دیا تھا۔

”نظر اس کو بھی پیش بھائی سے بات ہوئی تھی میری۔ انہیں کال معمولی بخار ہے، شام تک ڈاکڑ آ کر دیکھ لے گا۔ تم بیٹے کو لاؤ، آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔“ مریم نے بات کی گئی۔ مریم آج بھی اس کی محبت تھی۔

”میں اپنی بیٹی پر دیکھ نہیں لے سکتی۔ میرا تو خود دیکھنا ہوئی گی پیش بھائی۔“ مریم نے زہرہ کی آنی کی خاطر میں آگئی۔ انہوں نے مجھے اپنے بچے امانت سونپے ہیں۔ میں غائب نہیں۔ میں یہاں رہوں گی لیکن یہاں نہیں آئے گی۔“ اس کے کٹھنی انداز پر مردانہ طویر پر خاموش ہوا تھا۔ وہ بھانجا ٹرانکس میں سے بھائی سے۔ اب ایک فیصلے کرنا اس کی عادت ہیں۔ کچھ مریم کو روتا تو وہ خود ہی بیٹکی محبت سے مجبور ہو جاتی۔

اسی دوران زہرہ کی موت نے یہ مسئلہ پیچھے ڈال دیا۔ مریم نے دکھ کی اس گھڑی میں ان کا پورا ساتھ دیا تھا۔ ماں نے ہر کران کے دلوں بیٹوں پر بالا بیٹھا۔ زہرہ پر ضرور ڈیٹا لیکن وہ نسیب آلی کے گھر میں اور سب کے دلوں میں اپنی منظم جگہ بنا چکی تھی۔ انہوں نے بیٹے کو وہاں بھیجے سے انکار کر دیا تھا۔ بیٹکی کی تعلیم اور بہتر مستقبل کے لیے اس نے اپنے لیے اسے دل پر چھوڑ دیا تھا۔ گاڑی میں نزدیک اپنے اسکول نہیں تھے۔ لڑکیوں کو بڑھانے کا دارانہ تو بہت ہی کم تھا۔ والد اس کی بیٹے کے مستقبل کے لیے

تقصان دہی ہوتا۔ سائل اس کا احترام کرتا لیکن وہ اپنے نسیب والدین کے زیادہ قریب تھا۔ ان کی باتوں کے زیر اثر وہ لڑکھلاؤ لگتی ہی رہتا۔ سائل نے اسے اپنی جتنی ماں کی جگہ کی تھی۔ ان کا دل یہاں تھا۔ اسی لیے وہ بیٹے کو بھی کی بیٹوں کی طرح چاہتا تھا۔ اپنی تعلیم زندگی گزارتی بیٹے نے بھی سوچا بھی نہ تھا کہ مریم، بابا کی ایک محنت اسے ہی حوالہ میں والدین لے آئے گی۔

☆☆☆

کافی دیر سے بیٹے امان کی فراغت کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ گاڑی کی عورتیں جو ہر بیٹا ملیں تھیں کہ اسکول میں کوئی استاد حاضر نہیں ہوتا۔ ابا انہیں یٹین دلا رہی تھیں کہ مریم کو وہ بتا دیں گی اور ان کا شامہ استاد کا انتظام ہو جائے گا۔

انہیں گاڑی کی حالت سے کیا مطلب۔ بیٹے اپنے لیے بیٹے کو سوچا تھا۔ جانے کیوں سب کے اتنے پیاردار خون کے رشتے کے باوجود وہ خود کو اس سے الگ ہی سمجھتی تھی۔ شاید یہ اس بیٹے کا شہر میں ہیں بابا جانے والا عام تاثر تھا جو اس کے ذہن پر طاری تھا۔

”میرے اڈیشن کی بات کی آپ نے بابا سائیں سے۔“ سب کے جانے ہی وہ سامنے آ بیٹھی۔ دلی ریلو بیٹا بھی تھا لیکن ہر حال وہ اس کے والدین تھے، وہ ان کی مرضی کے خلاف نہیں جا سکتی تھی۔

”کر لی ہے بیٹا، انہیں بھلا گیا امیر اصرار ہوتا، ان کی قوی خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ خوش رہو۔“ امان نے بیٹے سے جواب دیا تھا۔ وہ اس کے دل میں بل رہی پر بھانجا ٹرانکس میں گناہی تھی۔ اس کا کیا یا انداز مریم سے کیا نہ تھا۔ وہ آلی کے گھر جاتی تھیں۔ وہاں رہتے آلی بیٹے کے چہرے پر یوں ہر دقت سوچوں اور اچھن کے تاثرات نہیں رہتے تھے۔

”پھر اڈیشن ہو گیا؟ کب سے کلار ہیں؟“

”ان کی بات نظر انداز کرتی وہ ہے تابی سے گیا ہوئی۔“

”حادثہ کو بلویا تھا میں نے، بات کر لیتا، پوچھ رہی اور مضامین کا فیصلہ کر لیتا۔“ انہوں نے اچھے ہوئے جواب دیا۔ وہ دہرے کے کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ اپنی گھرانی میں کھانا لگوا تھیں۔ بابا سائیں اور سائل لالہ زیادہ تر گاڑی میں ہی رہتے ان کے معاملات سنہاتے تھے، کھانے کے وقت ضرور آتے۔ سائل سبست میں چلا گیا تھا۔ اس کا بیٹے وقت کراچی میں گزرتا، جہاں حادثہ بھی ان کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ اس نے خاندانی زمین داری سنہالنے کے لیے اپنا پرس سٹ کر کے کو ترجیح دی تھی۔ بیٹے ان کی پڑھنا کر رہی تھی۔ حادثہ کا انداز تھا کہ دوستانہ ہوتا لیکن شادی بھائی کا حوالہ اسے بیٹے کی کڑوسٹ میں نہ آتا۔ دیتا۔ کھانے کے وقت بابا سائیں نے اسے حادثہ سے بات کرنے کا کہا تھا۔

”حادثہ تمہارے مضامین پر چھ رہا تھا۔ کیا پڑھتا ہے، بتا دیا۔“ انہوں نے سرسری انداز میں کہا تھا۔ بیٹے نے سر اٹھا دیا اس کے بابا کو اس کے انتقالی نتائج سے لے کر مستقبل کے عزائم تک سب معلوم تھا۔ بیٹے خون کے ہول تو بھی محبت اور قورڈے کے ہما زندہ رہتے تھے۔ اگلے اگلے طوں کا ہوتو دل سے بھیا جاتا ہے۔ انہوں نے اسے باطل میں رہنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ وہ سائل لالہ کا گھر چھوڑ کر باطل میں رہے یہ کسی کو گوارا نہ تھا۔ آخر بیٹے ہار مانی لیکن اس کی کاؤڈر خراب ہو گیا تھا۔ اسی خراب موڈ میں وہ سائل کی کلامہ ڈاکڑ کو دیکھ لیے بیٹے آئی۔

”آپ کا فون ہے۔“

”مجھے کون کرے گا کسی اور کا ہوگا۔“

اس نے سر اٹھانے سے بچنے سے ڈاری سے جواب دیا۔ وہ بیٹے فون استعمال کر لی تھی۔ جلی کا حادثہ اسے یاد پڑ گیا تھا۔ کسی کا کہہ کر دیتا۔

”حادثہ سائیں کا ہے بی بی اُلا دہر نے

بدستور ہاتھ آگے کیے تا بعد ازیں سے بتایا۔

”جی“ اس نے فون کان سے لگا کر گھر مارا انداز میں کہا تھا۔

”السلام علیکم اکیسی ہیں آپ۔“ اس کی تڑتازہ آواز سنائی دی۔

”علیکم السلام؟ وہ سلام کا جواب دے کر خاموش ہو گئی تھی۔

”آپ پھر خراب موڈ میں بیٹھی ہیں یا میری کال نے آپ کا موڈ خراب کیا ہے۔“ وہ ایک دم سنجیدہ ہوا۔

”ایک تو کوئی بات نہیں، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“

”اب ایک دم بدسلوکی تھی، اسے کیا کہتی اور کیا بتائی۔ اس کے کراچی میں موجودگی کی وجہ سے بابا سائیں نے ایڈیشن کا سارا کام اس کے ذمے ہی ڈالا تھا۔ اب جب بار بار واسطہ پڑتا تھا تو بلاوجہ کی تکلف و زحمت رکھنا پڑتا تھا۔“

”غلط بیانی تو آپ کر رہی ہیں۔ میرا حال پوچھنا تو درکنار آپ نے اپنا بھی نہیں بتایا۔ وہ ابھی بھی ایسی رسومات بھرا لیے تھے۔“ اس نے جتایا تو ٹیچر کو یکدم فضا آگیا۔

”جی، اللہ کا شکر ہے کہ میں ہوں، آپ سائیں۔ کارو بار کیا جا رہا ہے۔“ اس کے چپا چپا کر کہنے پر توجہ نہ لگا کر ہنسا تھا۔

”میں کیا بناؤں مجھے تو علم ہے فہرادی ملیمہ کے احکامات کی عمل کا، اب فہرادی صاحبہ کا حواجز برسم ہے تو بات کیا ہو۔ وجہ دریافت کر سکتا ہوں میں۔“ وہ اب اسے چھیڑ رہا تھا، انداز تھا جیسے بچپن کے دوست ہوں۔ اسی دیر سے برداشت کرتے آخر اس کا ضبط جواب دے گیا۔

”جی، آپ کی بہن کے گل میں رہنے کا حکم صادر ہوا ہے مجھے۔ یہی برداشت نہیں ہو رہا۔“ چکر اس نے صاف جواب دیا تھا۔ مدعی ہو گئی۔ جس میں برداشت کوئی جابجائی نہ تھی۔

”پہلے کی کوپا دیکھیں، فرما لیں، اب حقوق جتنے آگئے۔ وہ کھول رہی تھی۔ اس کے

انداز پر حارت ایک دم چپ ہوا۔ ادنیٰ شان پر کا انداز اس سے مخفی نہ تھا۔ ان کے سامنے تو بیڑہ وحلی میں بعض اوقات ایسی لگتی تھی، پھر ان کے گھر میں ساتھ رہنا بیجا مشکل تھا۔

”وہ میری بہن کا نہیں، آپ کے بھائی کا گھر ہے۔ مجھ سے آپ کا حق ہے اس پر۔ ادنیٰ کچھ کہہ بھی دیں تو نظر انداز کر دیں۔“ اس نے آرام سے سمجھایا تھا۔

”اگر وہ حجاد لالہ کا گھر ہوتا تو میں اس پر اپنا حق بھی سنا لوں لالہ نے مجھے بہنوں والے حق نہیں دے دیے حارت۔“ وہ دھمکی سے کھڑے کر دی تھی۔ اسے چاہی کہ چپ رہے۔ اور فاسلام ہو گیا تھا۔ تکلف کی دیوار گر چکی تھی۔ دوستی کا آغاز ہو گیا تھا۔

”لالہ کا حواجز ہی ایسا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ، ادنیٰ کے ساتھ ہے۔ اسے یہی چیز آتے ہیں۔ ہم اس بات کی فکرت نہ کر رہے ہیں۔ میں ہوں یہاں کوئی بھی مسئلہ ہو مجھے بتانا۔“ حارت نے ٹخنوں میں آپ سے تم کا سفر نہ کیا۔ اس کے دوستانہ انداز پر اسے ایک دم احساس ہوا تو خاموش ہو گئی۔

”اس نے بھی سبک دے کر ہمارے موضوع تبدیل کیا۔“

”کس ٹیلڈ میں اور کس پوئندوی میں جانا ہے پھر؟“

”اس سے باتیں کر کے بہت دیر بعد اس نے فون بند کیا تو ذہن پر موجود یاد کا محسوس طور پر ختم ہو چکا تھا۔ وہ بہت دیر پہلے بعد کوئی کے عالم میں اپنے بارے میں سوچ رہی تھی۔“

☆☆☆

سورج سر پر چمک رہا تھا۔ جتنی دھوپ میں سر جھکا لے پھر کھوکھو کرانا دھچکا جا رہا تھا۔ یہ پھر کال دور سے اس کے ساتھ تھا۔ بانگ مسلہ کر رہی تھی تو آج وہ اپنا دوپٹہ فتح کرانے بس میں تھی آگیا تھا۔ پوئندوی سے وہاں لگتے سوچوں کے اڑدہاں میں وہ اپنی اچھا کر پھیل کر دیا۔ باں رزلٹ اور کال کا انتظار تھا۔ جب وہ ساتھ ساتھ وضو نہ رہی یا تھا۔ ڈگری آ جانی تو شاید یہ حلاش جلد

کا مانی سے ہٹتا رہتی ہوئی۔ اچھی جا مل جاتی تو وہ اپنا گھر خالی کر دالیتا۔ اپنے گھر میں دوسرے لڑکے دیکھ کر اسے اجنبیت کا احساس ہوتا تھا۔ جو شریے پھڑ گئے تھے وہ تو دوا نہیں آ سکتے تھے جس ان گھر سے بہت پادیں جڑیں تھیں۔ وہاں وہ ماما، بابا کی خوشبو محسوس کرتا۔ وہ گھر کو بالکل ویسے ہی رکھنا چاہتا تھا جیسے وہ ان کی زندگی میں تھا۔ اسے نہیں جانے کی جلدی نہیں کی سو سوچوں میں ممکن جا رہا تھا۔ جب ایک گاڑی نے اس کے پاس آ کر بریک لگائے تھے۔ اس نے ناگوار سی سر اٹھایا۔

”زالون آؤ، میں چھپو دو۔“

”جالول لالہ نے آفر کیا۔“

”نہیں شکر، میں چلا جاؤں گا۔“

”اس نے تکلف سے جواب دیا

”آگ آگ، آؤ بیٹھو۔“ انہوں نے شفقت بھرے لہجے میں امر اور کیا تو حیران ہوتا بیٹھ گیا۔ باہر کے گرم موسم کے برعکس گاڑی میں ٹھنکی تھی۔ ایک سکون سا رنگ۔ وہ بس اترا ڈرائیو کو پہلے کا اشارہ کرتے وہ اس سے مخاطب ہوئے۔

”کیسی جا رہی ہے بڑھائی؟ لا سٹمسز ہو گیا؟ کیا کر رہے ہو آج کل؟ نرمی سے مسکرا کر پوچھنے لالہ کے انداز میں اس دن والی سخت بات نکل گئی۔

”جی، اب بس رزلٹ کا انتظار ہے۔ جب ڈیوٹیز رہا ہوں۔“ اس نے اچھے کر جواب دیا، اب ان نواز شوں کا مطلب۔ وہ لہجہ کے بھائی ہی نہیں بابا کے اچھے اسٹوڈنٹ بھی تھے، اکثر لہنے آتے تھے۔ بابا کا ہی خیال تھا جو وہ ان سے روڈ ڈنس ہو لیتا۔

”میری مدد کی ضرورت ہو جاتا، وہ چلا گیا اور تم میرا کارڈ رکھو۔ مجھے باپنی ہی دلی بیگونا، میں جاں کا بندوبست کرتا ہوں۔“ انہوں نے اپنا کارڈ آگے بڑھا دیا۔ وہ اپنی ٹھیک جھولائیں تھا۔ اس لیے کارڈ کی طرف دیکھ کر خیر آرام سے جواب دیا۔

”نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈگری آ جائے، میں ڈیوٹیز لالہ کا جاں۔“ وہ اس کے انداز پر

اے مسکرائے، جیسے بچوں کی تادانیوں پر بڑے مسکراتے ہیں۔

”یہ گھوڑا بات سنو میری، مجھے معلوم ہے تم ناراض ہو گئے۔“ کارڈ اس کے ہاتھ میں تھامے انہوں نے کہا تو وہ سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگا۔

”پوئندوی صاحب تمہارے لالابی ہیں سے پریشان ہوئے تھے۔ ان کے خیال میں تم اپنی توانائی فالو کاموں میں ضائع کر رہے ہو۔ ان کے جانے کے بعد تم دکھ کے باعث اپنے مستقبل سے لاپرواہی نہ کرو، اس لیے میں نے تمہارے ساتھ ایسا ہیادیر رکھا کہ ضد میں تم نے اپنا زور اور درست سمت میں لگایا۔ اب تم زندگی میں شیت ہو جاؤ گے تو آپ بھی سکون لے گا۔“

”نیک اولاد صدقہ جاریہ ہوئی ہے زالدون تمہارے نیکیاں تمہارے والدین کی قبر بھی ٹھنڈی کی ہیں کی۔“ وہ مسکرا کر بتا رہے تھے، تمہارے تھے۔ زالدون بھی مسکرا دیا۔ بابا کے ذکر سے ایک خوش گوار احساس ہوا تھا۔

”آپ یہاں کیسے۔“ اس نے انہیں ختم کرتے ہوئے پوچھا۔

”ایک لاکھ پچاس کروڑا بیہ پوئندوی میں، اب یہیں رہے گی۔ اسے چھوڑ دے آیا تھا۔“ ان کی بات پر ہلے اس نے اسے جواب لگایا۔ کتنے دن ہو گئے تھے بات نہیں ہوئی۔ وہ خود ہی کئی دن کی رہی تھی۔ لیکن اب اس نے بھی فون کر کے نہیں بتایا۔ ہم ایک دوسرے سے اتنے بے خبر کیسے ہو گئے۔

”جالول لالہ سے باتیں کر کے اس کا راز ہی فطرت پر محکم رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے اور خوش گواریت ختم ہو گئی تھی۔

☆☆☆

فون پر، رابطہ کر کے حارت نے اس کے ڈاکوٹیشن منگوا لیے تھے۔ دس میں کارڈ ملی ہوئی اور اسے اپنے داخلے کی خوشخبری گھر پہنچنے لگی تھی۔

زینوں کی مودرفینا کے باوجود اس کی ٹکلی محسوس کرتے ساتھ لالہ نہ صرف خود اسے چھوڑنے آئے

تھے بلکہ سب کے سامنے انہوں نے لمحے کے ساتھ کہا تھا۔  
 ”یہ تمہارا اپنا گھر ہے، آرام سے رہو۔ کوئی مسئلہ ہو۔ مجھے فون کرنا۔ حادثہ اور لالہ بھی نہیں ہیں۔ ادنیٰ اس خیال خیال نہ کیے گا۔“  
 ان کے محبت بھرے انداز اور تخلیق پر سانول لالہ نے ایک مسکراہٹ اچھالی، حادثہ نے بھرپور انداز میں اپنے تعاون کا یقین دلایا اور شاز نے بھابھی نے بھگن اپنے چہرے کے تاثرات پر قابو پاتے سر ہلایا تھا۔ سانول لالہ جتنے بھی لاشعور نظر آئے تھے وہ ان کے سامنے لاشعور سے بچاؤ نہیں کیں تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ عجیبو گئے اندازہ ہو گیا تھا کہ شاز نے بھابھی اٹھا، لیٹے، خاکف ہیں اور ان کے سامنے اس پر طرے کے تیر چلنے سے گریز ہی کرتی ہیں۔ بھر میں بہر حال اسے ان کے ساتھ ہی رہنا محاسوسب کی مکمل پھرت کے باوجود وہ بھی ماجد کی عمارت آرائی نہیں چاہتی تھی۔

زادون کو ایک آدھ بار فون کیا تو کال نہیں ملی۔ اس کا ارادہ اس سے لی کر سر براہزہ دینے کا تھا۔ اسی کو وہ کامیاب میں ہوئے پھیلے کام کو پورا کرنے میں دن رات مصروف تھی۔ آج بھی وہ ایک لڑکی کے خود بنائے ہوئے ایٹھ نوٹس لٹائی گئی جو اس نے اسے اس شرط پر دیے تھے کہ شام تک میرے گھر دے جانا۔ اب جب وہ ڈرائیور کے ساتھ نکلنے لگی تو شاز نے بھابھی ڈرائیور کو گھر کی بل گئی۔

”سارا دن تو گاڑی تمہارے لائے، لے جانے میں مصروف رہتی ہے۔ مجھے کسی خراب کام سے نہیں۔“ انہوں نے کات دار تھیں میں کہا تھا۔ ان کے انداز پر وہ انہیں یہ بھی نہ کہہ سکی کہ مجھے ساتھ لے جائیں، دونوں کا کام ہو جائے گا۔ اب وہ طے اور پریشانی کی بی بی کیفیت میں لاش میں مکمل رہی تھی۔ بیگ، ٹوش، سب ساتھ میں ہی تھے۔ اکیلے رکشہ، کسی میں ستر کے لیے حالت میں نہیں تھی اور جاتا بھی ضروری تھا۔ اس نے اس پر پختہ ارادہ کیا کہ یہ یونورسٹی کے لیے وہی لگا لے لی بلکہ لالہ سے

کہہ کر ایک گاڑی اور ڈرائیور منگوا لی ہوں۔ آہستہ آہستہ اس پر ان کا رنگ چڑھ رہا تھا۔ خالی دارغ شیطانی کار کا رخا نہ ہوئے۔ فارغ بھی کبھی کو سوچتے وہ خود کو کتنی پر محسوس کرتی تھی۔ اب اتنی مصروفیت میں اسے اپنے اور ان کے مابین موجود فاصلے کی پریشان نہیں کرتے تھے۔ تب ہی ہارن کی آواز کے ساتھ پیر کی دروازہ دا ہوا اور حادثہ کی گاڑی اندر داخل ہوئی گاڑی کھڑی کر کے اندر جانے کے بجائے وہ اس کی طرف آگیا۔

”تمہیں کیا ہوا؟ کہیں جاری ہو یا واپس آئی ہو؟“ اس نے آگے سے پوچھا تھا۔

”جانا تھا اگر آپ کی بہن گاڑی نہ لے جاتیں۔“ اس نے تنک کر کہا تھا۔

”اوہ!“ اسے اعتبار سے بھری آواز اس کے منہ سے خارج ہوئی تھی۔ ”کہاں جانا ہے، میں نے اچھا ہی تھا، اب تو معاملہ عجیب تھا۔ مجھے ہی چاہتا تھا، اب تو معاملہ عجیب تھا۔ مجھے ہی چاہتا تھا، اب تو معاملہ عجیب تھا۔ مجھے ہی چاہتا تھا، اب تو معاملہ عجیب تھا۔“

”تمہارا اداسی سے کوئی رشہ نہیں جو چرامیری بہن تھی ہو۔“ گاڑی کاتلے حادثہ سے فکرتھی کہ تھا کو اس کے انداز میں کتنی نہیں تھی۔ مگر احساس پشیمانی کے تحت کبھی اس نے ایڈریس کی چٹ پکڑائے وضاحت دی۔

”مجھے ضروری کام تھا، اس لیے گاڑی نہ لے کر بھابھی کو اپنے گھر دیا۔ صوری آپ کو لگا کہ تو“ حادثہ نے مسکرا کر بہت توجہ سے اسے دیکھا تھا جو قدرے شرمندہ کی گد گدی تھی۔

”کوئی بات نہیں، اسے روبرو مل گیا میں نے، شادی کے بعد یہی سب ہو گا۔“ حادثہ نے

حراسے سے کہا۔ شرمندگی، جاپاک بہت سارے احساسات، عجیب پر حملہ آور ہوئے تھے۔ چند لمحے وہ کچھ بول ہی نہیں سکی۔ زبان پر آتے الفاظ بولنے کے قابل نہ تھے۔

”مجھ پر کچھ کہیں کا ذرا سی مدد کی لے لی سوڈا ہی ہو گیا، مغل غافل“

”جو بھی لڑکی میری بیوی ہوگی، اس کی اپنی نذر سے لڑائیاں ہوں گی۔“ اس کا سر تھ چڑھ اور کھڑی آنکھیں دیکھ کر وضاحت دی۔

”کہہ دو آپ ٹھیک رہے ہیں ہند سے یہ سلوک کرتی ہیں تو اپنی بھابھی کو کوشاں کیا چننا چاہیں آپ کی بہن۔“ اس نے سارا لحاظ بالائے طاق رکھا اور دوبارہ آپ کی بہن پر زور دیتے جواب دیا۔

”ایسا نہیں ہے جواب۔“ اتنی جھٹکے بہن تھی میری لیکن شوہر اتنا کھڑی ملا کر ساری اخلاقیات بھول گئی۔ ”اس نے جڑائی چوڑائی کی۔“

”بہت جچی اخلاقیات تھیں، جو فوراً بھول گئیں۔“ وہ بلند آواز میں بڑبڑائی۔ حادثہ زور سے جیس دیا۔

”میں آپ کی مدد کر رہا ہوں اور آپ شکر یہ ادا کرنے کے بجائے مجھے ہاتھ میں ساری ہیں۔“ اس نے معنوی تاسف سے سر ہلایا، اس کے لیے کی شرارت محسوس کرنے کے باوجود عجیب شرمندہ ہوئی۔ حادثہ کا دوستانہ انداز اسے بے لکھی سے بات کرنے پر آمال کرتا۔ یہاں سب کے سامنے جذبات چھپائے وہ ٹھک جاتی تھی۔ اسی گھر میں تو ہر وقت ہی اس کی زارون سے ٹوک جھوک چلتی رہتی۔

”کچھ اور کام تو نہیں، شاپنگ وغیرہ؟ اسے خاموش دیکھ کر حادثہ نے موضوع پر کاشی کے آپ مجھے لے آئے۔“ بات سب تو ہمارے گا گلہ میں اپنے لیے ڈرائیور اور گاڑی منگوانی کی سہول لالہ سے تاکر آپ کو ان کا کتنا تکلف نہ ہو۔“ لمحے نے اب کی بار یاد سے

شکر یہ ادا کرتے اپنے مستقبل کے منصوبوں سے بھی آگاہ کیا۔

”معلوم ہے، سہول لالہ کی چوٹی میں آپ، لیکن ہمیں جس خدمت کا موقع دیں۔“ اسے بھینچا کر لگا تھا تب ہی اسی طرح یہ انداز اپنایا۔ اس کے انداز کے باعث ہی جب اس نے پیرا اسٹور کے باہر گاڑی روکی تو وہ انکار نہ کر سکی۔

”مجھے اندازہ نہیں کہ آپ کو کیا چاہے ہو گا، اینٹیشری، کپڑے جو چاہیے لے میں اس کام کے لیے لے گا اور بلا میں لے۔“ اس نے بیچیدگی سے پوچھا۔ اس نے کچھ تو جواب دینے سے گریز کیا۔

”مجھے زارون کے لیے کھٹ لگتا ہے۔“ اندر داخل ہوتے ہوئے اسے یاد آیا۔ وہ دونوں پر غیوم دیکھ رہے تھے جب زارون کی نظر اس پر پڑی۔ سہول لالہ سے ملنے کے بعد سے وہ اس کے فون کا انتظار کر رہا تھا۔ بیٹھ وہ کسی بھی جواب کیوں نہیں کیا۔ جو سوال اس کے دماغ پر بھڑکے رہا تھا۔ اب اس کا جواب مل گیا تھا۔ وہ ایک وینڈر لڑکے کے ساتھ محسوس پر غیوم کے ایک کے سامنے کھڑی پر غیوم چپک کر رہی تھی۔

”تمہیں معلوم نہیں کہ اسے کون سی خوشبو پسند ہے؟“ لمحے کے بار پر غیوم چپک کر پوچھ رہا تھا۔

”یہ“ ”نیت رور“ ”لگا ہے، باتی تو میں ایسے ہی ٹرائی کروں کہ شاید کوئی اور بھی اچھا لگے۔“ لمحے نے سامنے کسی بول کی طرف اشارہ کرتے بتایا تھا۔

”بہت فارغ ہو نا تو لو کا سوں کے لیے۔“ اس نے انھوں سے سر ہلایا۔ لمحے بے اختیار ہنس گئی۔

”آپ کو شوق تھا مجھے شاپنگ کروانے کا۔“ اس کی ہنسی سے نظر بچتا زارون نکل رہا تھا جب اسے تو لگایا۔

”زارون، کیسے ہو؟“ وہ ایک کراچی تھی۔

”ٹھیک ٹھیک ہو؟“ اپنی خوشی میں وہ زارون

کا رکی انداز محسوس نہیں کر سکتی تھی۔ جب ہی مکمل کر سکرناے حادثہ کا تصارف کروایا۔  
 ”حادثہ، سہاول لالہ کے کزن اور یہ زارون۔“  
 ”میں تمہارا بھی کزن ہوں جناب۔“ اسے گھورتا تھا حادثہ زارون سے سلام کرناے لگا۔  
 ”میں نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا، سوچا تھا ایک جا کر کہیں پر اسراروں کی۔ سارے سر پرانے کا کناڑہ ہو گیا۔“  
 وہ بے ساختگی سے بتا رہی تھی جب حادثہ نے ٹوکا۔  
 ”آہستہ بولو، سب دیکھ رہے ہیں۔ بلکہ کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔“ زارون کی طرف دیکھا وہ بہت لفساد سے وقت دے رہا تھا لیکن زارون نے ضروری کام کا کہہ کر معذرت کر لی۔  
 واقعی کے سفر میں بھی بہت خوش تھی، زارون سے ہونے والی ایک ملاقات نے سوڈن بحال کر دیا تھا اور خوش تو حادثہ بھی تھا۔ ایک خوف سادل میں جو زارون کے حوالے سے تھا، وہ ڈاکل ہو گیا تھا۔  
 زارون کی بیٹی میں عدم دیکھی دیکھ وہ اپنے ارادے میں پختہ ہو گیا تھا۔  
 واقعہ برنگوں پر ٹانگ دوڑتا زارون اپنے ذہن میں آئی سوچوں سے جنگ کر رہا تھا۔ بیٹھ کا خوشی سے چمکا پھر اس کے ذہن کی اسکرین پر نمایاں تھا۔ ان کا تعلق اتنا کیا تو نہ تھا۔ شروع شروع میں فون کے کئی تاروں کی تھی، چند بیٹیوں میں وہ سب ہونے کی تھی۔ اب وہ وہاں بیٹھ ہوئی تھے تو میں اس کی راہ میں نہیں آؤں گا۔ ٹانگ واپس موڑتے زارون نے ارادہ کیا تھا۔

☆☆☆

حادثہ بہت خوش گوار موڈ میں بیٹھی بجاتا کرے سے لگاؤ تھا اس کا تئیں مخراسے کچھ پر نظر پڑی۔ عالم استغاب میں بیٹھی کی آواز بند ہو گئی اور ہوش سکرے رہ گئے۔ وہ زیادہ تر اپنے کرے

میں رہنا پسند کرتی تھی۔  
 ”پڑھنا ہی ہو رہی ہے“ وہ باہر جانے کا ارادہ لیتی کر تاس کے پاس آ گیا۔  
 ”کوشش جا رہی ہے“ اس نے مصروف انداز میں جواب دیا۔ صوفے پر بیٹھے اس نے دیکھی سے اسے دیکھا۔  
 ”کوشش کیوں؟ کیا مسئلہ حال ہے؟“  
 ”یہاں بیٹھ کر توجہ مرکوز نہیں ہو پا رہی۔“ اس نے مسکرائے کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس سے یہاں بیٹھنے کی وجہ دریافت کرتا، ملازم آگئی۔  
 ”بی بی! وہ کبھی نہیں بی بی، بھاگتی ہو گی۔“  
 ”ایسے کیسے بھاگ گی، تم لوگ بیٹھ کے بیٹھے دوڑاؤ۔“ اس نے بیٹھے دعوے۔ میرا کہہ دیکھو۔ جلدی کر دیکھو پھر کرے میں جاتا ہے۔“ بیٹھ کر گئی۔  
 ”کیا مسئلہ ہے؟“ اس نے بھی اس سے بیٹھ اور ملازمہ کے اشارات دیکھتے دیکھتے اسے اختیار دل دیا۔  
 ”چھپکلی دیکھ لی ہے بی بی نے اپنے کرے میں، آئی دور سے آئی رہی۔ اب اس وقت سے یہاں بیٹھی ہیں کہ اسے بارود مل ہی نہیں رہی۔“  
 ”ملازمہ نے بھی لے لیا؟“  
 ”ایک چھپکلی کے لیے تم فریج پر ہوا رہی ہو۔“  
 وہ بے اختیار دھنسا تھا۔  
 ”خاطر ہے، پڑھنا تو دور کی بات اس کی موجودگی کے احساس سے تو بیٹھنے میں نہیں آئے گی۔“ بیٹھنے سے چار کی سے کہا تھا۔  
 ”خوش قسمت چھپکلی ہے، تیندی اڑانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔“ وہ شرارت سے بولا، پھر منتظر کھڑی ملازمہ کو دیکھ کر مکمل ہدایات دیں۔  
 ”تم کیوں کھڑی ہو؟ جاؤ حیدر کو بھی بلا لو۔“  
 سامان پنا کر چھپکلی مارا اور لاکھڑا کر دیا، چھپکلی مارنے کی دوڑ کر رہی لگا دیا وہاں کی طرف کی کھڑکی بند کر دیا کہ تارکاوڑ آئیں۔  
 ”دکھانے کی ضرورت نہیں، بس مار ضرور

دوب۔ اچھے سے دیکھ لینا کہ ہاتھ روم میں کوئی چھپکلی ہوئی نہ ہو۔“ بیٹھنے جلدی سے کہا، اسے تو مرادہ چھپکلی سے بھی خوف آتا تھا۔ ملازمہ ہلائی پلکی تھی۔  
 حادثہ کی اتنی ہدایات کے بعد بھی کام کرنا ضروری ہو گیا تھا۔  
 ”پودوں سے ایسے ہی ایک آدھ آگئی ہو گی، فوٹو کیلیں تو ہوئی رہتی ہے بلکہ میں آج، کل میں دوبارہ کرالیتا ہوں۔“  
 اس کی خوف زدہ شکل دیکھ کر حادثہ نے تسلی دی۔  
 ”لان کی طرف والی دیوار پر بھی زہریلا چنٹ کر دالیں تاکہ وہاں سے بھی نہ آسکے۔“ بیٹھنے نے اضافی کیا تو وہ اس دیا۔  
 ”سے فگر رہے، میں اعلان کرادیتا ہوں، کوئی چھپکلی لگاؤ اور کبھی نہ دیکھتے تمہارے کرے کی طرف ورنہ اس کی آنکھیں لکھوا دیں گے۔“  
 ”اس سے ابھی اور کیا بات ہو گی۔“ بیٹھنے نے اس کے شرارتی ہنسنے پر شرمندہ ہونے کی دعت نہیں کی تھی۔  
 حادثہ وہیں بیٹھ کر اس سے باتیں کرنے لگا۔  
 اس نے ہلکا سا سانس سے لپٹ کر شام گھنٹے کی بات کہی تھی۔ اس کی حیرت دھوٹی کی اپنا نہ رہی، جب وہ بخوشی مان گئے۔ میرا جھکی اگلی بی بی اسے ساتھ تھی زمین مجھ میں لائی، انہیں بخوئی انداز تھا۔ حادثہ کے اوی شاز بے کے کناڑہ امراض کو بھی انہوں نے خود سنبھالنے کا کہہ دیا تھا۔ ابھی ہلکا سا سانس سے بات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ عمر کا چارچا کو خود کوئی امراض نہیں لیکن وہ جاچکی اور سہاول سے شرورہ کر کے ہی کا قاعدہ ورشتہ کریں گے۔  
 باتوں باتوں میں بیٹھنے نے اماں کے کاڈس بلوانے کا بتایا تو حادثہ فوراً اس کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئی۔ لگاؤ اندازہ تھا اس کی بیوی بھی جاچکی کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے اپنی شری بی بی کی رائے ضرور جانتا چاہی کی۔ بیٹھنے کی باتوں کی پروردہ

بیاتہ بچوں کے لئے

## قصص الانبیاء



تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں مشعل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ اپنے بچوں کو عطا چاہیں گے۔

قیمت - 300/- روپے

بازریداک سٹور سے ڈاک خرچ - 50/- روپے

بازریداک سٹور سے لے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار کراچی فون: 32216361

ذبحی کردہ اس پر فیصلہ سلا کر دیتے۔

☆☆☆

گاؤں تک کا لباس لے کر طبعیہ ہمیشہ تنگ جاتی لیکن یہ پہلی بار تھا کہ سڑکی تنگداشت پر اماں نے ملنے کی خوشی غالب آ گئی تھی۔ وہ یہاں پہنچ کر رضی بھی جیسے عرصے بعد گھر آئی ہو۔

ساتھ ساتھ کھانا کھا کر وہ کرے آئی تو اماں بھی

ساتھ آ گئیں۔

”لمحہ لمحہ تم سے ایک بات کرنی ہے۔“ انہوں نے

پوچھا۔ ”جی، بولیں۔“ ان کے انداز پر وہ مکمل متوجہ ہوئی۔

”تہمارے لیے عادت کا رشتہ آیا ہے، اس

رشتے سے تمہارے ہاں سائیں بھی بہت خوش ہیں۔“

انہوں نے بات کر کے اس کے چہرے کی

طرف دیکھ لی۔ جس نے انہوں میں کی رنگ بدلتی

پہلے نا بھی اور بے یقینی کا تاثر ابھر اور اگلے ہی

لے دھک، تاسف اور غصے کے تاثرات واضح

ہوئے۔

”آپ یہ بات کہیے کہ کتنی ہیں اماں، آپ کو

معلوم نہیں میرا رشتہ زارون سے ہے۔“

اس نے اپنے غصے کو سچا کرتے انہیں یاد دلایا۔

”وہ بچپن کی بات تھی لیکن مجھے یاد ہے۔“ اس

نے زارون کو ان کے اس سے ذکر کیا تھا عادت کا۔ اس نے ایسی کوئی بات نہیں

کا۔ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ آپ کو تو

جانتے تھے کہ اس کا کیا رشتہ ہے۔“ انہوں نے

مقابلہ نہیں کر سکا۔ ”انہوں نے نا کواری سے

تفصیل

پتائی۔

”وہ صرف اس کی ماں ہیں نہ کہ سوچ رہی

تھیں۔“

لمحہ لمحہ انہوں نے انہیں دیکھا۔

”زارون کی بڑی آپ ہیں اماں۔“ آپ نے

یہ اس کا ساتھ نہ دیا تو وہ کیا کہنا زارون

میں بھی کر

تھیں۔“

”انہوں نے نا کواری سے

تفصیل

پتائی۔

”وہ صرف اس کی ماں ہیں نہ کہ سوچ رہی

تھیں۔“

یہ ممکن نہیں تھا۔ اس نے بہت الفاظ جوڑے کر اسے

مستاب طریقے سے منع کر لیکن کچھ نہیں کیا۔

واپس کے سفر میں ڈرائیور نے اس کی بات

چلائے۔

”کیا، اتنا لباس ہے۔“ اس نے باہر دیکھتے

جاہل ہو گیا۔

”میں نے اس کی بات

کر لی۔“

”میں نے اس کی بات

کر لی۔“

”میں نے اس کی بات

کر لی۔“

”میں نے اس کی بات

کر لی۔“

”میں نے اس کی بات

کر لی۔“

”میں نے اس کی بات

کر لی۔“

سکھانے برداشت کیے۔ ماما، ہاں کے بعد کے یہ

چند منیٹ زارون ہیں ہو گیا جیسے یہ اس کا

تھک ہے بلکہ بظاہر اسے والدین کے پاس

اس کی مسئلہ نہیں تھا لیکن بہر حال یہ اس کے لیے

بھی جذباتی اور نفسانی دھچکا تھا۔

اپنی ذات کو کھینچ کر کے وہ واپس زندگی کی

طرف آئی تو اب اماں کی یہ بات کھارٹ کے

پر بھی زارون نے کوئی رد عمل نہیں دیا، اسے دکھ

نہیں لگا۔

زارون کی زندگی میں بچہ کی کوئی ضرورت

تھی؟ یہ خیال خالی نہ لگنے لگا تھا۔

وہ خیال اور جذبات پر ساری زندگی کا نقصان

نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے ایک دن خود ہی

سہمی۔ وہ اس کی کال پر رگت میں باہر آیا تھا،

وہاں وہ

ایک کونے میں کھڑی تھی۔

”تجربہ تو ہے؟“ ”تم کہاں کیسے؟“

وہ اس کے ہاں اچانک آ جانے پر پریشان

تھی۔ ان کے انتقال پر فوری طور پر اماں

مجھے لے آئیں لیکن مجھے یہاں، وہاں رہنا

اچھا نہیں لگ رہا۔“ اس نے تفصیل سے

کہا۔

”میں نے اس کی بات

کر لی۔“

”میں نے اس کی بات

کر لی۔“

”میں نے اس کی بات

کر لی۔“

”میں نے اس کی بات

کر لی۔“

”میں نے اس کی بات

کر لی۔“

”میں نے اس کی بات

کر لی۔“

”میں نے اس کی بات

کر لی۔“

بارہ برصوں پر مکمل کتاب

## آپ کا برج

مصنف: کیرو

قیمت: --- /- 150 روپے

مکھانے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37- اردو بازار، کراچی۔



یوں حیران ہو رہے ہو مجھے روح اٹھ کر آگئی۔  
 ”شہت اپنی، ہوتا ہے مجھ کو بلا کر کوناس نے  
 ڈانٹا تھا اور اس کی ذات میں چھپا ہوا لہجہ کی آکھیں  
 غم کر گیا۔  
 ”کیا فائدہ میرے ذمہ دینے کا تم نے مجھے  
 اکلیا کر دیا زار دون، تمہاری دھڑکی میں میری کوئی  
 جگہ نہیں۔“

دہی تھی۔ میں تمہیں سر پرانز دینا چاہتی تھی اور  
 تم۔۔۔ اس کا انداز لیجے کونھ دلا گیا، خوراج کر  
 بولنے لگی۔

”میں ہی پاگل ہوں جو اسے سب کے یہاں  
 تمہیں وضاحتیں دینے لگزی ہوں۔“ وہ ہانسی سے  
 ہلکی سی جھپٹے سے زار دون نے اس کا ہاتھ پکڑا۔  
 ”تم نے غصہ کر دیا، تمہاری منگنی نہیں ہوئی۔ وہ  
 خوشی سے جھٹکی آنکھوں سے پوچھ رہا تھا۔ مجھ نے  
 انہوں سے اسے دیکھا اور یاد دلایا۔

”میری منگنی بہت بچپن میں ہوئی تھی۔“  
 ”میں بہت اکلیا ہوں کیا ہوئی، تمہارے اور  
 رشتے میں۔“ اس نے اس کے لیے ہانسی کر لیے ہیں۔  
 ”وہ اس سے گھوڑے کی پروا کیے بغیر بے جا درگی  
 سے کہہ رہا تھا۔ مجھ نے اس کے دل کو تمام دوسروں  
 سے آگے رکھ دیا تھا۔ وہ دوبارہ کی امتحان میں نہیں  
 پڑنا چاہتا تھا۔“

”میری بڑھاپی!“ مجھ نے یاد دلایا۔ زار دون  
 نے اس کے لیے ہانسی کر لی۔ ”میں نے اس کے دل کو ہر سکون کر رہی  
 تھی۔ اگر ان کا میں وہ یہ غلطی کی دیوار نہ کرانی تو  
 ان دونوں کا کتنا نقصان ہو جاتا۔ اس نے ایک آسودہ  
 سانس لی۔

”چھوڑو، یاد رہی تو صرف پاکستان کا نقشہ  
 بناتی ہو زیادہ بڑھ گیا تو تمام برا خطروں کے نقشے رونے  
 پر ہی ماکوئی۔“ زار دون نے ہوشی سے کہا تھا۔  
 ”رونی تو میں تم سے بڑاؤں کی بلکہ ابھی تو میں  
 پورا اٹکنا نام تیار کروں گی۔“ مجھ نے ہلکے ہلکے  
 لہجہ میں جھٹکی آنکھیں حال دل بیان کر رہی ہیں۔ وہ  
 خوش تھی۔ کیوں کہ اس کے ساتھ زار دون تھا۔

”میں دوسری شادی سے منع کر رہا۔“ باقی  
 تمہاری سب نہیں منظور ہیں۔“ زار دون کے شرارتی  
 لہجے پر مجھ نے اسے گھورا اور دونوں ایک ساتھ ہنس  
 دیے۔ دکھ کی رات لڑھکی کی زندگی پھر ان پر مہربان  
 ہو چکی تھی۔

☆☆

وہ جذباتی ہو گئی، پہلے سے سوچی ساری باتیں  
 بھول گئیں اور بے اختیار کچھ وہ زبان پر آیا۔  
 ”میں نے کیا کر دیا۔“ وہ بچھڑایا تھا۔ اسنے  
 عرصے بعد اس سے ملاقات اور یہ لکھنے لکھنے سے  
 انہیں میں جھلا کر گئے تھے۔ وہ اسے بھولنے سے  
 کر رہا تھا وہ پھر سانسے آگزی ہوئی تھی۔  
 ”تم میرے لیے آنے والے رشتے پر خاموش  
 تماشائی بن گئے، ماں نے مجھے کہا کہ تم ہمارے رشتے  
 کو ہر ماہ کی خواہش کو فراموش کر کے ہونٹ کر رہے  
 کرتے تھے۔ آسوا کا ہر ایک آئے تھے۔  
 ناقدہ کی کا احساس درد سے رہا تھا۔

”ہمارا رشتہ صرف مہما، بابا کی خواہش نہیں تھی  
 لیکن میں تمہاری خوشی کے لیے جیتے رہا تھا۔ وہ اختیار ہوا  
 بڑی میں، دہیوں کا ایک ایک اور میں غلہ کا کاہے  
 روزگار لگا۔ تم اس کے ساتھ شامک کرتے خوش  
 نظر آ رہی ہیں، مہم نے مجھے بتایا کہ میں کس کس  
 سے آگئی ہو۔“ اس کے تیزی سے بچے آسواں کے  
 دل پر گر رہے تھے لیکن یہ احساس خوشی کا باعث تھا کہ  
 وہ آج بھی اس کی سب سے تیز اور دل میں لگی  
 چھاس نکالی۔

”میں خوش تھی؟“ مجھ نے بے یقینی سے اپنی  
 طرف اشارہ کیا۔  
 ”ہاں میں خوش تھی زار دون۔ وہ میرا کزن ہے،  
 دوست ہے اور میں۔ اس نے مجھے صدمے سے نکال  
 کر دوبارہ جینا سکھا یا۔ تم نے قیامت کو بے جا جماعتی نہیں  
 اور میں اس کے ساتھ ہی تمہارے لیے ہی لکھتے

غزالہ عبدالکلیم

فصلہ

ہرگز نہیں مالتے تھے۔ آخر وہ پایاجی کی پہلو قوی کی  
 اولاد جو تھے۔ ہر فرد بڑی سے بچتی ہے ان کی ہی راہ  
 نکھ رہا تھا۔  
 گویا کہ وہ کسی چراغ کے جن کی طرح آئیں  
 گئے۔ اور آتے ہی سب ہاتھ ٹھیک کر دیں گے۔



سمندر پار بیٹھے۔ وہ فون کال کے ذریعے ان کے  
دشمنوں پر صرف اور صرف کئی کارنامہ ہی دکھ رہے  
تھے۔ اس سے زیادہ بدحواسی کو نہیں سمجھتے تھے۔  
دیباغہ میں اپنے بچے کے بجائے بڑے کو یوں  
اجاچک ملازموں کے دم و کمر پر چھوڑ کر آنا ان کے  
نزدیک حماقت ہی تھی۔

☆☆☆

”عالیہ بیگم، کئی اور کئی بار یہ نکلے ہیں؟ ہاں  
گاڑی میں سب لوگ ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ عزمہ  
کے سرالٹ ہے کہ وہ دین میں مرتبہ آج چکا ہے۔“  
”بس پہلے۔ میں تو تیار ہوں۔“  
وہ پچھلے آدمے کھلتے سے آگیتے کے سامنے  
گھڑی اپنی ٹوک ایک ستوار ہی تھیں۔ اب عاتق  
بیک جوسر ہمسوار ہوتے تو مجبوراً انہیں ہٹانی پڑا۔  
”چل اور دشمنی سب گاڑی میں رکھوادی  
نا۔۔۔۔۔! دیکھیں کچھ کی ندرہ جائے۔ آخر ہمارے  
اکھوے بیٹے کی خوشی ہے۔“

”اوسے جناب سب اختتامات تکمل ہیں۔ بس  
ہماری ملکہ عالیہ کا انتظار ہے۔“

”آپ ذرا اوپر جا کر اپنی بھانجی جان کو بھی  
تشریف لائے گا کہ اس میں آپ کو مطلوب ہے نا۔  
بغیر کچھ دینے اور ذکر آئے والی نہیں۔ تاہم ڈیوول  
کے تو وہ کسی کی بہت میں جانا پسند نہیں کرتیں۔“ وہ منہ  
باتے ہوئے بولیں۔ بیٹھائی صاحبہ کے نزدیک یہ آویں  
بھی ان کے لیے میں کراہت آیا چاہی کرتی تھی۔  
”ارے بھئی آج تو ہماری جان خلاف توقع  
پہلے سے ہی گاڑی میں قدم رخیہ فرما چکی ہیں۔ اب  
ایسا نہ ہو کہ وقت کے ضائع ہونے پر ان کا خوش گوار  
موزہ خراب ہو جائے۔“

”مجھانے پاپا جی کا کیا کہہ ہے؟“ وہ کہی  
نکلیں عاتق بیک کے چہرے پر جتا ہے۔  
”کیا کہتا ہے؟“ مطلب؟“ وہ چونکے۔  
”مطلب یہ کہ انہیں بھی ساتھ لے کر جائیں  
گے۔“

”ہاں بھئی! کیوں نہیں۔ پاپا جی بھی چلیں  
گے۔ مگر یہ کہ ہونے والی دہن دیکھ کر وہ بہت خوش  
ہوں گے۔ اور دیکھے گی ہم نے پاپا جی کو ان سے اب  
تک ملوایا نہیں تھا۔ چاہے نا آج ان کا سب سے  
تعارف بھی ہو جائے گا۔“ عالیہ بیگم کے چہرے پر  
چھائے تازہ پر غور ہے ہادہ روادری میں بولے چلے  
جا رہے تھے۔

”آپ بھی تا کمال کرتے ہیں۔ ان کی  
کنڈیشن بھلا اس قابل ہے کہ ہم انہیں اپنے ساتھ  
لے کر جائیں۔“ وہ بھی سے بولیں۔  
”کم ان بار۔ وہ اپنی دھکیل چیز ہوں گے۔  
جس طرح سارا دن گھر ہوتے ہیں۔“ وہ منہ نہائے۔  
”ہاں تو سوسین ذرا آلتا آگورڈ لگے گا۔ جب  
اسے پر ڈیوول میں ہمارے ہوا ایک دھکیل چیز بھی  
ہوگی۔ نا۔ پاپا نا۔ میں سوچ کر ہی بیٹھ رہی ہوں  
(پریشانی محسوس) کہ دہری کی لوگ بھی کپڑے  
کر رہیں کو تو گھر چھوڑ آتے۔ اور دیکھے بھی نکلتی  
نہانے رات کی دیر بیک چلے۔ وہ کب تک اس طرح  
بیٹھے ہیں گے۔ ان کا گھر پر رہنا ہی بہتر ہے۔“ ان کا  
اعمال دو ٹوک تھا۔ عاتق بیک ہونے کے ہوئے۔  
وہ بھی بیگم کی کارنامی سول لینے کا ان میں دہری  
کہاں تھا۔

”مجھا چلو تم گاڑی میں بیٹھو۔ میں انہیں جا کر  
آتا ہوں۔“  
”ذرا جلدی آ جاوے گا۔“ وہ جیسے انداز میں  
کہتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

بیک ولاز میں آج خاصی گھما گھمی اور پہل  
پہل دکھائی دے رہی تھی۔ جسیرہ عزاد احمد جیسے  
تھے۔ اس گھر کے بلکہ بیک خاندان کے کار  
سپورٹ کی کئی خوشی کے گھر کا ہر فرد خلاف توقع  
آج کچھ نظر آ رہا تھا۔ ورنہ عاتق پر وضع و عیش  
رہتے پر پھیلا۔ دو گھراؤں پر مشتمل یہ عیشاں گھر

اپنی خانگی عدم دستیابی کی بنا پر ملازموں کے دم سے  
آدا نظر آتا تھا۔ اور اس عدم دستیابی کی وجہ ہر ایک کی  
اپنی اپنی مصروفیت تھی۔ عاتق بیک، باقر بیک اور عزمہ  
احمد تینوں مرد حضرات آج آسم کے لیے روانہ  
ہو جائے۔ اور آسم کے بعد کا تمام کام بھی گھر سے  
باہر اپنی سوشل ایکٹیویٹیز میں گزارتے۔

تین سال پہلے تک ایک انٹر ہائرڈز کے روح  
رواں فاخر بیک بھی اس معمول کا حصہ تھے مگر فوج  
کے شدید بھٹنے سے ان کے قسم کو مطلوب کر کے انہیں  
چار دیواری کا کایہ رہنا پڑا۔

جب سے عاتق بیک اور باقر بیک ہی ان کے  
کاروبار کی باگ دوڑ سنبھالے ہوئے تھے۔ بلکہ سیاہ  
اور سفید کے مالک بنے بیٹھے تھے۔ جیسا، وسانگ اور  
اعتیادت ہونے کے باوجود پاپا جی کے علاج پر کسی  
نے بھی غامق توجہ نہ دی۔

پاپا جی کی بنیاد پر سب اپنی اپنی زندگی  
میں خوش اور مین تھے۔ مردوں کے شانہ بشانہ چلنے میں  
اس گھر کی خواتین بھلاک پیچھے رہنے والی تھیں۔  
عالیہ بیگم بوجھلے دس سال سے ایک این جی او  
میں پریزیڈنٹ کے عہدے پر فائز تھیں۔ ان کی  
مصروفیت کے کیا کہنے۔ دوسرے عہدوں کے ڈوٹ  
پر جانا اور دیگر کئی تقریبات میں بھی پیش پڑنا۔

ان کے پاس تو سرگھانے تک کی خدمت نہ ہوتی تھی۔  
لالائی منزل کا حال بھی پیچھے سے بگڑ نہ تھا۔  
نزدت بیگم ایک مستحق کا تکا کا لوہست تھیں۔ ان کا تو نہ  
دن اپنا تھا۔ اور نہ رات۔ ایک بڑے بچی اپتال  
سے وابستہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اپنا اپنی تئیر  
بھی رن کر رہی تھیں۔

اللہ نے انہیں دوعی بیٹیوں سے نوازا تھا۔ بڑی  
جاکل ایم کی ای ایس کے فاضل ایئر میں تھی۔ ہاں عزمہ  
فیض ویزا اننگز کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے پچھلے  
دو سال سے لندن میں بیٹھ چکی۔  
رہنے والے پاپا جی اتوان کی ذمہ داری سواہی طور پر

دلوں گھر انوں میں بنی ہوئی تھی۔ رادہ بات کی کردہ  
اوپر ہوتے پاپا جی ان کے بھٹے میں تہائی کی آئی تھی۔  
☆☆☆

عاتق بیک جی ہوں کر سے میں داخل ہوئے تو  
لمحے بھر کے لیے ٹھیک کے رو گئے۔ بلکہ ڈس سوٹ  
میں پورے جاہ و حشم کے ساتھ تیار بیٹھے پاپا جی کیا  
ڈشنگ لگ رہے تھے۔ ان کے بچے چھ کے کی تازگی اور  
بشاشت آج دیکھے جانے والی تھی۔  
”عاتق میاں کہاں گھر گئے؟“ وہ انہیں منگ  
دیکھ کر بڑی ترنگ میں بولے۔

”وہ پاپا جی ہم جزو کے سرال جا رہے ہیں۔  
بس یہی بتانے کے لیے آیا تھا۔“  
”ہاں ہاں۔ چلو بھئی۔ میں تو کب سے تیار  
بیٹھا ہوں۔ سامنے فیلف پر میرا چشمہ رکھا ہے۔ یہ  
ذرا دے دو بیٹھے۔“

پاپا جی کا دم جزو کے سرال پر ہے کہ۔۔۔۔۔ وہ کہتے  
کہتے رہ گئے۔ شاید ہمت کھیا کر رہے تھے۔  
”ہاں میاں بولو۔ کیا بات ہے؟“

”پاپا جی آپ کا دہان جانا کچھ مناسب نہیں  
ہے۔“ فاخر بیک نے جرنلی سے ان کی طرف دیکھا۔  
وہ مرنہ دم و مطلب کے چرچا میں۔  
”میرا مطلب یہ ہے کہ وہاں نہانے کا تھکا جائے  
گا۔ آپ کب تک اس طرح بیٹھے رہیں گے۔ عالیہ کا  
بھی کئی خیال ہے کہ آپ گھر رہ کر دام کریں۔“  
سارا عالیہ بیگم پر ڈال کر اپنے طور پر گویا وہ بری الذمہ  
ہو گئے تھے۔

پاپا جی کا چہرہ بگڑ رہا تھا۔ ان کے اندر  
جھٹکے کے چھوٹا تھا۔ انگوٹوں میں چمکی خوشی ماند  
پڑ گئی۔ اولاد کا غر اور خور و نہ بہت پہلے ہی ہار چکے  
تھے۔ مگر اس وجہ سے کسی کی انہیں شاید اب بھی امید  
نہیں۔  
”ٹھیک ہے بیٹا! جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔“  
وہ ٹکٹے سے کھس بولے تھے۔  
”مجھ میں چٹا ہوں۔ اللہ تمہاں۔“ وہ فوراً سی

چلے گئے۔

خافریک کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ دوڑ کر جاتے۔ اور عاقل بیک کا بازو مجبور کر کے۔

”تم بھی تم لوگوں کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔“

گھر کے برآمدہ کی حیثیت سے اپنی پہچان کروانا چاہتا ہوں۔ تم لوگوں کی طرح مجھے بھی تو اس گھڑی کا

شدت سے انتظار تھا۔ خوشیوں کے ان لمحات کو میں بھی تم سب کے ساتھ انجمنے کرنا چاہتا ہوں۔

کیوں مجھے اس خوشی سے محروم کر رہے ہو؟ ان کا دل کی اندری بچنے کی طرح جل کر رہ گیا مگر وہ کچھ

بھی نہ کر سکے۔ شدت ضبط سے ان کا چہرہ سرخ تھا۔ اور آنکھیں بھگدیریں تھیں۔

تم نے تو تنگ کے دشت میں خیمے لگا لیے تھے۔ کسے کسی کا سفر تم کو اس سے کیا

وہ یاسیت بھری کھانوں سے دیوار دیوار آوازوں

اپنی سرحد ہلکی تصویر نکلتے رہے۔ اور آؤ سوئے۔ پ۔ پ۔ پ۔ ان کے

گال بھگتے چلے گئے۔ ☆☆☆

”بھئی یہ کہاں جانے کا بیان بن رہا ہے۔“

عاقل بیک آؤس سے آئے تو عاقل بیگم نے اور عاقل کو ایک ساتھ خوش کہیں میں شعلہ دھجھ کر بولے۔

”اوہ اڈیٹی بھی آگئے۔ ڈیڈی ہم آپ ہی کا انتظار کر رہے تھے۔“

”اچھا۔ کونسی خاص بات ہے کیا؟“ عاقل بیک

وہیں ان لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے بولے۔

”بچا جان بڑا پی پی سی کی خوشی تم سب کو ڈر کر دوانے لگا رہا ہے۔“

”اوہ۔ ڈش کرے۔“ عاقل بیک خوش

ہوئے ہوئے بولے۔

”ڈیڈی آپ بھی جلدی سے ریلی ہو جائیں

پلیز۔“

”یار میں بہت تھک گیا ہوں۔ آرام کرنا چاہتا

ہوں۔ تم لوگ جاؤ انجمنے کرو۔“

”بچا اپنی خوشی سے انوائٹ کر رہا ہے۔ اور آپ ہیں کہ انکار کیے جا رہے ہیں۔ چلیے چلیے نا۔“

عالیہ بیگم نے فوری انکار کیا۔

”تم بھی تم لوگوں کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔“

گھر کے برآمدہ کی حیثیت سے اپنی پہچان کروانا چاہتا ہوں۔ تم لوگوں کی طرح مجھے بھی تو اس گھڑی کا

شدت سے انتظار تھا۔ خوشیوں کے ان لمحات کو میں بھی تم سب کے ساتھ انجمنے کرنا چاہتا ہوں۔

کیوں مجھے اس خوشی سے محروم کر رہے ہو؟ ان کا دل کی اندری بچنے کی طرح جل کر رہ گیا مگر وہ کچھ

بھی نہ کر سکے۔ شدت ضبط سے ان کا چہرہ سرخ تھا۔ اور آنکھیں بھگدیریں تھیں۔

تم نے تو تنگ کے دشت میں خیمے لگا لیے تھے۔ کسے کسی کا سفر تم کو اس سے کیا

وہ یاسیت بھری کھانوں سے دیوار دیوار آوازوں

اپنی سرحد ہلکی تصویر نکلتے رہے۔ اور آؤ سوئے۔ پ۔ پ۔ پ۔ ان کے

گال بھگتے چلے گئے۔ ☆☆☆

”بھئی یہ کہاں جانے کا بیان بن رہا ہے۔“

عاقل بیک آؤس سے آئے تو عاقل بیگم نے اور عاقل کو ایک ساتھ خوش کہیں میں شعلہ دھجھ کر بولے۔

”اوہ اڈیٹی بھی آگئے۔ ڈیڈی ہم آپ ہی کا انتظار کر رہے تھے۔“

”اچھا۔ کونسی خاص بات ہے کیا؟“ عاقل بیک

وہیں ان لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے بولے۔

”بچا جان بڑا پی پی سی کی خوشی تم سب کو ڈر کر دوانے لگا رہا ہے۔“

”اوہ۔ ڈش کرے۔“ عاقل بیک خوش

ہوئے ہوئے بولے۔

”ڈیڈی آپ بھی جلدی سے ریلی ہو جائیں

پلیز۔“

”یار میں بہت تھک گیا ہوں۔ آرام کرنا چاہتا

ہوں۔ تم لوگ جاؤ انجمنے کرو۔“

”خوش رہنا! بس اب رہنے دو۔ کچھ باتیں محسوس کر رہا ہوں۔ بس پڑے پڑے جسم کیلے آکر رہ گیا تھا۔ اتنے عرصے بعد آج تم نے مساج کیا ہے۔ تو

ابراہیموں اور باپ کے جیسے ساری سلسلہ کی دور ہوگی۔“

”تمک ہے بڑے صاحب! اب میں روزانہ اسی طرح آپ کی باش کر دیا کروں گا۔“ وہ

تاہم ادراہی بھلا لیا۔

”اچھا یہ بتاؤ۔ جھیلے تو میں چھٹی لے کر اپنے گاؤں گئے تھے۔ سب تحریریت کی نا؟“ انہیں اچانک

یاد آیا تو پوچھ بیٹھے۔

بڑے صاحب! ادھی گھر والی کا مسئلہ تھا۔ آئے دن بیمار رہتی ہے۔ اس کی وجہ سے ہی مجھے کام چھوڑ کر

جانا پڑا ہے۔

”تو ایسے یہاں شہر لے آؤ۔ کسی اچھے ڈاکٹر سے فرسٹ لور۔“

”صاحب علاج کے لیے بھی پیسا چاہیے ہوتا ہے۔ ہم غریب لوگ یہ چوہیلے بھلا کر پالتے

ہیں۔ ہم تو گھریلو فوگوں سے ہی پیسے جھیلے ہو جاتے ہیں۔ اب کی بار اس کی طبیعت کچھ زیادہ ہی بڑا کی گئی۔

تو میں اس کے ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا۔“

”مجھ بات ہے۔ تم اس کی پیادری کو اتنا

ہلکا لے رہے ہو۔ بیویوں کی گھرت کر۔ علاج جتنا خرچہ آئے گا وہ میں دوں گا۔ تم بس یہاں شہر

لے آؤ اور کسی اچھے ڈاکٹر سے چیک اپ کرواؤ۔ وہ

بڑی ہے تمہاری۔ زندگی کی ساری تمہاری مونس و غم

خوار۔ وہ جذباتی ہے سو گئے۔

”اس کا ہوتا تھا۔ ہے۔ کتنی بڑی فیت ہے۔“

”شاید ابھی نہ بچھ پاؤ۔ مجھے دیکھو۔ آہ۔“

انہوں نے اک گہری سڑوہ بھری۔

”بڑی بیگم صاحبہ کے جانے کے بعد میں کتنا

اکلا ہو کر رہ گیا ہوں۔ کسی کے پاس بھی اپنی نعمت نہیں کر چکے تھے میرے ساتھ گزریں۔ میرا حال چال معلوم کر۔ بات کرنا تو کیا۔ میں تو اسے بے حال

کی صورت دیکھنے تک کو ترس جاتا ہوں۔ میں کب

تک ان کو گئی بہری دیواروں سے اپنا سرگراؤں۔ اس بند کر کے کاشیں زدہ ہاٹل اور یہ اکیلا پن دیکھ کر

طرح اندری اندر میری روح کو چاٹنا جا رہا ہے۔“ وہ

آبدیدہ سے ہونے لگے۔

”خیر چھوڑو۔ میں بھی کیا بات لے کر بیٹھ گیا ہوں۔“ وہ سر جھٹکتے ہوئے بولے۔

”خوش رہنا! بس اب رہنے دو۔ کچھ باتیں محسوس کر رہا ہوں۔ بس پڑے پڑے جسم کیلے آکر رہ گیا تھا۔ اتنے عرصے بعد آج تم نے مساج کیا ہے۔ تو

ابراہیموں اور باپ کے جیسے ساری سلسلہ کی دور ہوگی۔“

”تمک ہے بڑے صاحب! اب میں روزانہ اسی طرح آپ کی باش کر دیا کروں گا۔“ وہ

تاہم ادراہی بھلا لیا۔

”اچھا یہ بتاؤ۔ جھیلے تو میں چھٹی لے کر اپنے گاؤں گئے تھے۔ سب تحریریت کی نا؟“ انہیں اچانک

یاد آیا تو پوچھ بیٹھے۔

بڑے صاحب! ادھی گھر والی کا مسئلہ تھا۔ آئے دن بیمار رہتی ہے۔ اس کی وجہ سے ہی مجھے کام چھوڑ کر

جانا پڑا ہے۔

”تو ایسے یہاں شہر لے آؤ۔ کسی اچھے ڈاکٹر سے فرسٹ لور۔“

”صاحب علاج کے لیے بھی پیسا چاہیے ہوتا ہے۔ ہم غریب لوگ یہ چوہیلے بھلا کر پالتے

ہیں۔ ہم تو گھریلو فوگوں سے ہی پیسے جھیلے ہو جاتے ہیں۔ اب کی بار اس کی طبیعت کچھ زیادہ ہی بڑا کی گئی۔

تو میں اس کے ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا۔“

”مجھ بات ہے۔ تم اس کی پیادری کو اتنا

ہلکا لے رہے ہو۔ بیویوں کی گھرت کر۔ علاج جتنا خرچہ آئے گا وہ میں دوں گا۔ تم بس یہاں شہر

لے آؤ اور کسی اچھے ڈاکٹر سے چیک اپ کرواؤ۔ وہ

بڑی ہے تمہاری۔ زندگی کی ساری تمہاری مونس و غم خوار۔ وہ جذباتی ہے سو گئے۔

”اس کا ہوتا تھا۔ ہے۔ کتنی بڑی فیت ہے۔“

”شاید ابھی نہ بچھ پاؤ۔ مجھے دیکھو۔ آہ۔“

انہوں نے اک گہری سڑوہ بھری۔

”بڑی بیگم صاحبہ کے جانے کے بعد میں کتنا اکلا ہو کر رہ گیا ہوں۔ کسی کے پاس بھی اپنی نعمت نہیں کر چکے تھے میرے ساتھ گزریں۔ میرا حال چال معلوم کر۔ بات کرنا تو کیا۔ میں تو اسے بے حال

کی صورت دیکھنے تک کو ترس جاتا ہوں۔ میں کب

ان کی بات مانتی ہی پڑی۔

☆☆☆

”السلام و علیکم“ ہمارے آواز پر ڈرامنگ روم میں موجود سب ہی لوگوں تک وقت متوجہ ہوئے۔ پھر پروانہ انداز میں قہقہہ لگائی نہت تیکر کی کسی یک دم غائب اور من گھلا کا گھارہ ہو گیا تھا۔ پاپائی کو سامنے دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گئی تھیں۔

”آئیے آئیے پاپائی ابھی میں آپ کو لینے آ رہا تھا۔“ باقر یک اپنی حیرت کا پتہ پاتے ہوئے بولے۔

”ہوائی صاحب! یہ ہمارے پاپائی ہیں۔ اور پاپائی بے خبر اور ہوائی صاحب ہیں۔ نہت کے پچھل میں انکس ہوتے ہیں۔“

”السلام و علیکم سر۔“ ہوائی صاحب اپنی نشست سے اٹھ کر بڑے پتچاک انداز میں اس سے ملے۔

”تیک صاحب آپ نے بھی ان کا تذکرہ ہی نہیں کیا۔ اور آج سے پہلے نہ ہی میں ان سے ملاقات ہوئی۔“ وہ مجھ پر ان سے۔

”پاپائی جب سے عیلا لہیزڈ ہوئے ہیں۔ کچھ چڑچڑ سے ہو گئے ہیں۔ لوگوں سے زیادہ ملنا پسند نہیں کرتے۔“ نہت نے فوراً ہی بات سنبھالی۔

”اوہ! کیا سی۔“

”کس ہوا ان کے ساتھ یہ حادثہ؟“

”بھئی کوئی دو تین سال پہلے۔“ نہت بیگم زحمت بولیں۔

”آپ سے کیا بات فرمائی کریں نا پلیز۔ ہمارا کلب بہت شاندار کلب بناتا ہے۔“ انہوں نے ہوائی صاحب کی توجہ پاپائی کی طرف سے ہٹانے کی پوری کوشش کی۔

”تیک منٹ..... تیک صاحب میڈیکل ٹرینٹ کے ساتھ ساتھ آپ ان کے لیے کسی ایکسپرت نرس یا فزیشن سے تو ویلپ لیں۔ میرا تجربہ کہتا ہے کہ کبھی باقاعدہ طبی اور نرسینٹ ملے تو یہ

ایک سال میں اپنے ہی دل پر کفر سے ہو سکتے ہیں۔“

زہمت تیک کو اپنے کھلے معاملات میں ان کا یوں تیک لڑنا نہت پر لگ رہا تھا۔ مگر مصلحت کے تقاضوں کو بھانسنے کے بعد دل نا خواستہ مسکرا کر ان کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھیں۔

”تیک صاحب آپ کے والد ہونے کے حوالے سے یہ میرے لیے بھی بہت محترم ہیں۔ اس سلسلے میں اگر میں آپ کو کوئی نافرمانی سکوں۔ تو مجھے بعد خود بخود ہی۔“

”میں چکے سمجھا نہیں۔“ باقر یک تذبذب میں جلاتے۔

”میں کسی فزیشن کو آپ کے پاس بھیج دوں گا۔ آپ اپنی سلی کر کے اگر اسے ہار کر لیں۔ تو چند مہینوں میں ہی ان شاء اللہ بہتر نتائج ملیں گے۔“

”کیوں نہیں سر۔“ پاپائی کی سخت سے بڑھ کر ہمارے لیے اور کیا بات ہوگی۔“ ہوائی صاحب کے احساس دلانے پر باقر یک اپنے اندر شرمندہ ہو رہے تھے۔

☆☆☆

”کیسی اپنے پاپائی کی کرامت۔ میں وقت پر آ کر بنی بنائی بات گاؤں دی۔“ زہمت بیگم اپنی سلی سے آئیں۔ تو تھوڑا خامے بکڑے ہوئے لگ رہے تھے۔ منہ میں آگ بکھڑ ہوئے تھے انہوں نے باقر یک کو ڈانڈے اتھوٹا لیا۔

”آخر کیا بات ہے۔ کیوں اتنا ہاتھ پوری ہو؟“

”ہوائی صاحب نے رشتے سے انکار کر دیا ہے۔“ وہ اپنا ہینڈ بکس منہ پر بٹختے ہوئے زور سے دہاؤں دی۔

”بات.....“ باقر یک کوشاک مالگا۔

”جس کا ہاتھ لکھی کوئی جڑو ہوگی۔“

”میرا بوجہ آپ کے والد محترم اچھے تو پہلے ہی ڈیڑھ گھنٹہ ان کا یوں کہنا ان کے سامنے آنا۔ ہمارے لیے کسی نرس کی بھگول کا بائٹ بنے گا۔ دیکھا نہیں تھا

اس روز ہوائی صاحب بزرگوں کی خدمت پر کیسے ایمان افروز ہو کر دے رہے تھے۔ اور پاپائی حریف سے سب کی ہور دیاں بٹو کر نہیں بچا دکھا رہے تھے۔ تو جیسے ان پر ہم کے بھانڑے توڑ رہے ہیں۔“

”اچھتہ بولو پلیز۔ پاپائی سن لیں گے۔“ وہ منہ مانتے ہوئے بولے۔

”نتے ہیں تو سن لیں۔ مجھے اب کسی کا ڈر نہیں ہے۔“

”اچھا اب بات ختم کرو۔ خواہ تو وہ تمہاری بی بی ہو جائے گا۔“

”بات اب ایسے ہی ختم نہیں ہو گی تیک صاحب۔“ وہ زور سے کہیں۔

”آپ ابھی باجئے اور پاپائی سے دو ٹوک بات کر کے آکر آپ میں اتفاق نہیں ہے تو میں خود ہی بات کر لیتی ہوں۔“ وہ ہونے کے والے ہمارے ذہنی معاملات میں مداخلت کرنے والے۔

”ہمارے حیثیت تو فقط ملازموں کی سی ہے۔ ذرا خود کو اپنا بچ ہو کر بھی اپنی تمام جائیداد بیٹے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ مگر ان کا کاروبار مانا، اختیارات ان کے۔ ہمارے حیثیت تو فقط ملازموں کی سی ہے۔ ذرا شجاعت بھائی سے ہی بچھ کیسے۔ پاپائی کو پہلا پھلا کر کس طرح ان کا آدھا کاروبار دین میں شغف کیا

اور اب بلا شرکت غیر سے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ اور آپ ہیں کون رات محنت کر کے پرائے کاروبار کو فروغ دینے جارہے ہیں۔ بس اب بہت ہوگی۔ ان سے اپنے عزیز کا مطالبہ کریں اور اپنا کاروبار شروع کریں۔“ آخر تک ہم ان کے زبردست ہیں گے۔“

”تم ٹیلیفون مت لو، ریلیس ہو جاؤ میں کرتا ہوں آج ان سے بات۔“

☆☆☆

”سر آپ کی میڈیسن کا ہاتھ ہو گیا ہے۔“

میڈیسن کے بعد آپ کو واک اور ایکس راسز بھی کروائی گے۔“

”زیر میاں! اچھیں یہاں میرے پاس آتے ہوئے اتنا عرصہ ہو گیا۔ تم میرے ساتھ اس بند کمرے میں بارادوں میری تھراپی میں لگے رہے ہو۔ مجھے کھانا کھانا۔“ وہ دہا دینا۔ میری منافی تھراپی اور دیگر ضرورتوں کا خیال رکھنا۔ ہمیں ان سب کاموں سے دور خاص کر مجھ سے انکسٹ نہیں ہوتی؟“

”نہیں سر بالکل نہیں ہیں یہ تو میری ڈیوٹی ہے۔ اور بچ پوچھیں تو اتنے ٹھوڑے سے عرصے میں مجھے آپ سے کچھ انسیت سی ہو گئی ہے۔ آپ کی بھئی میں حرا آنے لگے۔“

”بہت شکریہ۔“ وہ مسکرائے گئے۔

”موسم کی رحمتیں تو آج عروج پر ہیں۔ دیکھو یہ شہری غنڈی ہوا اور جگہ کی تازی کی شکل دی ہے۔“ وہ کھڑکی کے پار دیکھتے ہوئے بولے۔

”سر بند کمرے کے اندر آپ قدرت کے اس دلکش نظارے سے بھلا کیا لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ اگر آپ کہیں تو میں آپ کو سامنے پارک تک لے جاتا ہوں۔ اس طرح آپ کی کچھ دیکھی ہو جائے گی۔ اور آپ دل بھر کے اس عین موسم کا نظارہ بھی کر لیتے گے۔“

”میرا سامان بنگلہ اور پوچھو۔ میں تو کب سے اس بنگلوں آسمان تلے بیٹھے ٹوٹ رہا ہوں۔“

پتلا آواز چلتے ہیں۔“ وہ تو یوں خوش ہوئے کہ جیسے کسی قدرتی کو ایک مدت بعد اپنی کاروبار دلا ہو۔ زیر انکس مگر کے نزدیک واقع پارک میں لے آیا۔

”جیسے سر اب آپ بھی مجھ کی بنگلوں آسمان کا نظارہ دیکھیں۔“ وہ ان کے برابر میں لگی کچھ بیٹھ گیا۔ ابھی کچھ لمبے ہی گزرتے تھے کہ اس کے ہاتھ میں دبا ہوا موبائل فون بھاسا سے نہت بات کیے لائن منتقل کر دی گئی۔

”جیسا کہ اس کال ہے۔ آپ نے ریسپونڈ نہیں کیا۔“ انہوں نے اس کی ہی حرکت نوٹ کر لی۔

”سر میری محبت کا فون ہے“ وہ جھپٹتے ہوئے بولا۔

”کیا کال ریسیو کرلو ہو سکتا ہے انہیں کوئی ضروری بات کرنی ہو۔ میں یہاں بالکل ریلیکس ہوں۔ تم جاؤ بات کر کے آ جاؤ۔“ انہوں نے اس کی مشکل آسان کر دی۔

”ٹھیک یوسر۔“ اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ ”میں بس ابھی آیا،“ وہ جیسے اشارے کا تختہ پٹھا تھا۔ فوراً ہی اٹھ کر کھل دیا۔ وہ جاتے جاتے دیکھ کر سمرائے ہوئے اپنی ٹینک صاف کرنے لگے۔ بے درمائی میں ٹینک ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر بیچے کھاس پر جا پڑی۔

”اب کیا کیا جائے۔“ وہ زرباب بڑبڑاتے اور پھر خود ہی جھک کر ٹینک اٹھانے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر ٹینک ان کی دسترس سے ذرا دور تھی۔

اب ایک ان کی جینز ہموں کی۔ وہ گھبراہٹ سے اپنے توازن درست کرنے لگے۔ کبھی کبھار قاضی پر بیٹھی خاتون دوڑ کر آئیں۔

”کلیجے آپ کی ٹینک۔“

”شکر ہے۔“ انہوں نے شکر یہ ادا کرتے ہوئے خاتون کی طرف دیکھا۔ سادہ سے لباس میں بلوں وہ خاتون چالیس سے پینتالیس کے بیٹے میں دکھائی دے رہی تھیں۔ چہرے پر بڑھک میں سنہری فریم کی ٹینک لگاے وہ بڑی کھل پڑھتا آ رہی تھیں۔

”آپ کے ساتھ کوئی نہیں ہے؟“ ان کی آنکھوں سے محبت اور سچے سے خوشی جھلک رہی تھی۔

”وہ موصوف جا رہے ہیں۔“ وہ میرے ساتھ ہی آئے ہیں۔“ انہوں نے سمرائے ہوئے زیر کی طرف اشارہ کیا۔

”پھر جی احتیاط سے کام لیا کیجیے۔“ فراسی غفلت آپ کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتی تھی۔ وہ نرم سچے میں سمجھ کر کہتے ہوئے آگے بڑھ گئیں۔ مگر فخر جگ کھنچتے چھوڑ گئیں۔

کیا کوئی انجان بغیر کسی واقعیت یا شائستگی

کے کسی کے لیے یوں گنہگار ہو سکتا ہے۔ وہ تو اپنے ارد گرد سے کسی سی سی دیکھتے آئے تھے۔ ان خاتون کا انداز انہیں بکواسا سا لگا تھا۔ وہ کچھ دیر وہیں پارک میں بیٹھے قدرت کی رحمتوں سے اپنے دل کو بھلاتے رہے۔ رنگ پرنگے پھول، گلیوں کی مانند اٹھلاتے بنے اور جیٹیں کھل ہوائے مست ہونٹوں نے ان کے اندر کوئی آواز کی جبری تھی۔ انہیں لوگ دبا تھا کہ جیسے ایک عمر سے ان کی سوتی ہوئی روح آج بے درمائی ہو۔

☆☆☆

اگلے روز وہ پارک آئے تو وہی خاتون انہیں پہلے سے وہاں بیٹھی نظر آئیں۔ کبھی کبھی سوچ میں سم وہ ارد گرد سے قطعی ان کے دل کی رہی تھیں۔

”مگر ٹینک ان کی دسترس سے ذرا اس طرف سے چلو۔“ انہوں نے ان خاتون کی طرف اشارہ کیا۔ زہیر انہیں ان کے پاس لے گیا۔

”السلام علیکم۔“ گھاس کھاتے ہوئے انہوں نے سلام کیا تو ان کی سوچ کا ارتکاز ہو گیا۔ وہ ایک دم سے چلیں۔ فخر جگ کی جانب دیکھا تو اگلے ہی لمحے آنکھوں میں پچان کی رقت ابھری۔

”وہیکم السلام۔“ ان کے لبوں پر ہلکا سا مسکراہٹ چھل گیا۔

”اگر آپ کی اجازت ہو تو میں کچھ دیر یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔“

”جی بالکل۔“ وہ آہستہ سے بولیں۔

چہرے پر چھائی گہری تنہائی اور الفاظ سے قطعی متانت ان کی شخصیت کو مزید باقرا بناتے تھے۔

”آپ کا توازن وہاں آتی ہیں۔“

”جی جی اکثر شام میں یہاں آ جاتی ہوں۔“ وہ ان کی ہر بات کا بہت مختصر جواب دے رہی تھیں۔

”تھیں آپ کی رہائش یہاں خراب میں ہی ہو گی۔“

”جی بالکل مسجد کے ساتھ والی گلی میں میرا گھر ہے۔“

”وہاں اتفاق سے میری رہائش بھی وہیں ہے۔“ چلیے جناب اس حوالے سے تو ہم ایک دوسرے کے بڑی دوست ہوئے نا۔“ وہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولے تو وہ مسکرا کر رہ گئیں۔ اور بے چندری شکل آہستہ آہستہ ان کے درمیان مضبوط دوستی کی بنیاد بننے چلے گئے۔

☆☆☆

”صوبہ آپ نے اپنے بارے میں کبھی کچھ بتایا ہی نہیں۔“ اس روز وہ ٹھیک بائیں بائیں میں پوچھ بیٹھے۔

”سب کچھ تو بتایا ہے آپ کو اپنے بارے میں۔“

”مثلاً۔۔۔۔۔“

”مثلاً جی کہ میں صوبہ، ایک کرکر کا جی میں بحیثیت پروفیسر پچھلے سال سے درس دے رہی ہوں۔“ فخر انہیں ادا کر رہی ہوں۔ بس اتنا مختصر ساری تو ہے میرا تعارف۔“ وہ بھید کی سے بولیں۔

”میرے کہنے کا مطلب ہے کہ آپ نے اب تک شادی کیوں نہیں کی؟“

”شادی۔۔۔۔۔“ ان کے لبوں پر اداس سی مسکراہٹ ٹھہری۔ ”والدین کے انتقال کے بعد ان کی ساری ذمہ داریاں میرے کندھوں پر آ پڑی ہیں۔“

ان ذمہ داریوں اور فراخ کو بھجائے بھجائے میں نے اپنی ذات کو مکمل طور پر فراموش کر دیا۔ چھوٹے بہن بھائیوں کو پڑھایا لکھا۔ انہیں اپنے چہروں پر کھڑا کیا۔ اور وہ سب ایک ایک کے اپنا اپنا گھر بسا کر اپنی زندگی میں گم ہوئے چلے گئے۔ کسی نے سڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ اور جب مجھے اپنا خیال آ تو وقت مجھے پیچھے دھکیل کر بہت آگے بڑھ چکا تھا۔“ انہوں نے اپنے فخر کر کے فخر جگ کی طرف دیکھا جو بہت اناہنگ سے انہیں سر دے تھے۔

”آپ نے کبھی سوچا ہے۔“ آخر کب تک اس طرح تجاؤ زندگی گزار رہی گی۔“

”ہونہ۔۔۔۔۔“ وہی تو کر رہی تھی ہے۔ اپنی بھی

گزار جائے گی۔“

”صوبہ میں پوری سماجی اور غلطیوں کے ساتھ آپ کا کوئی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ بھید کی سے بولے۔ صوبہ نے جتنی سے ان کے چہرے کو گھٹی رہیں۔ انہیں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اس بات پر حیران ہوں یا خوش ہوں۔

”شام کبھی ہوئی جا رہی ہے۔ اب مجھے چلنا چاہیے۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

”سینے“ کا فخر جگ کے پکارنے پر انہوں نے مڑ کر دیکھا۔

”گھر آپ کی خاموشی آپ کا اقتدار ہے۔“ لیکن پھر جی مجھے آپ کے جواب کا شمت سے انتظار ہے گا۔“

☆☆☆

”مجھے تو یقین نہیں آ رہا ہے کہ پاپائی ایسا بھی کر سکتے ہیں۔“ اور فخر جگ کی شادی کی تاریخ رکھی جا چکی ہے۔ اب اگر میں موصوف پر پاپائی نے یہ کھل کھلا دیا تو ہم سبھی حیرانہ والوں کو کیا بتا دے گا۔“

”عالیہ میری تو خود کچھ کچھ میں نہیں آ رہا ہے کہ بیٹھے بٹھائے پاپائی کو یہ شادی کی کیا سوچیں۔ ہم تو سوسائٹی میں کسی کو نہ دکھانے کے لائق نہیں ہیں گئے۔ لیکن ہم ایسا بہرہ کر سکتے ہیں گئے۔“ فخر جگ مجھے سے تمناں پیچھے ہوئے بولے۔ ”کل شام کی کلاٹ سے شجاع بھائی آ رہے ہیں۔ وہ آ جا میں تو پھر اس معاملے سے بیٹھنے ہیں۔“

”بھائی آپ لوگ مجھ کی نہیں کر سکتے۔“ ان پر وہ عشق کا جادو سرجھ کر بول رہا ہے۔ یاد نہیں انہوں نے آپ کو دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا تھا۔

”میاں میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ جس کسی کو بھی میرے اس فیصلے سے اختلاف ہے۔ وہ بے شک نکاح میں شریک نہ ہوں۔ لیکن پھر فیصلہ اگل اور کسی سے۔“ وہ اسے طور پر معافے کو بھیسر بنانے کی پوری کوشش کر رہی تھیں۔

☆☆☆

مجھے اپنے رنگ میں رنگ دے



الگ الگ ملازمین خدمت پر مامور کر رکھے ہیں اور آپ ہمیں ان کو قصور وار ٹھہرا رہے ہیں۔“

”واہ عامل میاں! خوب لکھا تم نے بھی چار دیواری، تین وقت کا کھانا اور حال چال معلوم کرنے کے لیے ملازم دے کر سمجھتے ہو کہ تم نے اولاد ہونے کا حق ادا کر دیا۔ ارے اس سے تو اچھا تھا کہ تم لوگ مجھے کسی اولاد ہاؤس میں جمع کرا دیتے۔ مجھے صرف

ایک بے یقینی روگ ہوتا کہ تمہیں جوان بیٹوں کا باپ  
ہوتے ہوئے میں لاوارفوں کی سی زندگی جی رہا  
ہوں۔ خدا کی قسم۔ اس سے کہیں زیادہ تکلیف مجھے  
اس مگر میں تم لوگوں کے ساتھ رہ کر ہوتی ہے۔ ایک  
جمیت تلے رہنے کے باوجود تم لوگوں سے مجھے اپنی  
زندگی سے نکال باہر کیا ہوا ہے۔ جو کہ تنہائی اور  
درد میں اپنی ذات میں محسوس کر رہا ہوں۔ وہ ہمیں  
کیوں نظر نہیں آتا۔ کیا ہم کا کذاب جھیلنے جھیلنے  
میں اب چھٹی ہو گیا ہے۔ اس سے سنئے رہو گے تنہائی

”السلام علیکم۔“ پاپا جی کی بارعب آواز سب کو  
چنے کے ہو کر چبھ گئے۔ دولہائی کی عدو سے سچ سچ کر  
قدم اٹھاتے ہوئے آنے اور وہیں سب کے درمیان  
بڑے اعتدال کے ساتھ چبھ گئے۔ ان کے آتے ہی  
ڈرائنگ روم میں گہرا سکوت چھا گیا تھا۔ چند لمبے اسی  
طرح خاموشی کی نذر ہو گئے۔ پھر پاپا جی نے ہی اس  
خاموشی کا نقل توڑا۔

”میرے پیارے بچوں! قسمت نے آج مجھے تمہاری عدالت میں اکبر جم جم کر کھڑا کر دیا ہے تو میں اللہ حاضر و ناظر جان کر خائفہ کہہوں کہ میں جو کچھ بھی کہوں گا۔ وہ سچا ہو گا۔ شہنشاہ میرے پیارے بچے آج پورے سات سال بعد تمہیں دیکھا ہے۔ آج تمہیں تمہاری دیر سے سیراب ہو گئی۔ مگر دل کا کیا کروں جو تمہیں جینے سے لگنے نہ توڑ رہا ہے۔ بیٹے! یہی کہی جا رہی تھی کہ باپ کے گلے کلک نہیں

”پاپا جی آپ یہ کیا کرنے جا رہے ہیں۔“  
 آپ نے ذرا نہیں سوچا کہ آپ کے اس امر سے  
 ہمیں کتنی تکلیف پہنچی۔ تکلف تو ہم شاید برداشت  
 کر سکتے ہیں۔ لیکن جودت اور رسوائی ہوگی، وہ ہم  
 برداشت نہیں کر پائیں گے۔“ شجاعت بیک جو  
 بھرے بیٹھے تھے۔ ایک دم ہی چٹ بڑے۔

”کھم میں جنم کی شادی کی تیاریاں چل رہی ہیں۔ ڈیٹ فکس ہو چکی ہے اور اس موقع پر آپ یہ نیا تماشا لگا کر بیٹھ گئے ہیں۔“

”زبان سنبھال کر میاں!“ فاخر بیک ذور سے مگرے۔

”میں نکاح کر رہا ہوں۔ کوئی مٹناہ کرنے نہیں جا رہا۔ جو تمہاری ذات اور رسوائی کا سبب بنے میرے فیصلے پر شکستہ یعنی کرنے سے بہتر ہے۔ کہ تم لوگ اپنے گریبان میں جمناکو۔ مجھے اس اقدام پر پہنچانے والے تم ہی لوگ ہو۔“

”کیا کسی چھوڑی ہے ہم نے آپ کی خدمت میں ہر سہولت آپ کو مہیا کر کے دی ہے۔ صبح شام

☆☆

نومبر کے خطے میں بیٹھے ہیں وہ ایک خوش گواری منج گھر کے سب سے انفرادیت کے لیبل پر تھے۔ روزمرہ کی اہل چٹکی بات چیت کے دوران فاض اور پری کی محفل کی فوج جھوک بھی جا رہی تھی جب ملازم نے گاؤں سے سارے کے آنے کی اطلاع دی۔

”اے تو ساتھ ہی لے آئے وہ کون سا مہمان ہے جو جیسے چلے آئے۔ اپنا گھر ہے اس کا باکے کے آؤ وڈو میرے گئے۔“ کس ملک ملازم پر ہنسنے لگیں۔

”غیر سے بیٹھو مولانا صاحب تعریف لائے ہیں۔“ فاض نے پری کے کان میں سرگوشی کی تاہم سرملک نے بے جملہ لیا تھا انہوں نے چشمی نظروں سے اس کو دیکھا اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہیں۔ وہ ملازم کی محبت میں آتا دکھائی دیا تھا، سفید شلوار قمیض میں تیل لگے بال سلیٹے سے سنورے ہوئے تھے۔ لائٹ براؤن آنکھوں میں سرمرنگ سرملک کو اتار عجب لگا کہ وہ لالچوں والا پڑا کہ وہ کس کھنوں سے اونچی شلوار دیکھ کر فاض نے ایک بار بھر پری کے کان میں سرگوشی کی۔

”لگتا ہے کسی تیلیف روڈ سے ہے تعریف لائے ہیں اور پیدا ہوا نہیں لینڈ کیا ہے۔“ وہ ملک صاحب سے پرچوں صاف کر رہا تھا۔ انہوں نے بہت محبت سے اس کی پٹی پٹائی چڑی۔ نچانے کیوں ان کو اپنی اس اولاد سے سخت آجائے تھے اب اس نے سرملک کے پاؤں چھوئے اور پھر ان کے اس کے گرو جھکا کر ”مالی سن۔“ میرا چچا کہتے تھے دن گزر جاتے ہیں تم سے ملے۔ تم کو دیکھیں سب بہت ہو گیا اب دیکھیں آ جاؤ سارے فاض کی اپنی مصروفیات ہیں۔ تمہارے پاپا کو برس میں تمہاری ضرورت ہے جانا۔ پھر انہوں نے ملازم کو پکار کر سارے کے لیے ناشائلا نہ کھم دیا۔

”نہیں اماں! ناشائستہ میں کر کے آیا ہوں ہم دیکھائی میں نہیں کسی کے بغیر عادی رہی مطلق

سے نہیں اترتی۔“ آپ کا یہ شہری ناشائستہ میں اس نہیں آتا۔“ اس کے جواب نے سرملک کے سڈو کو خراب کر دیا تھا۔

”کیا حال ہے فاض! پڑھائی کسی جا رہی ہے تمہاری اور پری کی بی بی آپ تو ٹھیک ہیں ناں۔“ چائی یاد کر رہی تھیں آپ کو کہہ رہی تھیں چھینوں میں اگر تاہم تو چکر لگ چکے گا۔“ اس کے طرز خطاب پر پری کا سرو کیل میڈ کرنے کی کوشش میں لال ہو گیا جبکہ فاض نے اپنے پاپا کے ذمے سے تیز سے جواب دیا تھا کہ وہ ٹھیک ہے اس کی پڑھائی ٹھیک جا رہی ہے اور پری نے کہا۔

”کیا ہے کہ سارے! ابھی ماسوں اور آئی کا پھر کا تو آ جاؤں گی ورنہ نہیں تو پتا ہے کہ مجھے گاؤں سے اس ماحول سے نفی الٹی ہے۔ میں تو چھوٹے مشکل سے گزراؤں اور وہاں دلوں میں تو سورج کھلتے نہیں سکتی۔“ اس کے انداز میں کسی مدتیک خوت بھی تھی جس نے سارے کا چہرہ اس ہلکے پھیکا کر دیا تھا۔

”چھوڑو سارے! اس بحث کو یہ تباہ کر کہ ہے جو ان کر رہے ہو اپنے پاپا کے ساتھ آئی جس سرملک نے بتائی ہے پھر چاہا ان کا ساتھ نہیں مل رہا تھا کہ وہ ابھی کے ابھی اسے ملک صاحب کے ساتھ آئی بھیجی کہ دم نہیں۔

”کیسی باتیں کرتی ہیں اماں آپ! ایسے کیسے چھوڑ کر آ سکتا ہوں میں سب کچھ۔“ چائی جی وہاں بچائی کی قیمت ملک کے لئے جس پھر زمینوں کی دیکھ بھال ہے اصل کی بوائی کے کس کو کٹائی تک اور پھر فصل منڈی بیجوانے تک کا سارا کام میں کرتا ہوں۔“ چائی تو ایک دن کے لیے مجھے نظروں سے دور نہیں رہنے دیتیں۔ وہ اجازت دے دی تھی تو اماں میرا ذہن نہیں ہے دو اور دو چار کر کے والا۔ میں جتنی سے عبت کر کے والا بندہ ہوں ویسی طرز زندگی کا عادی ہوں جو ضرور سے میں نے دیکھی اور برتی ہے یہاں شہر میں میرا دم رکھتا ہے۔ یہاں فاض کو اللہ زندگی دے آپ کے پاس ہے میں یہاں آ جاتا ہوں تو

چائی اور چچا کیا کریں گے۔“

”جو بھی کریں گے مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے“ غضب خدا کا نیلا گلے پڑنا تھا مگر میں سال سے اس نیکی نے مجھے جو نقصان دیا ہے میں جانتی ہوں۔ میری اولاد نظروں سے دور ہے مفت کا ٹکر بنا کر رکھ دیا ہے بچے کو کروڑوں نیکیوں تو لاگوں کا برس ہے آپ کا اور وہاں میرا پڑا کسان بن کر مل چلا تا ہے۔“ سرملک تو چٹ پڑی تھی۔

”غیر ہے بات تو تم کرتی ہو اس کی اشدت نیکی آپ نے نہیں بھاگی بیگم نے کئی آپ کے بچے کو گود لے کر اس کی ذمہ داری سنبھال کر کیونکہ دو بچوں نے آپ کی حالت غیر کر دی ہمارے دیکھ جان کے لالے پڑ گئے تھے۔“ ملک صاحب نے ان کو یاد دلایا۔

”ہاں تو اس میں بھی ان کا فائدہ تھا اولاد نہیں جس کی ان کو پاپا نے اس جہز کی تسکین کے لیے انہوں نے خوشی بڑھ دیا۔ اور ان کی دوندان کے بھی بچے ہوتے تو میں دیکھتی کہ کیسے وہ ذمہ داری لیتیں میرے بچے کی۔ چلو مان بھی لوں آپ کی بھانجی بیگم کی ذمہ داری کو کر رہے تو نہیں کہا تھا میں نے کہ میری اس نیکی کو میرے گلے میں زبردستی کا دھول بنا کر رکھ دوں میرے مگر کے لیے بہانا پڑ گیا ہے۔ بس بہت نادان دے دیا میں نے اس احسان کا اب میرا پڑا مجھے داناں چاہیے۔“ وہ ہنسے سے چٹا تھیں۔

”اوکے نام آدمی آ کر گینگ لے۔“ چلے ہیں۔ او کے براؤز کی یو۔“ پری اور فاض جوتھے خاصے یور ہو رہے تھے اس صورتحال سے ہر بار سارے کی آدھ کچھ ایسے ہی مکالے ان تین نفوس کے درمیان اس گھر میں کئی سال سے دہرائے جا رہے تھے۔ بس اس بار مانا کا درمیائیں سموزا اشد ہو گیا تھا۔ فاض نے پری کو اشارہ کیا اور ان تینوں کو غائب کر کے کہا پھر وہ دونوں وہاں سے چلے گئے تھے۔

”اماں! میری پیاری اماں!..... دنیا کی کوئی اچھی طاقت اس حقیقت کو جھٹلائیں سکتی کہ جس آپ کی

اولادوں حقیقتاً قیمت والے دن آپ کے نام سے ہی اٹھایا جاؤں گا نہ ہی میرے وہاں رہنے سے یہ حقیقت بدل سکتی ہے مگر یہ سچ ہے کہ آپ میری حقیقت ناں ہیں تو چائی کو بھی میری ماں کا بھی درجہ حاصل ہے۔ اس نے مجھے ہم دونوں کو وہ بھی جاکر ہیں میرے لیے..... میں اس کو کیا زندگی کے کئی کئی حصے میں انہیں چھوڑ بیٹھا سکتا۔ چائی نے کچھ موسم کے لیے اصل چھوڑ بیٹھا تو وہ گاؤں سے نکلا۔ مجھے لگتا ہے چچا کی دوداں میں بھی ہے اور زمینوں کے لیے کچھ کھانا دیا ہے۔ بغیر دیکھ سکتی جلدی چکر لگاؤں کا اجازت دیں۔“ وہ وہی سب کچھ فاض نے دیکھا تھا اس سے قبل کہ آپ تھا ملک صاحب نے خود دلی سے اسے دھت کیا مگر سرملک کے آنسو کھل آئے تھے انہوں نے صرف سہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

”میں آپ کے جدو کا حصہ ہوں اماں! دنیا میں کہیں بھی رہوں آ رہوں گا۔“ ان کے ہاتھ چوتے اس نے ایک بار میرا دواہنی کر دیا اس کے ڈانگہ روم سے باہر جاتے ہی وہ چوٹ چوٹ کر رہی تھیں۔

”کیونکہ ملک صاحب! میری اچھائی کو لوگوں نے میرا کٹا ہوا دنیا پر ایسا بیمن لیا اور ہے اس کی تربیت دیکھی ہے کہ آپ کی بھانجی بیگم نے۔ پورا ملا ہا کے رکھ دیا ہے ابھی کئی میرے بار بار لے کر میری نیکیوں کو اور وہی جسے مطلب کے لیے اسے ابھی کچھ میں سارے کر دیا کہ میری زندگی زمینوں کی راہی کرتا رہے۔ طبع دیکھا ہے اس کا پورا ملا دیکھا ہے۔ بات ایسے کرے کہ میرے دل دینے آ ہوتا میں بھلا نہ ابھی کچھ کیر پھر اچھا ہے اس کا اپنی پیاری نیکی کو عجیب و غریب سنا ہے رکھا ہے۔ شہر میں آپ کا سنا ہے اسے بھیجے کو خیر نہیں ہمارے سرکل میں کون جی دے گا اسے جبکہ فاض کے لیے بھی ہے شوق کی ان تک بھی ہے۔“

”دیکھو منو! میں روز روز کے اس ڈرامے

سے تنگ آ گیا ہوں اور ہمیں روزِ درود بخواتین بھی کرنا پڑا۔ وہ وقت جس میں مجھے کسی ذمہ داری میں پڑنا ہی نہیں چاہتی تھیں اور بوقتِ تمہارے یہ ایک مستقل مصیبت تمہارے گلے نہ پڑ جائے۔ تم میرے متع کرنے کے باوجود ڈاکٹر کے پاس اپنی اولاد سے چھٹکارا ہانے لگی تھیں تب ڈاکٹر نے تمہاری جان کا خطرہ بتا کر کیا کرنے سے انکار دیا تھا۔ اس وقت وہ باہمی بیگم ہی تھیں جنہوں نے تمہیں اس بات پر راضی کیا تھا کہ ایک دفعہ اس وہ ڈاکہ کی تکلیف ہی کوارا کر لو اس کے بعد عمر بھر بچے کی ذمہ داری وہی سنبھالیں گی۔

سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا بچوں کی پیدائش کے چار سال بعد تک وہ تو تمہیں شہری بننے کا حقوق نہ دیا اور تم نے اپنے ساتھ میری بھی مت داری نہ تو دونوں بچوں کو اپنے پیار کے پاس چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہو تو میں جس کو چاہتا تھا تم کو ذمہ داریوں سے ہی چرانے والی عورت تھی کسی دو بچوں کی ذمہ داری سنبھال نہ پاؤ گی سوسا رہ گود میں اس کی کچی کے پاس چھوڑنا تھا۔ آج جرم بڑھ چکا کہ اس کو پینڈ ڈھنڈا اور پھانسی ہونے کے ملنے والی ہو تو یاد رکھو کہ اپنی بیٹی اپنا اصل اور اپنی جڑوں کو جوہولنے والے ذراہر کے رہتے ہیں ذراہر کے۔ تم خود بھی اسی ایک گراؤ میں پھنس چکی ہو۔ سنز ملک پہلو بند کر دے مگر بار بار وہ انہیں ایسے ہی ملنے دے کر کھینک کر دیتے تھے۔

”جس انھوں کے پرل کا تمہیں غور ہے تو میرا بیٹا بھی اس سے زیادہ مالیت کی درزی زین کا مالک ہے۔ سب بات سے تمہیں شرم آتی ہے اس کے نیک اور صالح ہونے پر بڑھ کر تمہاری ہونے پر یا اس باپ سے فرماں برداری پڑے تھے اپنے بچے پر خیر ہے کہ وہ آج کے اس بارہ دور میں ایک خالص اور سچی روح ہے پانی جہاں رہا اس کی شادی کا سوال تو تمہارے سرکل کی لڑکی کو وہ خود نہیں لگائے گا اس کے لیے اس بھی کسی کوئی پیاری لڑکی میں خود

دھوڑو گا۔ تمہیں تردد کرنے کی ضرورت نہیں ہے نہ ہی ہر بار اسے اسوشل بلک میٹنگ کر کے پریشان کیا کرو۔ امید ہے کہ مجھے یہ بات تمہیں آخری مرحلے سمجھائی پڑی ہے۔ اطمینان سے کیجئے انہوں نے کمری کی ایک بڑھکتا کوٹ اتار کر پہنا کر برفیت میں اٹھا لیا اور اس کے لیے نکل گئے۔

”بہنہ..... دوپٹہ پیسہ یا کوئی بے پستے کی چیز ہے جو میں عمر بھر کے لیے لوگوں کو دان کر دوں۔ میں ابھی اپنا بیٹا دیکھنے کے کر رہوں گی۔“ انہوں نے سہانے کی سادگی میں بھلا کر ارادہ کیا اور ملازم کپڑائی آگے بڑھ گئیں۔

☆ ☆ ☆  
”اف بری ایسا بسا کے چیت میں درد کرادیا تو“ نے پانی کا ڈھ۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تمہاری پرل میں اس کم کا کوئی نمونہ ہو سکتا ہے ہاں انٹرسلنگ؟“ رائیہ اس کی کلاس فیلو صبح کی سادگی رد اور اداس کے تکران کی سادگی اور طبع پر اس ہنر کر کے حال ہو گئی جب بری نے باقاعدہ ادا کارڈ کر کے سارے جیسا انداز اپنا کر اس کے بارے میں بتایا۔

”بس بار۔۔۔ مت ماری تم ہی آئی کی جو اسے گاؤں میں چھوڑ دیا۔ ایسے خاصے لڑکے کو اپنا مکمل (خراب) کر کے رکھ دیا۔ تم عین گم فادر سے نہیں زیادہ بیوی تل اور صحت مند ہے دگر طبع ایسا کہ دیکھوئی جو کر یاد آتا ہے۔ یہ میرے بھر کے آنکھوں میں سرمہ نہ ڈالو“ وہ حیرت اس کی اس رطب اللسان تھی۔

”چھوڑا اب اس قصبے کو اور تمہارا کھانا ہر وہ کام کسین ہے؟ شادی داری کا کب تک ہو کر گا؟ ہے؟ ہمارے کرپ کی سب کرلو تو آج ہو گئیں سوائے تمہارے۔“

پھر ظالم ساج جیسی کوئی دیوانہ نہیں ہم دونوں کے بیچ۔ اگلے اسے اسٹیز پر کی دوران ڈسٹرب کرنا چاہے اسٹیز انٹیشن کے بعد ہی شادی کا پروگرام۔ تب تک میری بھی اسٹیز پر کھینٹ ہو جائے گی۔“ رائیہ کے سوال پر اس نے اطمینان اور کی قدر کر کے بتایا۔

☆ ☆ ☆  
”آپ کیا میرا بچہ! منہ ہاتھ دھوئے میں کھانا لے آؤں۔“ چچی کا انداز اور کچھ بیشک کی طرح اس کے لیے شہد چاہتا تھا۔

”تمی چچی یاد ہیں آج بہت تنگ کیا ہوں۔ سر پر کھڑے ہو کر کام نہ کرواؤ تو پرانے ملک خوار تک کام میں ڈھکی مارنے سے باز نہیں آتے۔“ کسٹلندی سے چار پائی پر بیٹھ کر اس نے ہاں کو حق تو ہے آزاد کیا چچی نے اس کے گھر والے سپر ڈاکٹر لاکر نیچے رکھے۔

”اے اسے چچی جان! کتنی دفعہ کہا ہے کہ اس طرح کر کے مجھے خیر منہ مت کیا کریں ناؤں کا یہ منصب نہیں ہوتا۔“ وہ خندگی سے کہتا سپر دھوا۔

”اے سرے میرا بچہ! میرا بیٹے ملے ناں تو تجھے پلوں پر تھا کر مگوں تیرے ہر کام کو اپنے ہاتھوں سے کرے جو مجھے خوشی تھی ہے ناں۔ اس سے مجھے مت روک۔“ بچی کی جیسے ہی آنکھوں میں پانی بھرا وہ وہ ان کی محبت پر بس ہوتا ہوتا منہ ہاتھ دھوئے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا جانا تھا کہ اپنی محبت سے مجبور ہو کر وہ اب صاف سحر تو لہ لے کر اس کے پیچھے چھپے آئیں گی۔ منہ ہاتھ دھوئے کو اپنے ہاتھ سے ٹٹکا چلائیں گی وہ اپنی محبت کے ہاتھوں اور سارے اپنی ادب کے آگے مجبور تھا سوساں کی ہلکی چٹکی پھر اس کی گھر میں روزانہ ہی ہوتی تھی۔

دونوں آگے آگے پیچھے کرے میں داخل ہوئے تھے آگے آگے سارے تھا پیچھے میں تم کرم کھانا لے کر آئی چچی میں بسز پر لیے جیسا ہے دیکھ کر اٹھ بیٹھے تھے جب اس نے سلام کیا۔

”وہیکم السلام! آجیتا وہ میرا بچہ۔“  
”آپ لیے رہے یا چھتاری ہیں کمری کی دوای بھی نہیں لی آپ نے۔ یہ تو نمک نہیں ناں۔“  
”دیکھ نہیں ہوا مجھے بالکل ٹھیک ہوں میں جس کام جیسا پڑ ہو وہ بندہ کھانا پان ہو سکتا ہے۔ تو تمہاری چچی مجھے بڑی زبردستی بیان جانے ہو گئی ہے۔ وہ خوش دلی سے بولے۔

”اللہ کرے کہ آپ کو کچھ نہ ہو ہمیشہ صحت و تندرستی کے ساتھ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت ہے۔“ چچی نے جو بتا دی ہوتی ہے ناں اس کو تعین کے فوراً بعد ہی کا پور کیا جائے تو ٹھیک ہوتا ہے۔ وہ نہ آگے چل کر پیچھے کی بڑھ سکتی ہے۔ وہ ان کے سامنے بیٹھ کر ڈاکٹر لاکر دیا ہو اور۔

”اور آپ وعدہ کر میں کہ آئندہ دوای کا ٹاغہ نہیں کریں گے۔“  
”پلو بھی ماں! بیٹے تل کہ ایک بات ٹھان لی ہے تو ایسے ہی ٹھیک ہے۔ ہاں بھی نیک بخت ساراب چتر سے وہ بات کی ہے کہ نہیں۔“ اب بچانے کو اپنے کو مخاطب ہو کر کہا ساراب چتر کہ چچی کو مجھے کسے جواب بات کرنے کے لیے تنبیہ ہاتھ دھنی گئیں۔

”تجھے پتا ہے ساراب! جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں باپ اس کے ماں پر کھنے سے لے کر اس کے بچوں تک کے کام سوچ لینے ہیں ان کے دن اور راتوں اس کی میں گزرتے ہیں کہ وہ کب اس کے سر پر سہا جتے دیکھیں گے، ہم پر لٹھ کانا کھوئے کہ کاس نے کسین مونیق دیا ہے کہ ہم اپنی زندگی سب سے بڑی خوشی دیکھیں اپنے بچے کو لہا دینے دیکھیں۔ وہ جو چاہی کی بات بڑی دبی دیکھیں سے کہ رہا اپنی شادی کا ذکر کہ کسی کو سہا یا ہم سے نظروں کے سامنے آیا یا کچھ ایک سے کچھ پڑ گیا۔

”میرا ختم اور تو ایسا کلا بھلا اور شاندار ہے کہ گاؤں کے جس کو بھی چھوٹی پھیلا کر جاؤں گی



بارادری ہاتھوں کی۔ مجھے ایک گھروں میں جا کر بچوں کے دل توڑنے سے بڑا خوف آتا ہے ساراب! میں نے تیرے بچے سے کہا کہ میرا بیٹا جس گھر کا نام لے دے گا میں وہیں سوال ڈال دوں گی۔ اب تو جلدی سے بتا کر میں کہاں جانا چاہے۔ آخر کو اتنا دبا دھا لکھا۔ کچھ دوا سے تیری بھی کوئی سوج ہوگی۔ کوئی خیال ہوگا کہ لڑکی ایسی ہو۔ تو چاہا میرا بھائی رکھے گا، ہاں وہاں پر سوائی میں کر بیٹھے گی۔ بیٹے کی شادی کی خوشی میں وہ دونوں ہی پر جوش تھے ساراب بے اختیار سہرا ڈرا۔

”یہ لوگ ضرور بے خوش دیکھے گا کہ آپ یہ حق رکھتے ہیں لیکن مجھے کب تک کا وقت دے دیں اس کے بعد آپ کی جہاں مرضی جائیں جیسے بھی لڑکی منتخب کریں گی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا لیکن اس سے پہلے آپ یہ سلسلہ شروع مت کریں۔ بس جیسے ہی وقت آئے گا کہیں کچھ چٹ پیادہ والا معاملہ۔“

”چل ٹھیک ہے میرا بچہ۔“ رشید تو فصل کے بعد ہی ملے گروں کی پر شادی کی تیاری تو شروع کر چکی ہوں ناں کچلے۔ لیتے۔ زہیر۔ شادی کی تیاری آسان ٹھوڑی ہے۔ شہرے خریداری کروں گی اپنی نو (بہو)۔ ہے۔ ابھی سے شروع کروں گی تو سب ہو جائے گا ناں۔“

”ارے سچا چاہی آپ کو میرے حوالے سے کسی بھی کام کی مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے“ آپ جو چاہے کر سکتی ہیں۔ بس میں وقت کے وقت ہر کام کرنا پندرتہ ہوں لیکن ان وقت کے رہتے اگر ہوں تو کئی جگہ گوں کا ڈر ہوتا ہے ورنہ کسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔“ اس نے چاچی کی مزید تسلی کر دالی۔

”مجھو نہ وہ میرا بچہ۔“ انہوں نے خوش ہوتے ہوئے وعدا کی۔

☆☆☆

”تم بے دینی کردی ہو سوزہ! بھائی صاحب

کب تک تمہاری اس ظلمی کی سزا تمہیں دیتے رہیں گے۔ تمہارے کون سا کوئی بچوں کی لائن کی ہے کہ چلاؤ ایک تمہارے پاس میں بائی تو ہیں ناں۔“ ”میں کیا کروں عائشہ! پہلے تو خود بھی مجھے کوئی خاص کی محسوس نہیں ہوتی تھی اس کی ذہنی دیا چار آتا تھا اس کے اور جیسا فارض کے اوپر آتا ہے مگر جب سے تم نے احساس دلایا ہے یقین کر میں ہمیں یاد کر لیں ہوں اس کو میرے اختیار میں نہیں کر دیتے گا واپس لے آؤں جب میں نے اپنا بیٹا ان کو گوں کو دیا تھا۔“ ان کی آواز بھرائی کہ نہیں کی ہورہی پڑا زہیر جیسے بچوں سے بار بار کہہ کر ان کو ایسا فاش غلطی کا احساس دلایا تھا جو وہ نہی میں کر چکی تھیں ورنہ اب سے پہلے تک انہیں بھی اس بات کا احساس تک نہ تھا تھا۔

”میں تمہاری دشمن نہیں ہوں سوزہ! اب تم خود سوچو کہ فارض کو کم اپنا کلا تریزین کے لیے باہر بھیجتے کا ارادہ کرو ہو پھر سوچو کہ آج کے بچے ہیں۔ بل اگر اس کا ارادہ وہیں چاہ کر نے کا ہو گیا تو کم از کم ایک بچہ تمہارے پاس ہوتا۔“ ان کی بات پر سوزہ ٹلک کا دل کیا نہیں کی اس قدر محبت پر ان کا منہ بند نہیں۔

واقعی اس بچ پر تو انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا! بہن سے احسان مند کی جذبہ اس پہلی اتنا زور آدھا تھا کہ وہ نہ سوچ سکتی کہ وہ بہن جو اپنے رشتہ دار ہیں حیثیت کے فرق کی وجہ سے ان سے کم کم بھی رابطہ رکھ سکتی تھیں۔ بہت کم ہی بات چیت ہو پائی تھی کہ ان کے جان کو کچھ سے تعلقات پیدا نہیں تھے! اب تک ان کے دل میں بہن اور بھائی کی محبت کیسے جاگ رہی تھی۔ اب وہ اپنی بہن کی نصیحتوں کو مزید غور سے سنتے تھیں۔

☆☆☆

”فارض! تم آتی سے بات کرو ناں۔“ اس نے اٹھ کھانیاں مردوئے ہوئے فارض سے کہا جو لاپرواہی سے چوٹم چاتے ہوئے اب اپنا پیہ نہ صاف

کر رہا تھا۔ ابھی ابھی ایک گیم ٹیس کی مکمل کردہ دونوں لپٹن چتر پڑا کر بیٹھے تھے۔

”کون بات ڈیرا؟“ اس نے جس کا گلاس اٹھایا جو ابھی ملازمہ رکھ کر گئی تھی۔

”ایک تو ہر بات تمہیں کی بار بتانا پڑتی ہے فارض! وہ وہ بھلا۔“ ”آئی ٹی! اور میری شادی کی بات۔“ ”نئی! ابھی بھی اس کے بچے میں تھی۔“ ”شادی؟“ ”وہ تو بھلا لگا کر بھلا۔“ ”عاطفی بھی ہو کر مٹا مجھے اس کا بھی بچہ نہیں ہیں۔ میرے کیرئیر کے اسرار تو ہونے سے پہلے ہی اس قسم کی بات ابھی خاص شام گھونٹ ہو گئی ان کے لیے۔ پھر نہیں اس بات کی جلدی ہے پری! اب جب ہماری آپس میں کھٹ منٹ ہے تو جب وقت آئے گا بتا دیں گے ماما پاپا کو کس بات کی فکر ہے تمہیں۔“ ”نہ تو ہمارے درمیان کوئی عالم سناج تا ہے چچ سے نہ کوئی اور رکاوٹ۔“

”میں کیوں ماما! کیا کی ہے پری میں۔۔۔۔۔“ ”ہمارے اہلی خلی سے ہے ابھی خاصی خوب صورت لڑکی ہے پھر میری کیمٹری ملتی ہے اس سے اور بہم دونوں اپنی شادی کی فیصلہ بھی کر چکے ہیں۔“ اس کے اس طرح کہنے پر انہوں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں لیا۔ ”ابھی فارض کی کٹھنی کو وہ دیکھ لی مگر بس رہنے والے بچوں کا ایک عام شعلہ نہیں ہے جس کو بھی اس حوالے سے نہ دیکھ سوجنا نہ باز پرس کی تھی۔“ ”شہر ہے سالہا! اس کی ہاتھ میں ہی تھا تو پڑا ورنہ دودھ تک نہیں تھا تھا۔“

”فارض! فارض! میں سوچتی بات کروں گی اسے غور سے سنا۔“ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے نشانہ کو نظر انداز کرتے ہوئے پیار سے فارض سے کہا ”شورہ کیا۔“ ”تم ابھی بہت چھوٹے ہو زندگی کے معاملات کو ہینڈل کرنے کے حوالے سے۔ میں جانتی ہوں کہ پری! ابھی تو ہے خوب صورت ہے۔ اب کچھ دیر اور تم اسے پسند بھی کرتے ہو۔ یہ سب باتیں تم دیکھ

☆☆☆

”آج میرے فارض۔۔۔۔۔ میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں اور پھر سے تم ایک بے وقوفانہ نشانہ لے کر آ گئے ہو۔“

”میں ابھی شادی کی بات نہیں کر رہا ماما۔۔۔۔۔ مگر معنی تو کریں کہ کم از کم۔۔۔۔۔ میں بھی وہاں ٹیلیکس رہوں گا اور پری! ابھی کوئی کٹھنہ مجھے کے لیے نام نہیں لے گا۔“ ”والہ! پھر بولا کہ اس کا اس کی بات پر اتنا حساس کی مجھے سے باہر تھا۔“

”پری! بچے! انجیو! اور میری بات سنو میں تمہاری چھو پھوچی اس لیے تم کی اس کو اس گھر میں رکھا تھا تو صرف تو اب کے لیے کہ ان کو دیا ہمارے پاس بہت کچھ تھا تو ایک بچی جو جو نہیں تھی ہمارے اور مگر اس کو عمر بھر اپنے سر پر بٹھا کر رکھنے کا مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔ نہ تم بھی اپنی اس چنگا نہ سوج اور فاض کو دماغ سے نکال دو۔“

”میں کیوں ماما! کیا کی ہے پری میں۔۔۔۔۔“ ”ہمارے اہلی خلی سے ہے ابھی خاصی خوب صورت لڑکی ہے پھر میری کیمٹری ملتی ہے اس سے اور بہم دونوں اپنی شادی کی فیصلہ بھی کر چکے ہیں۔“ اس کے اس طرح کہنے پر انہوں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں لیا۔ ”ابھی فارض کی کٹھنی کو وہ دیکھ لی مگر بس رہنے والے بچوں کا ایک عام شعلہ نہیں ہے جس کو بھی اس حوالے سے نہ دیکھ سوجنا نہ باز پرس کی تھی۔“ ”شہر ہے سالہا! اس کی ہاتھ میں ہی تھا تو پڑا ورنہ دودھ تک نہیں تھا تھا۔“

”فارض! فارض! میں سوچتی بات کروں گی اسے غور سے سنا۔“ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے نشانہ کو نظر انداز کرتے ہوئے پیار سے فارض سے کہا ”شورہ کیا۔“ ”تم ابھی بہت چھوٹے ہو زندگی کے معاملات کو ہینڈل کرنے کے حوالے سے۔ میں جانتی ہوں کہ پری! ابھی تو ہے خوب صورت ہے۔ اب کچھ دیر اور تم اسے پسند بھی کرتے ہو۔ یہ سب باتیں تم دیکھ





جب کہ سارے ساکت ہی تو رہ گیا۔  
 ”اچھا میں آج تک کبھی سمجھتا تھا کہ کبھی میرا  
 گھر ہے اور آپ ہی میرے ماں باپ ہیں کیوں  
 چا چا.....“ دل میں اگرچہ وہ کھٹک گیا تھا مگر بظاہر  
 بچے جھپٹکے لہجے میں کہا۔  
 ”میں ڈانٹتی نہیں کردی سادہ! میں تو نے  
 کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ تمہارے ماں باپ کو کبھی  
 تمہاری اتنی ہی ضرورت ہے جتنی میں۔“ قاضی باہر  
 چلا جانے کا بھائی صاحب اٹا بڑا کردار کہیے  
 سفائیں گے۔ قاضی نے جانے سے پہلے یہ تم  
 طے جاؤ سادہ تاکہ بھائی صاحب اور بھائی کو اس  
 کی کمی زیادہ محسوس نہ ہو۔“ چاچا نے دل پر ہنجر  
 رکھ کر بچے اپنی بات مکمل کی دہی جاتی ہیں۔  
 ”ہم..... تو میری پیاری چاچا جان نے  
 قاضی سے لے کر بھائی صاحب بھائی تک سب کا  
 سوچ لیا! صرف اپنے بچے کا نہیں سوچا کہ وہ اپنے  
 چا چا جان کی ایک ہو کر رہے رہا ہے گا بھلا ایسے  
 درخت کو کبھی بھی کھٹنے دیکھا ہے چاچا میں کی جڑیں  
 تو درد درد تک ایک زمین میں پیوست ہوں مگر اس کو  
 کاٹ کر کسی دوسری زمین میں کا ڈوبا جائے۔ نہیں  
 دیکھا ہوگا۔“ کیونکہ ایسا ہوتا ہے نہ چاچا..... ایسا ہو سکتا  
 ہی نہیں۔“ تو جس بات کا قاضی پر ہوتا ہی ممکن نہ  
 ہو اس کو کہتا یا کسی کو اس امر پر مجبور کرنا ہی بات  
 گنواٹے کے برابر ہے اس لیے اس بات کو نہیں چھوڑ  
 کر یہ باتیں کر آپ نے ایسا کیا کیوں.....! جب!  
 کہیں جاتا ہوں آپ ابھاسو مجھی نہیں کہیں گئیں  
 کہیں رات کو گھر سے باہر نہیں رہنے دیتی اور مگر مجھ  
 کے لیے مجھے اپنے سے دور بھیجتا چاہا رہی ہیں۔ کس  
 نے کہا کیا آپ سے.....“  
 ”کھ..... کس نے کہا تھا سادہ! مجھے اور  
 کوئی بات نہیں کرنی پس نہیں اپنے گھر واپس جانا  
 ہوگا۔“ دل سے اٹھتی چیخیں کیوں لی حد نہ پار  
 کر جاں میں اس ڈر سے وہ جھرنی آواز میں بھی نہ پاں  
 سے جلتی تھی۔

☆☆☆

پھر جیسے ہی سادہ نے لڑا نہ سے دریافت کیا  
 تھا کہ کل اور پرسوں کے دن میں کمر میں کون کون آیا  
 تھا فوراً ہی چاچا کے اسرار کے پیچھے چھپی کھائی  
 سامنے آ گئی تھی۔ سڑک مزلگرا اس کی سگی ماں نہ  
 ہو جس کو وہ نہ خانے کیا کر ڈالتا مگر وہ رشتوں کو لحاظ  
 رکھنے والا شخص تھا اس سے کسی قسم کی باز پرس کا سوچ  
 بھی نہیں سکتا تھا اس لیے ضروری کیا اس نے کہ بابا کو اس  
 کے سڑک مزلگرا آئے ان کا چا چا چاچا نے کیا  
 جانے والا مطالبہ کیا تھا اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا کہ ان  
 کے رویے اور خاتنے کے بعد چاچا کی طبیعت ہے حد  
 بڑھتی تھی ان کو درد ہوتا تھا۔ ڈاکٹر نے  
 تاکہ کسی بھی کی ان کو کمر میں طرے سے خوش رہی  
 کو کوشش کی جائے۔ اب وہ بات تھا کہ ان کی طرف  
 سے ایسی کوئی بات نہ ہو جو چاچا کی طبیعت خرابی اور  
 چاچا کی دل آزاری کا باعث بنے۔ بابا تو اس کی  
 ساری باتیں کر کے پہلے ہی روت نہ رہا اور ہر قسم ہونگے۔  
 ”اتنا سب کچھ ہو گیا سادہ! تم نے مجھے پہلے  
 کیوں نہیں بتایا..... میرا جان سے عزیز! اب تو بھائی  
 ہسپتال بھی گیا کہ وہ میری بیوی کی ہے۔“  
 ”میں بابا! میں خود اتنا پریشان ہو گیا تھا کہ آپ  
 کو بتا ہی نہ سکا چاچا کی حالت کا آپ نے ابھی کہاں  
 سے فہم نہیں کر لیا۔ سب کچھ سمجھا دیا ہے ان کو کہ ایسی کوئی  
 بات نہ ہو! اتنا..... میں اس حقیقت کو بھی نہیں سمجھتا  
 کہ میں آپ دونوں کی اولاد ہوں۔“ باشرہ دونوں  
 کے بعد میں نے ہر درد آپ دونوں کو کون کرنا اور ہفتے  
 میں دو بار شہر آ کر تمام دن آپ کو لوگوں کے ساتھ

گزارنا شروع کر دیا۔ قاضی ملک سے باہر جا رہا ہے  
 اس کے جانے کے بعد بھی میں کچھ مکمل سوچ ہی لیتا مگر  
 اس سب کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ مجھ پر چاچا  
 چاچا کا حق آپ کو لوگوں سے زیادہ ہے۔“ جذباتی  
 ہو کر وہ بولنا چاہا۔

”میں جانتا ہوں میرے بچے! سب جانتا  
 ہوں! جنہیں کچھ تانے کی ضرورت نہیں ہے اور میں  
 جنہیں یقین دلاتا ہوں کہ اتنا تمہاری ماں اس قسم  
 کی کوئی بات نہیں کرے گی۔ میں کل آپرسوں تک  
 چکر لگا رہا ہوں بھائی صاحب کے ہاتھ میں نے خود کل  
 کر لی تھی تو ایک شہروری بات کرنا چاہا ہر قاتم  
 سے۔“

”تمی بابا جان! احم کیجیے۔“ وہ ہیش کی طرح  
 مودب لہجے میں بولا۔

”جیتے ہو میری جان!“ وہ اس کی سعادت  
 مند کی زنجیر میں ہی تو ہو گئے۔ ”یہ بتاؤ بھائی نے کوئی  
 لڑکی وہی دیکھی ہے تمہارے لیے یا کوئی لڑکی ہے  
 تمہاری نظر میں پار جواں ہو خوب صورت بھی! عظیم  
 یافتہ بھی..... کوئی بھی تو رکاوٹ نہیں بچریوں نہ اس  
 حوالے سے کچھ سوچا جائے۔“

”کیا بات ہے بابا! آج کل سب کو ہی میری  
 شادی کا شوق چڑھا ہوا ہے۔ ابھی کچھ دنوں پہلے  
 چاچا بھی ایسی ہی بات کر دی تھی جس مگر میں نے  
 اٹال کچھ دن ان کو روک دیا ہے کہ آج کل ابھی  
 خاصی مصروفیات میں گھر ہوں میں۔ اور لڑکی کی  
 کیا کیا بابا آپ نے..... کیا میں آپ کو ایسا لگتا  
 ہوں..... وہ کسی ان ہی کے انداز میں بولا تو ملک  
 صاحب اس کی بات پر ہنس دیے۔

”میں جانتا تھا کہ ایسا ہی کوئی جواب ہے گا  
 تمہاری طرف سے تم نے تو نہیں البتہ تمہارے بابا  
 نے لڑکی پسند کر لی ہے تمہارے لیے..... میری بیٹی لگتی  
 ہے کچھ.....“ ان کی ہر جوش آواز میں بھی کی بات اس  
 کی سانس تک روک گئی۔  
 ”کیا کبہر ہے بابا آپ..... کہاں پر ہی۔“

”کہاں میں.....؟“  
 ”اے کہیں کیوں کیا کی ہے پر ہی پر ہی کبھی  
 خوب صورت اور شریف بچی ہے بھرنی ہے۔“  
 ”نہیں بابا! میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ ہو سکتا ہے  
 پر ہی مجھے پسند نہ کرنی ہو آپ پہلے اس سے پوچھ لیں  
 اگر اس کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو میں تیار ہوں بابا!“  
 پر ہی کے وہ تمام مذاق اور انداز اس کی نظروں کے  
 سامنے ٹھوم گئے جو وہ قاضی کے ساتھ کر گیا کرتی  
 تھی۔

”ہاں ہاں..... کیوں نہیں اور مجھے یقین ہے کہ  
 میرے بہرے جیسے سادہ کے لیے پر ہی تو کیا کوئی  
 بھی لڑکی پاں کرے تو یہ ایک خرمی صالح نہیں  
 کرے گی۔“ ملنے پر پھر تفصیل سے باتیں ہوں گی  
 جیتے رہا۔ ”ان کی کال کتبہ ہونے کے کئی دن بعد وہ  
 موبائل ہاتھ میں لیے اپنی خوش خبری پر غرور کر رہا گیا۔

☆☆☆

”دیکھو بیٹا! تم جانتی ہو کہ میں نے کبھی  
 جنہیں اپنے بچوں سے الگ نہیں سمجھا بلکہ اگر میں یہ  
 کہوں کہ تم نے آ کر میری بیٹی کی خواہش کو پورا کر دیا  
 تو غلط نہ ہوگا۔ اس لیے تو آ یا کی وفات کے بعد میں  
 جنہیں بچاں اسے اپنا بیٹا لانا کہ تمہارے بچا جاتے  
 تھے تو وہ ہمیں اسے پاس رکھیں۔“ ملک صاحب کو  
 در پر کل ہی کے کمرے میں آئے تھے انہیں اس  
 سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔

”بیٹیوں کو ایک نہ ایک دن اپنے گھر رخصت  
 ہونا ہوتا ہے۔“ ان کی بات پر اس کے آنسو بے  
 ساختہ باہر چل آئے۔

”مگر میں تمہارے بچا آئے تھے تمہارے  
 رشتہ کے لیے۔“ ان کی اس ہی بات نے پر ہی کو  
 چٹکا ہوا اس نے جلدی سے اپنے آنسو صاف  
 کر کے ان کی دست لگا دی۔

”مگر میں تمہاری مرضی کے بغیر کوئی بھی فیصلہ  
 نہیں کرنا چاہتا بیٹا! کیونکہ شادی جیسے اہم فیصلہ کا حق  
 ہر ذی روح کو اس کا ذہب دیتا ہے ماں باپ یا کسی



ہے اس نے اسے پی نازی سے سادہ سے شلوار  
قیس میں دھلے سنہاچھے کے ساتھ باہر آئے۔ بکھا۔

☆☆☆

طویل سانس لیتے ساراب نے بیڑ پر چڑھے  
کیوں میں سے ایک ہاتھ کو منہ پر رکھا اور اردوب  
میں سے اپنی گرم شال نکالی۔ کھوٹے پر لٹ کر اسے  
پچھنے اور پھیلنا چاہ کر پرودہ اس سے پہلے ہی  
پاکٹی پر بکھا کھل چھڑک کر اس میں گم ہو گئی تھی۔

”پرودہ پرودہ.....“ فغوری کی اس نے کسی کو  
انتہائی نرمی سے کہہ دیا۔ رات میں آرام دہ بستے کے  
باوجود بہت گرم دھن بٹلے کے بعد اسے تھکا آئی تھی۔

دو بار وہ سے کہی تیند میں جانے کو بھی جب اس نے  
اپنے بے حد پریشانی سے دوہرا دوہرا کر دیا تو اسے کچھ کہہ  
رہا تھا۔ پرودہ نے بکھل کر اپنی آنکھیں کھول کر دیکھا۔

”جلدی آگیاں پرودہ! افغان کا ٹھکانا چار باجے  
میں آگ آپ کو کھینچ رہے ہیں۔ جانے کی کوشش کرنا  
ہوئی۔“ اس کی آنکھیں کھول کر دیکھ کر وہ تیزی سے  
بولا۔

”اس وقت مجھے صرف سوتا ہے۔ مہربانی  
کر کے یہاں سے چلے جاؤ اور دروازہ بند کرتے  
جانا۔ اور لڑائی بھی.....“ غصے سے اپنا ہاتھ اسے  
مٹا رہی وہ پروردہ نے اپنا سر دھکی کر سوتائی چھٹی کے  
صرف اتنی ہی کہا اور ایک بار پھر کھل میں گم ہو گئی۔

ساراب تاسف سے سر ہلاتا لڑائی اور دروازہ بند کرتا  
باہر نکل آیا تھا۔

☆☆☆

دلیر کے قریب دیکھیں ہی بھی ہو گیا وہاں ہاتھوں  
میں ہوئی ہے۔ ہاتھوں اور دروازوں کے درمیان  
دھن بنی بھیجی پرودہ شت غصے میں تھی۔ دل ہی دل میں  
ایک دھچک پر اس سے خوف کو اداری کر اس نے ابھی تک  
دوستوں کو نہ شادی کا تانا بٹا نہ دوست و مکر کا تانا۔

”تو کیا اے میری ماحول میں مجھے وہ کہہ کر تھکا  
مٹاؤ! اڑا میرے.....“ اس نے دل میں سوچا اور سر  
مٹک کی جھلک دیکھ کر تابی سے اٹھ کر نکل گئی۔

”بچے ہو بھی سب لوگ دیکھ لیا ہے وہاں کہ  
یہ تو عین ہوجائے گی یہاں۔“ جیسے وہ ان  
کے کان میں جھونکھنٹائی انہوں نے ارد گرد سب کو  
اطہر کر کے غوث سے کہا۔  
”ارے ساجھی! اب رورڈ روز تو جس سے دن آئے  
ہیں۔ شوق پورا کر لینے دو! انہیں آپ آئیں  
پہلے کھانا کھا لیں پھر رورڈ کے پاس بیٹھیں گا چائے تو  
پوٹائی کی آمد کن کر سکیں گا یہی ان کی عین ان کی  
دکھ حنائی کا پتہ کھاسو ہر گھر کے لوگوں کی اور کے  
ہر گھر کے ان سے استقبال لے لیں۔  
”بس بھی بہت دیکھ لیا وہاں کہ..... انسان ہے  
کوئی خوشی تو نہیں ہے ویسے ہی رورڈ سے بھی کچھ  
کھیں کھا لیں۔ اور اس کا کھانا بھی منگوا کے کرا  
پائی کروا میں۔“ پائیں لگی ہے اسے تھو میں  
میں ہے تھو تو نہیں لگی ہے۔“  
”ارے یہ مزہ تو ایسے کر رہی ہے جیسے کسی  
کاؤں کی شکل ہی نہ دیکھی ہو نہیں پیدائوئی ہی بڑھی  
پائی اور بائیں سوس کی.....“ ایک عورت نے  
واژ بلند کر کے کہا اور باہر لگی۔ باقی لوگ بھی  
ہستہ ہستہ چلے گئے انہوں نے اٹھ کر کمرے سے  
دروازہ بند کر دیا۔  
”دیکھا آئی! اس قدر دل امیر! لوگ ہیں یہ  
ورڈ کا جتنا تو سب سے بڑا جاہل ہے مجھے صاف  
صاف لگا کر دیا کسی کی خوش فہمی میں مردوں۔  
ہرگز کڑھ جا کر ہے کوئی انہیں ہے۔ میں کسی کدہری  
دروازہ آئی! مجھے میں یہاں نہیں رہتا۔ میں کچھ  
لوگ آئے لے کے یہاں سے لے لیں۔  
رے مجھے آپ کدہریں سارے سے.....  
میں نے آپ کے ساتھ ہی جانا ہے۔“ زاری  
کدہری لئے کی دھڑکی کہ پوشہ لے بی بی باقاعدہ  
انسوؤں سے رو رہی۔  
”اف یہ خوف لڑکی! پہلی رات کو اس قسم  
کی باتیں کرتا ہے تمہیں تو کچھ بھی نہیں کرتا ہے گا

کیونکہ مارب کرتے ہی بہت محنت کرتا ہے اس لیے توڑا ہوا  
 اور نقصان دہ چیزیں میں لپٹا ہوا چھوڑ دینے کو مجھ دیکھو  
 کیسے حالات تمہاری مٹھی میں ہوں گے....." ماتھے پر  
 آٹھ مار کر انہوں نے اسے صوفے سے اٹھا کر بیڑ پر  
 بٹھایا اور ہنستا ہنستا اس کی حرکت کی کتنی تعجبانے لگیں  
 جسے وہ دھڑ سے کھینچ رہی تھی مگر چہرے پر تڑپ بک  
 آ جا رہے۔

"آئی امیں جب سوچتی ہوں کہ میں یہاں  
 ہوں کی کیرام لگنے لگنے ہے اور آپ نے اہمال کچھ  
 عرصہ تک یہاں رکنے کا کبہر ہی نہیں..... پھر چار دیو  
 کے کہ چند روز بعد ہماری کلاں پھر سے اشارت  
 ہو رہی ہیں....." ان کا ذرا موقوف لینا تھا کہ وہ تیزی  
 سے بول اٹکی۔

"گلاسز سے زندگی زیادہ اہم ہے ہے  
 قوف....." جب تک دن رات اس کا ساربان بھونکی  
 سے اپنا بچاؤ کیسے ہوتا ہے؟ جب کبھی اس کی کھڑکی  
 کو محبت پاز کی کیسے؟ پھر جب دیکھو کہ تم نے اس کی  
 زندگی اور دل میں وہ جگہ حاصل کر لی جب وہ  
 تمہارے پیچھے نہ رہے تو سب کچھ چھوڑ چھٹا کر  
 آرام سے میرے پاس آ جانا۔" دیکھنا کیسے کچے  
 حاکم سے بندھا چلا آئے۔

"ہوں....." اس نے سوچا، انداز میں کہا۔  
 "ٹھیک ہے آئی لیں....." ابھی بات اس  
 کے منہ میں ہی غمی کی گچا پی کھانے کی غصہ لگوا زبات  
 اڑسوں کے ہوا لیے اندر آ گئیں ان کو دیکھ کر وہ  
 دلوں چپ ہو گئیں۔

☆☆☆

دل کی خوشی نصیب میں ہو تو تاساعد سے  
 ساعد حالات میں بھی انسان کو وہ خوشی دیتی  
 ہے سہارا دیتی اور حوصلہ بھی اور اگر جہول میں درانی  
 نے ڈیرے بھائے ہوں تو پھر جتنے شایانے رخ  
 ہے ہوں۔ خوشی کا بھی عنصر بھی اس کی درانی کے  
 بیٹوں سے بندھا رکھوئے ہے تاکہ مارتا ہے۔

بھال مارب کا تھا کل کتنا سے لگتا تھا کہ

دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی خوش نصیب نہیں ہے کہ  
اس کو اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی بن سکتے  
عطا کر دی گئی تھی اور رات اس کے دو بے بعد  
اسے خود سے زیادہ پر نصیب ہوئی نہیں بلکہ رات کا  
کراس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے اس کی  
ت نہیں، یہ سچا کیس ہے اس کا نہیں جانتا تھا جس  
شرٹاک کی کوئی پر اس مقدس رشتے کو کھرا پاتا۔  
چاہا ہے بہت دھوم دھام ہے اس کی شادی کی  
تھی ساتھ کے کی گاڑی اس کے دل سے نہیں شریک  
تھے مگر سارادن وہ عجیب سی بایست میں گھرا اس  
آنے والی دنیا کی تلاش پر جا رہا تھا۔  
مہمانوں کے جانے کے بعد ہر کام کو سنبھالنے  
اور بیٹے کے لیے ملازمین سے تکررہ پر چمکی چا چاچی  
کے پاس بیٹھا رات قبل ان کو حسب معمول اپنے  
ہاتھوں سے دوای دینی اور وہ بڑے خوش گو اور موڈ  
میں آج کی تقریب کے بارے میں باتیں کرتے  
کرتے تھے سوئے سب جا چاہتے تھے اسے کہا تھا کہ  
اسے دہن کے پاس جانا پڑے۔  
وہ بیچے دل سے اسے کمرے میں آیا تھا مگر اس  
کی جرات کی انجانہ ذریعہ غیبی اس پر اپنا ایک نظر  
پڑتے ہی وہ اسے سکرانی ہوئی کی نظر میں آئے عود  
وہ دہن کے سکرانی ہوئی کی زبان سے جو الفاظ  
نکلے ان کو سن کر تو ساراب سے ہوش ہونے کے قریب  
ہو گیا۔  
”سارادن انتظار کرتی رہی میں تمہارا اور رحم باب  
آدمی رات کو گور ہے جو میری رات والی باتوں کو لانا  
کے جس سے رات کو گور ہے؟“ ساراب چپ چاپ اسے  
چہچہاتا گیا اس کی خوب صورت لگ رہی کی وہ ایسے  
سکرانہ کر رہے ہوئے۔  
یہ اس کا مکمل روپ تھا جو رات اس نے دیکھا  
تھا اور وہ کھانے کے زور۔ اور ہے ساخدا اس کے منہ سے  
ایک الفاظ نکلے جس کے کھلیتے کو سن ہی مگر رات والی  
تھی۔ جسے سن کر اس کے دل کی جگہ پر اس کے  
بھاری لباس کو کھینچ دیا اور آہستہ سے وہی کراس

کے پاس آئی۔

”زندگی میں باتوں کو ماننے اور منوانے کا سلسلہ لگایا رہتا ہے مگر یہ خوب صورت دن روز روز نہیں آتے۔ اس لیے رات والے سو رہے کے لیے سو رہی۔“ اتنا دلہا انداز تھا کہ سارے سب کے اندر کی ساری شکایتوں میں بھاپ بن کر ڈھکی بھر بھر انداز میں سحر کرتے اس نے اس کے خوب صورت ہاتھوں کو قلم لایا۔

☆☆☆

زندگی اتنی حسین بھی ہو سکتی ہے اس نے بھی سوچا یہ نہیں تھا چاہا چاہی کی تو جان بھرگی اس میں اسے خوش دیکھ کر وہ دونوں جی اٹھتے تھے کیا ان کی شادی ہوئے عیار ہواں دن تھا مگر وہ سالانہ قاجاب پرورش آتی تھی مگر سر سے ہر آہ کی بھی مگر باہر کا منظر دیکھ کر رنگ برنگ رہ گئی۔

آئے سامنے پر دی جا رہا نہیں پر میں سے ایک پر چاہی ہر اہتمام میں جب کہ ان کے بالکل پیچھے دوز آؤ کسی تہذیب ان کے بالوں میں تیل لگا رہی تھی مگر حیرت پرورش کے لیے سلاب کا انداز اور کام تھا۔ چاہا چاہی جا رہا تھا پر پھر نہ تھیں کچھ لگا کے بیٹھے تھے جب کہ ساراب ہاتھوں میں ان کے پاؤں لیے باقاعدہ جھانویں سے رکڑ رہا تھا اس کے انداز میں بے حد عقیدت اور محبت تھی چاہی کی نظر اپنا کس کی پر دی تھی۔

”اسے میں مدد سے..... وہیں اٹھ کر بیٹھے خیر سے منہ ہاتھ دھو لیر ایڑا چل تھینڈ ڈھک کے لیے کر رہا مگر منہ ناشتا تیار کر۔“

”جاؤ پرورش یہاں ہی آ جاؤ ہار شینڈ تیار ہا ناشتا یہاں ہی لے آئے گی۔“ ساراب نے اپنا کام چھوڑے بغیر اس سے کہا وہ اپنی ناگوار چھپائی آہستہ آہستہ قدموں سے چلتی آئی اور دوسری چارپائی پر سامنے ہی بیٹھ کر اب وہ ان کے پاؤں تو لیے سے خشک کر رہا تھا مگر اس نے چارپائی پر ایک صاف کپڑا بچھا کر اس پر چاچا جی کے احتیاط سے

ناخن تراشے۔۔۔۔۔

”میں دھواں سے کہا ہے کہ کم از کم اپنے چاچا کے کام کو سمجھ کر کرنے دیا کرے اب تو تمہاری دوستی آگ کی ہے۔ اس کے لڑا اٹھانے کے دن چاہی یہ تو.....“ چاہی نے نہیں اس کی خاموشی بھائی نہیں یا آٹھوں میں ناگوار دیکھی تھی کہ بول اٹھیں مگر اس کے جواب دینے سے پہلے ہی ساراب بول اٹھا۔

”ارے چاہی ا میرے بیٹے بھی ہو جائیں گے میرے بھتیجے بھی اپنے چاچا چاہی کے کام میں اپنے ہاتھوں سے کام لیں گے۔ چائے پلاؤں رہا چاہی اپنے ہاتھوں کی مڑے دار..... ہاتھ دھو کر اب وہ چاچا کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

”اس بے وقوف کو سارے سب اس سے لگا لے کے بہت محنت کرنی پڑے گی۔“ اوپر سے سحر کرتے ہوئے اس نے دل میں تپ کر سوچا اپنی وہ اپنی رہنیں پر چل رہی تھی۔ دن دیر تک سولی رات سو کر آتی تو تازہ دانتا شکر دیا جاتا اس کے بعد وہ ہوتی یا اس کا تیل فون۔ دیر سے ناشتا کرنے کی وجہ سے وہ وہ پتہ کو کھانا نہیں کھاتی تھی۔

دوپہر کے کھانے میں شامل ہونے کے لیے وہ زمینوں سے داہنی آ تھا کہ چاہا چاہی اس کے بغیر کھانا کھاتے ہی نہ تھے۔ کھانے کے بعد وہ پھر دوپہر کو آرام کیا کرتا تھا مگر اب پرورش کے ساتھ پہنچ گیا کرتا تھا اور یہ بات تھی کہ ان دو ڈھائی گھنٹوں میں وہ ہی زیادہ تر بولتی اپنی پسند ناپسند اپنی اپنی فریڈز سے۔ اس کی گفتگو ایسی تھی کہ بولتی وہ کیا چاہتا ہے اس کی کیا پسند ناپسند ہے اس نے بھی اسے بولنے کا موقع ہی دیا۔

عصر کی نماز کے لیے جب وہ نکل رہا تھا پرورش کو اپنی وقت بھوک لگی وہ اپنی پسند کا کچھ بھوکا کھا گیا۔ اسے تو بھی پتہ نہیں تھا کہ رات کو کون کسے میں آئے اسے کل وہ چاہا چاہی دونوں کے ہی دریا۔ چاہا چاہی کو اپنے ہاتھوں سے دو اینٹیاں کھاتا تھا اور علی علی انجر کے لیے دونوں کو پانی گرم

کر کے دھو کر پھر نماز کے لیے نکلتا تھا۔

اس دن اسے وہیں بیٹھے بیٹھے احساس ہوا کہ اسے ساراب کی پوری روشنی جا تازہ لے کر اسے کچھ ایسا کرنا ہوگا کہ اس کی اپنے گھر والوں سے وابستگی کو کم کر کے زیادہ سے زیادہ خود سے انجیل کرے۔ ایسے ارادوں سو پر مگر وہاں پر نام گزار کر ڈوہ اس سے دور دور ہو رہی تھی چاہی نے اس نے پر سوج نظروں سے چاچا جی کے تیل لگاتے ساراب کو دیکھا جو آج اپنے سارے خاندان کو ایک ساتھ بیٹھا دیکھ کر بے حد خوش تھا خصوصاً پرورش کو سب کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر یہ جانے بغیر کہ وہ اس کے لیے کیا پلان کر رہی تھی۔

☆☆☆

”کیا کہہ رہے ہو فاضل ایسے کیسے نکاح ہو گیا“ نہیں بتانا نہ ہم سے پوچھا۔ میں اور تمہارے بابا تو پہلے سے راضی تھے بچا مگر ہر کام ایک طریقہ طور وقت ہوتا ہے۔ اپنے تو نہیں تو ہاں تو کرنا ایک کال کر کے ہاں پاپ کو بتادیا جائے کہ ہاں بھی کچھ پر ابھر تھے جن کی وجہ سے نکاح کرنا پڑ گیا۔“ وہ اچھے خاصے میں بول رہی تھیں جبکہ فاضل نے خجائے ان سے دوسری طرف کیا کہا تھا کہ انہوں نے موبائل سائیل پر رکھا اور لیے لیے سائیل لینے شروع کر دیے۔

”ایسا تو ہوتا ہی تھا بھئی صاحب! جب زندگی گزارنے کے کچھ اصول بچوں کو ایسے سکھائے جاتے ہیں کہ صرف اپنا مطلب دیکھو یا سب جانتے بھاڑ میں تو پھر وہ ان ہی اصولوں کو اپنی پوری زندگی پر ہر فیصلے پر لا کر کرتے ہیں تو پھر ان کو کوئی دھنسل مندگی نہیں ہے کیونکہ وہ آپ کا چاہا یا حق ہی یاد رکھ کر زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔“ فاضل نے بولتے ہوئے سسر ملکہ کو احساس ہی نہ ہوا تھا کہ جب وہ فون پر بات کر رہی تھیں تو ملک صاحب وہیں پر ایک کتاب پڑھ رہے تھے۔

”آپ تو ہر معاملے میں مجھے ہی دوش دیں گے“

اینا فائدہ تو ہر انسان ہی سوچتا ہے۔ اس نے سوچ لیا تو کون سا ایسا کام کیا جس میں تو یہ کی رہی کسی کام سے پہلے نہیں بتادیا جاسکے تھا۔“ بچے کا دفاع کر کے کرتے آخ میں ان کا کچھ پت ہو گیا کہ پچھل میں فاضل پر ادائیگی بہن پر تھا خواہ شاہد آ رہا تھا۔

☆☆☆

”اب اٹھ کر دو نماز کی پڑھ لو پر اب“ مندی آٹھوں نے آٹھوں کھول کر وہ شاید لائن آف کرنے کا کہنے والی تھی جب ساراب نے زنی سے کہا وہ نماز پڑھنے کے لیے نکلے والا ہی تھا۔

”مجھے تو اتنی صبح جاگنے کی عادت ہے نہ ہی میری عمر ہے نماز پڑھنے کی۔ اس لیے مجھے اپنے ان دنوں پچھڑے دور ہی رکھا کر۔“ فاضل نے کہتے اس نے عجیب سے پر کیا۔

”نماز کا تعلق جاگنے یا سحر سے ہرگز نہیں ہے یہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔“ فاضل نے اتنی اہم بات مجھے سمجھیں بار بار بتائی پڑ رہی ہے۔“ اپنے مخصوص انداز میں کہتا وہ سر سے باہر چلا گیا۔ پرٹی نے فاضل سے عجیب سے ہرٹا یا اور دو واڑے کو دے دیا۔ سونے کی بہت کو کوشش کے باوجود پختہ نہ ہو سکی، ساتھ ساتھ کالوں میں پھر لگی وہ باہر آئی تھی کہ چپان میں پیش کل والا ہی منتظر تھا۔ ہاں ساراب چارپائی کی اوادائن کستا نظر آ رہا تھا۔

”مولوی کے سارے کام ہی غریبوں والے ہیں کبھی کہہ سکتا ہے کہ یہ اتنا زیادہ مہنی دار اور پڑھا لکھا شخص ہے۔“ مندی نے منہ میں پڑایا وہ اس کے پاس آئی۔

”میرے خیال میں اس جسم کے کام ملازمین کرتے ہیں اب اس میں وہیں کوئی توی نہیں دیتا کہ چارپائی کی اوادائن بھی خود ہی کسی جانتے۔“ ایک پاؤں چارپائی پر رکھے دونوں ہاتھوں سے دیکھتی ساراب اس کی بی آواز اور چہرہ دیکھ کر ہنس پڑا۔

”مندی بھی کسکھائی آ خر کو منتقل میں تم نے ہی مگر کی باگ۔“ دوسرے سناہن ہے۔“

”صاف کرو مجھے ایسی باگ دوڑ سے۔۔۔۔۔“  
 ٹھیندا بیٹے بنادو مجھے اچھی سی۔“ وہیں پاس پڑی  
 کرسی کچ کر وہ اس پر بیٹھی اور سامنے سے کرنٹی  
 ٹھیند کر کہا جو جائے کاپ کے کر شاید جا چاہی کے  
 پاس جارہی تھی جو ٹھوڑی دوری ہی جا چکی کے ساتھ  
 خاندان کی کسی شادی پر بحث چھیڑے بیٹھے تھے۔

”ٹھیند ملازم نہیں ہے پردہ عاری جا چکی کی  
 محبت میں یہاں آئے اور اس کے کتنے ہی کام  
 پٹنا پاتی ہے۔ جا چکی کی بیٹیوں کی طرح یہ وہ دور  
 میں تو ملازموں سے بھی اس طرح سے بات کرنے  
 کا قائل نہیں ہوں۔“

”ایسے ہی میں نہیں مولوی نہیں کتنی جا بات  
 اور پر کام میں دوسرے پر اپنے نظریات ٹھوس دیتے  
 ہوا لگے کو پسند آئی یا نہیں۔ جائے تو ہاں ہے  
 تمہاری ٹھیند صاحب سے کوئی قرضہ عورتی مانگ لیا  
 ہے۔“ وہ ناک چڑھا کر بولی ساراب نے جا پائی پر  
 دونوں ہاتھوں کے ذریعے اپنا پردہ اون ڈالا اور اس  
 کی سنبھولی چپک کرنے کے بعد اس کے بالکل  
 سامنے بیٹھ گیا۔

”دیکھو پردہ الفاظ بھی برے یا اچھے نہیں  
 ہوتے۔ اس کا استعمال اور انسان کا بچپن میں کیا یا  
 شریں پر روتا ہے۔ جا بہو تو الفاظ سے کسی کو دو جہاں کی  
 خوشی بخشتا جو ہوا تو اچھی الفاظ سے دلوں کو توڑ دو۔  
 میرے نزدیک ہر دوسرے کی عزت نفس ہے عداوت  
 ہے چاہے وہ میری زمینوں پر کام کرنے والا حزارہ  
 کیوں نہ ہو۔۔۔۔۔ یہ تاؤ کھاردار ملت یا یا نہیں۔ کلاسز

کب سے اشارت ہیں؟ میں چاہتا ہوں جب سے تعلیم  
 مکمل کر کے آؤ میں چھین یہاں بچیوں کی تعلیم کے  
 لیے اسکول بنوا سکوں۔ آج کی دنیا جب ایک جہتی  
 پر صرف ایک جہتی کی تہا ہے ہمارے علاقے جیسے ہی  
 علاقے ہیں جہاں بچیوں کو تعلیم کے حصول کے لیے  
 کوسوں دور کا سفر کرنا پڑتا۔۔۔۔۔“ وہ اب اسے اپنے

خیالات اور عزائم بتا رہا تھا جن کو سن کر پرشہ نے  
 ایک طویل سانس لی۔  
 ”ان لوگوں میں تین بھلیں آئی۔۔۔۔۔ یہ آپ نے  
 مجھے کہاں پھنسا دیا۔۔۔۔۔“ کوفت سے سوچے اس نے  
 ٹھیند کے ہاتھ سے چائے لی۔  
 ”سنو ساراب اتنی مومن پر نہیں۔“ اچانک  
 چو خیال اسے آیا ہے زبان تک لانے میں پر نہ کی  
 گئی وہ کچھ دیر سوچا کہ پھر بولا۔  
 ”تمہاری خوشی کے لیے ضرور چٹا اگر جو چاہا  
 کی طبیعت بہتر ہوئی۔“ اس کے اس طرح کہنے پر  
 چائے کا گھونٹ پری کے قلع میں ہی انک گیا اسے  
 تنگ میں نہیں آیا کہ اس کی آہٹیں اچھوٹنے کے  
 باعث مجرا کی بات اس کی بات کے جواب میں۔

”میں نے اپنی مومن کی بات ہے ساراب نہ کسی  
 فیملی زپ کی۔۔۔۔۔ تو وہ دون ہوتے ہیں جب یہاں  
 بیوی کی انڈر اسٹینڈنگ پیرا (ہم آٹمی پیدا) ہوئی  
 ہے۔“ اس نے کچھ دیر کے توقف کے بعد کہا جس کو  
 سن کر ساراب سہا دیا تھا۔  
 ”انڈر اسٹینڈنگ کے لیے سب سے زیادہ نکاح  
 ہی جاوٹی اثر رکھتا ہے یہاں بیوی کے لیے ٹیکہ ہے  
 آسائوں پر ملے کیا کیا فیصلہ ہوتے اس کے بعد  
 یہاں بیوی کا ایک دوسرے کو محبت اور عزت دینا نہیں  
 اور دونوں کو سنا ہے کہ کرنڈی کی شروع کی جائے  
 تو یہ ممکن نہیں کہ اس میں کسی بھی چیز کا کردار  
 ہو جائے۔ بانی میری زندگی کا اصول ہے کہ عزت ہو  
 باجبت ہو کسی بھی رشتے کو دے تو سوویت واکیں  
 جی ملی لی۔“ مجھے یاد ہے ایک بار مجھے چاہا نہ کہا  
 تھا۔۔۔۔۔ وہ دوسری غیر میری گفتگو سمجھتے ہوئی رہا تھا

جبکہ پردہ نہ چاہتے کیوں نہ چاہتے ہوئے اسے سن  
 رہی تھی۔  
 ”ابھوں نے کہا تھا انسان کا اس دنیا میں کیے  
 جانے والے ہر کام پر عمل کا بدلہ موجود ہے خصوصاً  
 اولاد کو۔۔۔۔۔ آج اب میں باپ کا ساتھ اچھا کر ڈنکل

تھیں اپنی اولاد کے صنایع ہونے کے لیے ہاتھ باندھیں  
 رگڑنا پڑے گا۔ انکس اللہ آپ کے حق میں خودی بہتر  
 کر دے گا۔ میں نے اس بات کو اپنے لیے  
 باندھ لیا تھا میں اب اگر اپنے ہاں باپ کی خدمت  
 کرتا ہوں انکس ہر پل اپنی زندگی میں ان کی اہیت کا  
 یقین دلاتا ہوں تو میں ان پر کوئی احسان نہیں کر رہا  
 میں اپنا مستقبل محفوظ کر رہا ہوں۔  
 فی الحال میں باپ پر چلتا ہے تو چلو جھیں اپنی  
 زمینوں اور باغات کا ہی چکر لگوا رہا ہوں۔“ وہ اٹھ کر  
 ہاتھ جھانے ہوئے بولا۔

”ایک تو یہ بات بھی اتنی پیار سے اور آرام  
 سے کرتا ہے کہ بندہ عصر بھی نہیں کر سکتا۔“ جزی  
 ہوتے اس نے سوچا اور کھڑی ہوئی۔  
 ”میں تیار ہو کر آئی ہوں۔“ آہستہ سے کہہ  
 کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔  
 ☆☆☆☆

”انتساب کچھ ہو گیا اور آپ نے مجھے بتایا ہی  
 نہیں۔۔۔۔۔ اللہ اب کیا ہوگا۔“ ملک صاحب نے ان  
 کے بے حد اصرار پر ان کو بتایا کہ ان کا بزنس بائزر  
 اور بے حد نرمی دوست ملاہوں یا نہیں کر کے ملک  
 سے فرار ہو گیا تھا۔ کتنی کے ذہنی آرزو کی اور انکی  
 واجب الاما کی ہر ٹیک میں پھولی کوڑی ہوئی نہ  
 چھوڑی تھی اس نے۔۔۔۔۔ جرات کا کاؤٹن تھا کتنی کا  
 دلوں کے فنی فنی پرسنڈ شیزز رتے۔ ملک  
 صاحب کی غیر موجودگی میں وہ اور مدد ملی صاحب کی  
 عدم موجودگی میں ملک صاحب آرام سے سب  
 سنبھال لیا کرتے تھے۔ کئی ٹیکریں در درجن کے گھر  
 کا چولہا اس پہلی کی ٹوکری سے چلن تھا اس ماہ نام کی  
 تنخواہ دینے کے لیے بھی کچھ نہیں تھا۔

”مجھے دو ماہ پہلے اس کے انداز کچھ کھلے تھے“  
 عجیب سا ملک تھا اس کا انداز پھر میں نے کتنی کے  
 اکاؤنٹ سے ہماری رقم نگارنے پر استفسار کیا تو اس  
 نے مجھے مطمئن کر دیا تھا پھر میں بھی مصروف ہو گیا

فارض کے جانے میں ساراب کی شادی کے موقع  
 پر۔۔۔۔۔ پھر پچیس سال کا ساتھ تھا ہمارا کتنی کے کئی  
 طرح کے کراسس میں ہم ساتھ ہے۔ اچھے دنوں  
 میں تو یہ ساتھ اور مضبوط ہوا کیا۔ زیو سے ساتھ سڑکا  
 آغا کیا تھا اب آگ اس نے اسکی جوت لگائی ہے  
 کر نہ تو کبھی جاری ہے نہ سنبھالی جاری ہے مجھے تو  
 یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ وہ تو ٹیک اسٹینٹ منشن  
 نگار میں تھا تو پتا چلا کہ اس سے اوپر کر چکا ہے۔“

وہ آہستہ آہستہ بول رہے تھے جب کہ سڑ  
 ملک ہاتھ پر ٹیکٹیں لے کر ہی میں ان کو اندازہ  
 نہیں تھا کہ مسئلہ تناظر اور پیچھے تھا وہ جب سے ان  
 کو اچھا ہوا دیکھ رہی تھی کبھی نہیں کہ بزنس کی  
 چوٹی مونی تھا تو اب وہی اور جب فارض سے ہد  
 کرنے کا کہا تو وہ ہچکچا گیا۔

”میں۔۔۔۔۔ میں نے کوئی سیلپ کر سکتا ہوں  
 ماما۔۔۔۔۔ میں یہاں خود پنڈتو ماؤ ڈھ ہوں۔ بے حد حد کا  
 دینے والے اخلاقی چاتم کے بعد میں اور سہنا جاہ  
 کہتے ہیں پھر جا کے کتنی ایک اچھی زندگی کا تصور  
 میں سکتا ہے اور اکل کا اپنا ہیٹال بھی نہیں ہے یہاں  
 آئی نے غلط بیانی کی کسی سواب اپنی جاہ اور فوچر  
 کے لیے خیر خودی بکھو کرنا کچھ پھر آپ کے دوزخ روز  
 کا کرنے کی ذیباڑ سے بھگ ہوں۔ یہ پاکستان  
 نہیں ہے جہاں سب لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر  
 فضول میں ہنسی کھنکے کرے نظر آئے ہیں جہاں ایسا  
 سوچنا بھی ممکن نہیں ہے۔ میں تو خوشیچ رہا تھا کہ سہا  
 بابا نے مجھے یہاں کچ کر اپنی جان چھڑائی۔ مجھنی  
 الحال آپ کی تاحل صورت (معاشی سہارے) کی  
 احذر دوسرے ہے۔

بابا نے کھانڈ والی زمینیں بیچیں یا کچھ بھی  
 کر میں مجھے ہر ماہ روپے چائیس کچھ مرصک جب  
 تک میں خود اچھلی نہیں ہو جاتا۔۔۔۔۔ سڑک ملنے تو  
 اسے باپ کی مشکل تانے کے لیے نوں کیا تھا اس  
 کے اپنے پاس انکس سنانے کے لیے مجبور ہیں کی کمی



داستان بھی اور جب انہوں نے اسے یاد دلایا کہ ملک صاحب کی گاڑی میں دیشیں تو وہ جب ہی بیچ تھے تھے جب وہ سب کچھ سمیٹ کر شہر پہنچ گئے تھے اور پرنس اسٹارٹ کیا تھا۔

”تو مولوی سے کہیں ناں..... آخر کو بیٹا ہے وہ بھی آپ کا.....“ مجھے چند دنوں تک رگ چاہیے ماما.....“ تم کہہ کر اس نے فوراً ہی کال کاٹ دی کی سسر ملک بس سوہاگل کو دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

اس کی خواہش جان کر وہ اسے اس دن زمینوں پر لے گیا تھا اور اس سے اگلے چھ ماہ میں اس نے فارم ہاؤس کا پروگرام بنالیا تھا۔ چاہا جاتی ہے کہ علاوہ زمین اور ایک اور ملازمہ بھی ہر ماہ کی جب کہ شہر میں بھی وہ ملک صاحب اور سسر ملک کو فون کر کے آنے کی دعوت دے چکا تھا۔ پرورش اگرچہ دل میں ایسے لوگوں کے ساتھ جانے میں کوفت محسوس کر رہی تھی۔ شہر والوں کے آنے پر چاہا جاتی اور سارے خوشی سے مل اٹھے تھے کیونکہ وہ لوگ تو سالوں گزرنے کے بعد بھی بہت کم آتے تھے۔ شخص آدھے گھنٹے میں وہ لوگ فارم ہاؤس پر موجود تھے۔

دیباں پر موجود ملازمین کو شاید پہلے سے ہی دیباہات سمجھ میں آس گئے وہاں پہنچے پر مختلف چٹانوں کی خوشبوؤں نے ان کا استقبال کیا تھا۔ بہت خوب صورت فارم ہاؤس تھا وہ ایک چمک چمک پاونٹ کے تمام نقاشوں پر پورا اترتا تھا پرورش کی دیکھنے کے لیے وہاں بہت کچھ تھا۔ سوئنگ پول، مگھڑوں کا شاندار اسٹبل اور سب سے بڑھ کر پاکستان سے ہرگز نہ سے منگوائے گئے گالوں کا ایک خوب صورت سائیکل جس کو دیکھ کر وہ خوشی سے پاگل ہو گئی تھی۔

جب سارے ملازمین کو کوئی حواہت دینے گیا تو سسر ملک غیر محسوس طریقے سے اٹھ کر اس کے پیچھے آ گئیں۔ اتنی خاموشی سے کہ ملک صاحب جوابی بھائی اور باجیس سے ہاتھ میں مفروضہ تھے کوئی پتا نہ

چل سکا شاید وہ اتنے دنوں بعد مل رہے تھے ان سے کہ اس وقت وہ اپنی ذہن کو اس خوف ناک پریشانی سے آزاد کر سکتے رہے تھے جس نے کچھ دنوں سے ان کے دماغ کو اس طرح جکڑ رکھا تھا کہ ایسے لگتا تھا جیسا کہ ان کے دماغ پر پھٹ جائے گا۔

”اماں! آپ دونوں اتنے دنوں سے یہ پریشانی برداشت کرتے رہے اور مجھے بتایا نہیں۔“ اولاد انسان کی ایسے ہی مفلحوں کے لیے ماکہ بنے بابا اور آپ ایسی حالت میں اور فادرش وہاں انگ پریشان..... میرے خدا میں اتنا غافل کیسے ہو گیا تھا؟“ سسر ملک کی زبانی حالات کی سننے کی سر کردہ اپنے بالوں کو ہاتھوں سے فوج کر گیا۔

”ارے ارے.....“ آخر تم مت اڑتے پریشان ہو اور اپنے پیچھے کے سامنے آئیے ذکر کرتے ہیں کہیں سے اور پتہ چلا ہو۔ انہوں نے تم سے ذکر کرنے سے مجھے کسی سے منع کیا تھا۔“ اسے اس قدر پریشانی میں دیکھ کر وہ خود اس بات پر سوچیں اور جلدی سے ہو گئیں۔

”تم پر فکر ہیں اماں اور ہمیشہ یاد رکھیے کہ آپ کا کوئی مسئلہ آپ کا نہیں میرا مسئلہ ہے اور اسے حل کرنا آپ میری ذمہ داری ہے اور ہاں۔“ فادرش کے لیے وہ تم میں آپ کو آج کی وقت دے دوں گا آپ سے فوراً سمجھاؤں اور جلدی مجھے اس کا کوئی نمبر اور آپ کی نصیحتیں سنیج دیجیے گا اور اس کی طرف سے یہ لگہ ہو جائے گا۔“ اس کے اس طرح کہنے پر سسر ملک کو نگوں بوجھ اسے سر سے ہٹا محسوس ہوا۔

انہوں نے آگے بڑھ کر اس کی روشن پیشانی پر چوم کر اسے خوش ہونے کی دعا کی مگر ساتھ ساتھ وہ اپنی اس سوچ کو بھی جاسر پہناتے کے منصوبے پر سوچنے سے باز نہ آئیں کہ کس بہت ہو گیا..... اب ہی تو جوان بیٹے کی کمانے سے فائدہ اٹھانے کا وقت

تھا سوسے جلد اس شہر آ جا جائے۔

”کچھ میرے کہنے پر عمل بھی کیا یا بچوں کی طرح ان سے پہلا دور پر ہی خوش ہو گئی ہو۔ سسر ملک سارے کے رد عمل سے مطمئن ہو کر پرورش کے پاس آئی تھیں جو پھولوں بھری بیج کے پاس لیے لیے کچھ جھومے لینے میں مگن تھی۔ انہیں آتا دیکھ کر اس نے زمین پر پاؤں لگا کر جھولنا لگا کر دیا تھا۔

”مجھے تو خود آپ کے بیٹے کی بھینٹیں آتی آتی تھیں کسی کی روح بھی ہے کہ اندر.....“ چاہا چاہی اس کے والدین کی جگہ..... مجھ سے تو چلو محبت کرتا ہے کہ بیوی ہوں اس کی مگر سارے جہاں کا درد اس کے دل میں آن سٹاپا ہے۔ کیا جانور کیا ملازمین..... چیلر پولوں سے بھی انکی وہاں محبت کے میں حیران رہ جاتا ہوں! اتنی محبت کیک انسان کے اندر کیسے آ سکتی ہے۔ اتنی کوشش کی ہوں کہ کوئی ایک بات ہو جس کا بھانہ بنا کر جھگڑا کر کے خفا ہو جاؤں مگر وہ منوع و متعذب ناں..... بہت بے پروا منہ سے لکھے سے پہلے ہی پوری کرتا ہے اور مجھے نہیں لگا کہ وہ اس زمین اور اس کے لوگوں کو میرے لیے چھوڑے گا کچھ بھی نہیں اور اب تو مجھے لگتا ہے کہ اس کا کوپنا عادی بناتے بناتے میں خود اس کی عادی ہونی چاہی ہوں۔“ عجیب سے رنگوں سے چہرہ تارنے وہ اپنی اپنی کیفیت کو بیان کر رہی تھی جو خود اس کی سمجھ سے باہر تھی۔

”دوبی گدا اپنی وقت سے گم کرلو ہے پر چوٹ لگانے کا.....“ انہوں نے جتنی آکھوں سے اس کے جھگڑ کرے چہرے کو دیکھ کر سوچا۔

”خبردار..... خبردار جو خود کو اس کا یا اس جگہ کا عادی بنانے کی کوشش کی تو“ عجب حیران کن ہے محبت اور بیڑی اپنے اندر جکڑ لگنے سے سسر ملک کیسے ہے انسان کو..... اس کی اسیری میں آگئی تو اپنے خواب بھی پورے نہیں پورا کی۔ کس چند ایک دن مگر میرے اسے پوری طرح بھی میں کو پر چھینے ہی میں ہوں چلنا آتا میرے پاس۔ میں دیکھتی ہوں کہ کیسے نہیں

آئے گا وہ ہمارے پیچھے۔

پرورش انکھیں کھولے کس ان کا رنگ بدلتا چہرہ اور لہجہ دیکھتی چلی گئی اور محبت جس نے ابھی ڈرتے ڈرتے ہی ”لو کھڑا کر ہی سکی اس کا دامن تھا تھا“ خوف زدہ ہو کر ایک باہر پھرا پلہ چھڑائی غمازی دور چاکڑی ہوئی۔

☆☆☆

”..... یہ کیا ہے سارے؟“ جنہیں کس نے بتایا اور..... اور اٹھاؤ بیٹا..... سب..... جب میں نے بیہشت والد اپنے کوئی قرض تمہارے حوالے سے پورے نہیں کیے تو میرا کھیل خیال کے میں تم پر کوئی حق نہیں رکھتا ہوں۔“ وہ انکھیں اپنا کھانہ کھانے کے بھانے باہر لے آیا تھا جو ابھی کھیلے دنوں ہی یہاں بتایا گیا تھا جہاں اس نے میں بھاری رقم کے پیچھے سامنے لگا کر کھا کر اٹھا کر گروہ سے بیٹا سمجھے ہیں کہ ایک لفظ کہے یہ قول کر کے فیکٹری ورکر کی خواہش اور واجب الادا رقم جو آرڈر کے سلسلے میں بھی ادا کریں۔ باقی کے مسائل بعد میں دیکھیں گے۔ ملک صاحب جو اس کی بھی بات کا تصور نہیں کر رہے تھے ان کی انکھیں سر سے سائڈ میں ہو گئی تھیں۔ انہوں نے آہستہ سے وہ تینوں چیک اس کی جانب دوبارہ کھسکا کر بھانے ہوئے کچھ بھی کیا تھا۔

”اس کا مطلب میں بالکل ٹھیک سمجھتا ہوں کہ آپ نے جب مجھے چاہا جاگورے دا تھا تو مجھے اپنی زندگی سے تو کٹا ہی تھا“ نے دل اور سر سے ہی باہر کر دیا تھا اور والدین کریں یا نہ کریں..... اولاد کا تو فرض ہے کہ وہ والدین کی فرماں بردار ہو ہر صورت میں اور بڑھاپے میں تو والدین کی خدمت کا اصل اجر ہے۔ میں ویسے ہی شرمندہ ہوتا ہوں کہ میں آپ دونوں کی دینے خدمت اطاعت اور جبر گیری نہیں کرنا ہوں یا نہیں کرنی چاہیے۔ بیہشت ایک بیٹا کہ آپ دونوں یہاں آنے کو تیار نہیں! آپ کا اپنا ایک سوئٹ سیٹ ہے اور میں تانیا کی کو اس عمر میں چھوڑ نہیں سکتا اگر ہی طور پر اگر خود ہی سی پورٹ

کر رہا ہوں کہ ہو سکتا ہے گل والدین کے سلسلے میں  
 سبکی میرے لیے زاد ماہ بن جائے اور اللہ راضی  
 ہو جائے تو آپ اس سے بھی انکاری ہیں اس سے  
 بڑھ کر اللہ کی ناراضگی اور کیا ہوگی..... اس کی سہری  
 آنکھیں جھمکنے لگیں۔ ملک صاحب کچھ بولنے  
 کے قابل نہ رہے تھے انہوں نے سچ کر اسے سنے  
 سے گلاب۔

”تم بھی اولاد تو انعام سے دنیا میں والدین  
 کے لیے خدا اس سلسلے سے پیچھے بھی میرے اللہ نے  
 مجھے تمہاری طرف سے خُدا کا رکھا“ اللہ تعالیٰ میں دُعا  
 چاہوں کی کامیابیاں اور نصرتیں عطا فرمائے  
 آمین۔“

”اس تو پھر یہ چپک اٹھا کہ جب میں ڈالے  
 اور مجھے تفصیل سے بتا کر کیسے ہوا ہے سب؟“ کچھ  
 لمبے کی اس جذباتی کیفیت کے بعد وہ خود اس  
 الگ ہوا ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں صاف کر کے  
 اس نے چپک اٹھا کر ان کے ہاتھ پر رکھے اور  
 سکرارتے ہوئے گویا ہوا۔

☆☆☆☆

تو دوسری پہلی ہی کمرے میں آیا تھا جب  
 اس نے پردہ کو سنبھال کر پاپ پر مصروف  
 دیکھا عواذہ قرآن پاک کی تلاوت جبری نماز کے  
 بعد مسجد میں کیا کرتا تھا نماز آج تاخیر سے آتے تھے  
 کے باعث نماز پڑھ کر آگیا تھا کہ دینیوں پر  
 پانی کے سنبھالے پر فوری بلا دے پڑ جانا پڑا تھا۔  
 جیسے معمولی پردہ سے نماز کو چھوڑا وہ چائیں  
 اتنی مصروف بھی یا جواب ہی نہیں آیا تھا۔ اس کمرے پر  
 دیکھی سے نظریں جمائے اس میں ہر طرف منہمک  
 تھی تاسف سے سر ملا تا وہ مڑا اور قرآن پاک کو رطل  
 سمیت لاکر بیڈ پر رکھا پھر ایک ادا سے مخاطب کر کے  
 آواز مڑ کر نہ گویا۔

وہ دوبارہ بارڈر سنبھال کر نہ پھینکا کہ کچھ کہنے  
 والی تھی قرآن پاک کو دیکھ کر کچھ چاہ پاپ  
 بند کر دیا وہ سہاگل اٹھا یا اور چنڈری لگا کر بیٹھا وہی

سلسلہ دوبارہ جوڑ لیا تھا۔ لمحوں میں ہی اس کی خوب  
 صورت آواز میں کی جاتی تلاوت کمرے میں کوئی رہی  
 تھی۔ سو ہی اختتام پزیر ہو چکی تھی پردہ سے دراز  
 میں سے اپنا نکلتا بیٹے کے سامان نکلا اور بیڈ کراؤن  
 سے لگا کر کچھ پھینک دینے لگا تھا۔ اسے کیسے اور کب وہ  
 پہلی آواز اس کی ساتوں میں اتر کر اس کے ہاتھ  
 ساکن کر گئی۔ شائوں پر ڈھلکا دوپٹا اٹھا کر سر پر رکھا  
 اور اسے دیکھنے میں اور کردار سے بے خبر ترجمہ کے  
 ساتھ تلاوت کر رہا تھا۔

”سنو ساراب! تمہاری آواز تو بہت پیاری ہے“  
 اگر تم سنگت کی دنیا میں آ جاؤ تو قیامت چاؤ۔ وہ  
 جب ادب سے قرآن پاک خلاف میں لپیٹ رہا تھا  
 اس کی سر و پا بات پر طویل سانس لے کر رہ گیا۔  
 ”اور تم بھی تو کہہ سکتی ہو کہ اگر میں نصرت  
 پڑھنے کی کوٹھن کروں تو کیا صاحب ہو سکتا ہوں مگر میں  
 خود کو اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ اس پاک ذات کی  
 تعریف کے قابل ہوں۔“ قرآن پاک جا کر اپنی  
 مخصوص جگہ پر رکھا اور واپس آ کر اس کے برابر بیٹھ  
 گیا۔

”ہاں وہ ایک بات ہے لیکن ایک بات ہے کہ  
 تمہاری آواز بہت خوب صورت ہے دل پر اتر کر نہ  
 والی۔“  
 ”نہیں یہ اس کلام کا اثر تھا۔“ فوری جواب دیا  
 گیا۔

”تم بہت خوب صورت سو ساراب! مگر  
 تمہیں اس کا احساس ہی نہیں ہے پتا ہے میں تمہیں  
 تصور میں جب دواڑھی کے بغیر اور اس عجیب سے طبع  
 سے ہٹ کر دیکھتی ہوں تو قسم سے میرا دل خوش ہو جاتا  
 ہے۔ میں نے تو اس تک تمہیں اپنی دوستی سے بھی  
 ای اچھ سے اخذہ دیوں (حضور) نہیں کروا دیا ہے  
 ہی کراؤں گی جب تم میرا گناہوں کے اور اپنی پرستش  
 میں تبدیل لاؤ گے۔ تمہاری عمر ہے ایسے بزرگوں والی  
 فضل بنانے کی اور ایسے بڑے پیتھ کی۔“  
 ”استغفر اللہ۔۔۔ اور! میں صرف اور صرف

تمہاری دیانت کے لیے دعا کرتا ہوں۔ کیونکہ چاہتا  
 ہوں کہ تمہیں یہ کم ہی نہیں دیا گیا کہ کیا سچ ہے کیا  
 غلط۔ کچھ نکالیں لاؤ دی میں تمہیں اور کھا تھا ایک  
 نظر ان کو پڑھ لیتا جو دیکھی کی دیکھی شاعر میں بندھی  
 نظر ان کی ہیں مجھے آج پردہ نہ لگے۔“ اس  
 کے کچھ میں سے حیدر کی نظر اس کی سر پر دشا بھی  
 بھی اسے لاپرواہی سے بولی گی۔

”وہ۔۔۔ کب۔۔۔؟“ میں نے خوش ہو کر کھولا تھا  
 ان بکس کو ساراب! کہ چلو کچھ بدعت ختم کرنے کا  
 سامان تو ہوا مگر پتا نہیں کیا دوزخ کے اجواں لکھے  
 تھے۔ خوف ناک سزا میں۔۔۔ کبھی یک کا پہلا سچ  
 پڑھنے کی امت ہوئی بس۔۔۔ ویسے یہ جیسے خیالات  
 کے لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کی رحمت کا کبھی بھی نہیں  
 سمجھتے کہ وہ کتنا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ اس  
 کی دوزخ میں نہ سنا کر ہی ان کو اللہ کو کھاتے اور  
 دین سے بدلتے کر دیتے ہوں۔“ اس کے خیالات سن کر  
 اس کا اپنا سر پیٹ لینے کو کئی چاہا۔

”ناگل ہے مہربان۔۔۔ ہماری سوچ ہے بڑھ  
 کر گمان سے زیادہ۔۔۔ مگر ان لوگوں کے لیے جو اس  
 کی مہربانی اور رحمت کو پانے کے لیے اسی کے  
 احکامات کی روشنی میں زندگی گزار دیتے ہیں۔ ہم جیسے  
 خیالات والے لوگ بہت برے لگتے ہیں تمہیں مگر  
 بھی سوچا کہ ہم صرف یہی کہتے ہیں کہ دنیا میں آنے  
 کے مقصد پر غور کیا کیا ہمیں صرف اس لیے بھیجا گیا  
 ہے کہ کدو کھاؤ۔۔۔ پو۔۔۔ جیٹ کر دواڑ پلے جاؤ۔  
 انسان کی یہ مصراع نہیں ہے اس کو دنیا میں بھی کایہ  
 مطلب نہیں ہے۔“ وہ جذباتی ہو گیا اب کے طویل  
 سانس لینے کی باری پر دوش کی گی۔

”اچھا اچھا۔۔۔ آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے  
 مولوی صاحب! تمہیں پتا ہے ایسی باتوں سے مجھے  
 بہت خوف آتا ہے جس سے اتنا پتا ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 بہت مہربان ہے۔ اس نے ہمیں مسلمان بنایا ہے اور  
 وہ ہمیں پیار سے نبی مکی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کی  
 وجہ سے بخش بھی دے گا۔“ وہ اطمینان سے بولی۔

”اور ہاں۔۔۔ آج سے ایک وعدہ کر دو کہ تو  
 سامان تمہاری پسند کو اپنانے کی کوشش کروں گی مگر تم  
 زیادہ میری پسند کو اپناؤ گے مگر کوئی فائدہ اور سبب  
 فائدہ کی ریشو نہیں رکھے گی۔“ اس کی بات سن کر  
 جھجکا ہٹ کے باوجود اس کو آگئی۔

”اچھا تو مسلم غلام صاحب! میری تمہاری  
 پسند میں بدلنے پر سچ کیوں اتنا زیادہ ہے؟“ اس  
 نے دیکھی سے چپک اٹھا کر پردہ کو دیکھا۔

”تم مجھ سے محبت جو زیادہ کرتے ہو ساراب!  
 اور تمہارے لیے بے غول تمہارے۔۔۔ میں تو سچ  
 باتوں تو تمہیں کچھ خاص پسند بھی نہیں کرتی تھی  
 فارغ اور میں تمہاری باتیں اور آواز یاد کر کے بہت  
 ہنسا کرتے تھے بلکہ میں تو تمہیں اچھا خاصا امتی اور  
 بے خوف بھی تھی۔“ وہ تو تم سے شادی کے بعد پتا چلا  
 کہ میرے بہت سے اعزاز سے غلط تھے تمہارے  
 چالے سے تم بہت اچھے ہو گئے۔ کبھی کبھی لوگ  
 اٹکل جنٹ۔۔۔ جس تمہاری ان خوبیوں کو دیکھ کر ابھی  
 تم سے محبت تو نہیں ہوتی مگر میرے دو غنیمت خیالات جو  
 تمہارے لیے ختم ہو گئے اور۔۔۔“ وہ کہتے کہتے  
 دلی۔

”مجھے لگے ہے کہ میں تمہیں پسند بھی کرنے لگی  
 ہوں۔“ اپنی ساری تفصیل دہرائی میں بتاتے بتاتے  
 جیسے ہی خود کو پر خوش نظروں سے دیکھتے ساراب پر نظر  
 پڑا اس کی نظریں جھک گئیں اور لہجہ دھیمہ پڑ گیا۔  
 آج تو پردہ کو اپنی کامیابی بہت قریب نظر  
 آ رہی تھی کہ پلے میں اپنی کوئی کوہ شروع کرتے ہی ختم  
 کرا دیا کرتا تھا کمرے میں بھی کسی کے نہیں بدلتا  
 نہ ہی گھبراہٹ اور جا کر رہتا ہے۔ آج کم از کم اس کی  
 پوری فریاضی رحمان سے سن توئی تھی۔ ہاں یہ ضرور  
 بھول گئی تھی کہ اگر اس کی باتیں غور سے سنی میں تو  
 بہت کچھ بتاوا اور سنایا میں تھا جسے وہ جان کر ان سنا  
 کرنے پر تلی تھی۔

جب کہ اس کی بے سرو پا سنتے اور اس کے  
 بالوں میں اٹھان پھیرتا ساراب اب پردہ کی

فرمانشوں پر کسی قدر تشویش کا شکار ہوتا چلا کہ جن باتوں وہ اس کا بچتا کچھ نہ کر سکی میں ہلا کر باہر آتا تھا اس کی جڑیں پختہ بہت دور تک پہنچیں گئیں یہی وجہ ہے خبری سہ اسے کسی دفعہ اپنی باتوں سے دو کھمچی دے جایا کرتی تھی مگر محبت کرنے والوں کے دل ایسی ہی دیکھتے ہوتے ہیں جسے چاہے جس اس کی ہر کواں دست و پائی میں ہم کیے چلے جاتے ہیں۔

☆☆☆

”تم ایسا کرو دیگر تمام خاں ملازمین کو ان کی تنخواہوں دے کر فارغ کر دو میں نے تم دونوں کے لیے ایک چھوٹا سا مناسبت گھر دیکھ لیا ہے گاڑی میں کوئی چھوٹی لیس کے۔ کل ایک پارٹی کر دو بیٹھے اسی ہے۔“  
”معاذ کے لیے چپ کر جائیں ملک صاحب“  
کیا کہہ رہے ہیں..... اب تو سارے مسئلے کر دیئے سارے پھر کونساں اس کو دل کھانے والی باتیں کہ جا رہے ہیں..... تو یہ میرے تو ہوں اٹھنے لگے ادھر بیٹھیں ہی..... دو جو چہرے پر عافیت کریم لگا رہی ہیں تڑپ کر ملک صاحب کے پاس آئیں۔ گاڑی سے آنے کے بعد نیند دن تو ملک

صاحب کے بعد مصروف گزارے تھے بہت سے مصروفی اور نیند نے والے امور جو تھے پھر ٹیکسری سے متعلق تھے جب کہ وہ خود ان دنوں مطمئن ہو گئی تھیں کہ چلوایک مسئلہ تھا جس کو اور کج بی بی یا بہت سن کر ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔  
”یہی حقیقت ہے اس کو جتنی جلدی کر لیں تو نیچر اچھا ہے۔ وہم طرف میں کسی خالی کر کے کیا ہے در کر کی اس ماہ کی تنخواہیں اور ادائیگی میں ٹیکسری سے جتنا روپیہ باہر نکالا گیا ہے اس سے اس کے دیوالیہ ہونے کے پائزے ہیں۔ اس لیے میں نے اس کو فروخت کرنے کا فیصلہ کیا ہے مگر جو مال ہم نے آڈر کیا تھا اس کی رقم ابھی مجھ پر واجب الادا ہے۔ میں نے بار بار بیٹے کے سامنے ہاتھ پھیلا کر مزید تین تیس ہوسکتا اس گھر کی بابت آئی ہے کہ میں وہ قرض بھی ادا کر سکتا ہوں اور کچھ بیویک بھی ہو جائے گی جب

تک کے لیے جب تک میں اپنا کوئی ذریعہ معاش نہیں تلاش کر لیتا۔ ساری ذمہ داری موت کے کھائی ہے اب اس عمر میں مجھے بے کار بیٹھ کر ادا کر دو مجھ نہیں بننا جو چیز ضرورت سے بڑھ کر ہو وہ اسراف ہے ذمہ سے آئی ہے مگر تمہاری بھجھ میں یہ بات آئی ہوئی تو آج میں اس حالت میں یہاں بھجھتا ہوں رہا ہوتا۔ لاٹھوں اڑاتے تھی تم نے اور تمہارے بیٹے نے نہیں سوچا کہ وقت ہر ایک کے لیے سدا ایک سا نہیں رہتا۔“ وہ دے ہوئے تھے جب کہ مسز ملک ٹھکرانہ کی صورت دیکھ جا رہی ہیں۔  
”ہاں..... اب کی بار کسی بھی بات کی ہلک ساراب تک پہنچی تو جان لینا کہ میں تمہارے لیے مگر کیا میں اسے خود ہی مطمئن کروں گا بھی نہیں کچھ حالات کو اسے حق میں کروں پھر..... ابھی ویسے بھی تم ازم چھوڑ دوں کہ اس کا چکر لگنے کے امکان کم ہی ہیں کہ فاصل کی پوائی کے دن ہیں وہ اس میں مصروف ہے۔“ انہوں نے تنبیہ کی کہ مسز ملک نے میرے میرے انداز میں سر ہلا دیا کیا“ مگر ذہن تیزی سے کوئی تانے بانے بننے میں مصروف تھا۔

☆☆☆

گناہ کے فوراً بعد ہی وہ میٹروں پر چلا گیا تھا پھر وہ تین گھنٹے کے بعد تنخواہی دیر کے لیے ناشا کرنے کے لیے آیا تھا کہ میں تنبیہ ہی تھی پوچھنے پر پتا چلا کہ کچھ چاچا اور چچی ساتھ والوں کے گھر تاریخ میں ہوئے کی مبارک باد دے گئے تھے۔ ناشے کا کہنا وہ اپنے کمرے کی جانب آیا تھا کہ وہ سب معمول گھر کی نیند کو نظر آئی تھا یہی بیڑا سا بیڑ پر موہاں فون زور دوشور سے چلتا نظر آیا سر جھٹکتا ہوا وہ آدا اور موہاں اٹھائیا۔  
”اس کو نہیں پتا کیا کہ ان کی لاڈلی دیر تک سوئی ہیں جو اس ناگم فون کر رہی ہیں۔“ بڑبڑاتے اس نے تیس کا مٹن داکر موہاں کال سے لگایا اور خود بیڑ پر بیٹھا۔  
”کچھ بھی بولے بغیر میری بات خود سے سونو

پر کیا میرے خیال میں اب وہ وقت آ گیا ہے جب نہیں اپنی پانکھ پھل کر لینا چاہیے۔“ ابھی اس نے سلام کرنے کے لیے نہ گھوما ہی تھا کہ بجلت اور روشنی کے جواہر تھی گئی اس نے ساراب کو چونکایا۔  
”بس اب ساراب کا یہاں شہ آ کر پڑ پوچھا ہے پر کیا اب تمہارے گل کرنے کا وقت ہے تو رہی کسی بات کا بھانڈا کر کے اس سے بھگڑا کر ادا کر چل آؤ اور پھر اپنی تمام شرائط اس کے سامنے رکھ دیا کہ اگر وہ ان کو مانے تو ٹھیک دوں میں طلاق دے دوں کیونکہ تم تو ایسے باحول میں رہو تھی ہوتا ہی ان طوطیوں کو برداشت کر سکتی ہوں۔ میں جانتی ہوں اپنے خاندان کے مردوں کو انکی بات کے سننے یا اسے یہاں آتا ہی ہوگا پھر ایک دفعہ وہ آ گیا تو اسے اس باحول کے مطابق دھانا تمہارے لیے مشکل نہیں ہوگا پھر ہم کون سا اسے یہاں نیک کر لیں گے۔ آ تا جا تا رہے گا اپنے چاچا چچی کے پاس قید تھا کہ بھول گئے کہ وہ کی اور کی بیٹھے ہیں۔ میں اپنی اولاد کی گاڑی اور گھر میں بیٹھے ہیں۔ میں اپنی اولاد کی ضرورت ہے ان دنوں تم آ جاؤ تو ساری باتیں پھر ہوں گی۔ بہت کچھ بتانا ہے نہیں اور بہت کچھ سمجھانا ہے یہاں آؤ کی تو پھر تاؤں کی کراہ ساراب سے کیا اور کیسے کہتا ہے کہ وہ سب چھوڑ کر بھاگا چلا آئے۔“ وہ ابھی کچھ کہہ رہی تھیں مگر اس سے زیادہ سننے کی بہت تھیں کی ساراب کے اندر سے تپتا سرخ و ماچھرو اور پیدائی کی ابھری دیکھیں اس کے منہ میں کوسمٹا جاتے ہے قاصر بھی انھوں میں اس نے بے مدد پر دوش کو چھوڑ ڈالا۔  
”گنگ“ کیا ہوا..... سونے دو مجھے نیند آتی ہے۔“  
”ابھو۔ فوراً ابھو۔ جنہیں ابھی شہر چانا ہے۔“ گنگ پوچھنے اس نے اس کا بازو سے پکڑ کر زبردستی کھڑا کر دیا اب پر دوش کی انھیں اور حواس ٹھیک سے دار ہو گئے تھے۔  
”کیوں خیر یہ ساراب..... کیا ہوا؟“ انگل

آئی تو ٹھیک ہیں ناں.....؟“ اس کے پریشانی سے پوچھنے پر ساراب کچھ کہے بغیر الماری کھول کر اس میں سے ٹشوز اور ملبہ چادر نکال کر بیڑ پر رکھی۔  
”فورا باہر آؤ۔“ میں باہر گاڑی میں گھبرا انتظار کر رہا ہوں۔“ بے حد سنجیدگی سے کہنا وہ باہر چلا گیا۔ کچھ ٹھنڈے تھے وہ نے اس نے جلدی سے چادر اوڑھی مگر دروازہ کھول کر اپنا پنڈر بیک اٹھا کر اس میں موہاں ڈالا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔  
”ناشتے کی فرسے لے کر آتے ہوئے ٹھیکہ چران نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی کہ زندگی میں پہلی بار ساراب نے ایسا کرنا نہیں اپنا تھا کہ اس کا ناشے کا کبھے پر وہ کوئی جواب دے بغیر باہر چلا گیا تھا اور اس کے باطل پچھے پریشانی میں تھی پر دوش کو کچھ کر اس نے اپنا سوال دہرایا گناہی جج ناشے کے بغیر وہ کہاں چلے ہیں اور پر دوش تو بے سے بلا زمنوں سے بات کرنا کچھ خاص پسند نہیں کرتی تھی سو جواب دے، بغیر گنگ لپٹے سے باہر چلی گئی۔ گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز پر ٹھینڈ ہوش میں آئی اور ناشے کی فرسے چار بانی پر رخصت ہمایوں کے گھر چاچا چچی کو بلائے بھاگی تھی۔

☆☆☆

گاڑی کی اتنی زور رفتار اور ساراب کا ایسا رویہ..... پر دوش کی بار پوچھنے کی کوشش کر چکی تھی کہ کیا ہوا..... وہ کیوں اسے سمجھنے کے بار بار ہے مگر ہر بار اس کے ایسے کی تشویشی سوال پر اس کا پھر مزید سن جاتا اور ابھرتی مگر یہ باتوں کی گرفت اتنی مضبوط پڑ جاتی کہ کہیں ابھرتی نہیں۔  
”تمہاری خواہشات اور خواب جن کو میں تمہاری ساری اور بچتا کچھ کر نظر انداز کرتا رہا وہ معصومیت نہیں تھی تمہاری..... کار کی۔“ پلانک کی مجھے میری جڑوں سے اٹھنے کی کہ جس میں بدعتی ہے میری کسی ماں میں شریک کی۔ پتا نہیں کون سی معاملت پر شہید ہے اس آزمائش میں کر زندگی میں خود انتہائی قریبی رشتے جو قدرت نے مجھے دان کیے

کوسائی کو ڈانڈا خوش ہو گئی تھیں۔  
 ”آئی آئی اودھ نہیں ہے میں تھا اس کو بہت برا لگا  
 تھا“ مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگتا تھا اور یہ اس کی  
 حالت اور الفاظ یاد کر کے وہ مجھے نہ ہونے لگا۔  
 ”اگر میری جان میں تو محبت کی زنجیر ہے  
 جس نے تم دونوں کو باندھ لیا ہے جس کے ایک  
 سر سے تم اور ایک پر وہ ہے۔ اب کسی ماہر کلاڑی  
 کی طرح اس سرے پر مغربی سے قدم بجاؤ اور  
 پوری قوت سے اسے اپنی طرف کھینچ لو۔“ وہ کمر لگا  
 لی جس جب کڑوئی میں پہلے بار پر دھککا دیا تو اس میں  
 بجلی نہیں لگ رہی تھی میں پھر وہ اس کے گال پر جھپٹا یہ  
 کہہ کر اٹھ گیا کہ وہ اتنا سنبھلا ہوا ہے کہ وہ آرام کرے  
 پھر بات ہوگی۔

☆☆☆

پھر ایک ہفتے کے اندر اندر ملک صاحب نے  
 گھر اور گاڑی فروخت کر کے ایک چھوٹا سا دو کمرہ  
 کا گھر خرید لیا تھا۔ تمام ملازمین کو جواب دے دیا گیا  
 تھا۔ ٹیکسری کے دروازے ادا کر کے وہ بھی فروخت  
 ہو گیا اور اب جو ٹیکسری کے مالک کے دو چکر  
 ملک صاحب کے جانے والے تھے اور اسے دو چکر  
 تمام حالات سے واقفیت ہی رکھتے تھے تو انہوں نے  
 ملک صاحب کو درخواست کی کہ اپنی کڑی لالہ وہ اس  
 ٹیکسری کی سینئر پروازر کے فرائض انجام دیں۔

ملک صاحب اس کی بھی مطمئن ہو گئے تھے کہ مگر  
 ملک کی طور پر مطمئن نہیں تھے ان کا دباؤ اب پر دھک  
 پر بڑھ چکا تھا کہ کسی طرح ساراب کو یہاں آنے پر  
 آمادہ کرے اور ان تمام مسائل کا ذکر کریں۔ کیونکہ  
 میں وہ آرام کی وہ زندگی جو بہتر عمر سے وہ ڈر کر  
 آئی تھی اس سے کنارہ کش ہونا خاصا مشکل امر تھا  
 پھر ساراب جیسا ہمدرد انسان کب اپنا باپ کو اس کا  
 کسمپرسی میں دیکھ یا سو جلد سے چلے اس کی آمد  
 چاہتی تھی مگر پر دھک بہت ڈری ہوئی تھی اس دن کے  
 بعد اور شرمندہ بھی اس نے ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ  
 کر کے انکس ہال ڈال تھا۔

”نہیں ساراب۔۔۔ تم غلط سمجھو۔۔۔“ پتا نہیں  
 کیوں پر دھک اپنی انگوٹھوں سے آنسو آگئے۔  
 ”اب یہ تو جیجی سمجھا ہوں۔ بہت غلط کیا تم  
 نے پر دھک۔۔۔ بخیر شادی سے انکار کر دیتا تھے  
 دکھ نہ ہوتا کہ میں اس کے لیے تیار تھا۔ تم نے تو بہت  
 برا کیا بہت برا۔۔۔ میں تمہیں بھی معاف نہیں  
 کر پاؤں گا۔ جاؤ۔۔۔ میری طرف سے تم انکی سے  
 آزاد ہو۔۔۔“ اس کے ٹوٹے لہجے سے زیادہ پر دھک کو  
 اس کی بات نے ہلایا۔  
 اس نے بیٹھ نہیں لٹاتا اور اپنے لاڈ لٹاتا  
 ساراب دیکھا تھا یہ تو کوئی اور ساراب تھا۔ چٹ کھایا  
 ہوا مگر یہ حد مضبوط اس چٹان کی مانند جو نظر بہت  
 سخت اور پتھر جی نظر آتی ہے مگر اندر ہزاروں آتش  
 نساں فعال ہوتے ہیں۔ وہ ہاتھوں میں منہ چمکا کر  
 چھوٹ چھوٹ کر رو پڑی۔ گاڑی اب ملک صاحب  
 کے گھر کے باہر کھانسنے لگی تھی۔

”تم اندر چلو ساراب۔۔۔ میں۔۔۔ تمہیں سب  
 کچھ بتاتی ہوں یہ سب سچ ہے مگر ایسے نہیں جیسے تم سمجھ  
 رہے ہو؟“ جیسے ہی اس نے پتھر لیے لہجے میں  
 اسے اترنے کو کہا خواص باختہ ہو کر وہ اس کا بازو حاتم  
 مٹی۔  
 ”اتر دو پر دھک اس سے پہلے کہ میری زبان سے  
 کچھ ایسا ادا ہو جائے جس پر ہم دونوں کو پچھتاوا  
 پڑے۔۔۔“ سیدی سڑک پر بالکل سامنے نظریں  
 جمائے اس نے اپنے لہجے میں کہا کہ پر دھک سے اس کا  
 بازو چھوڑ دو اور اسے سنبھال لی گاڑی سے اتر کر ادھ  
 کھلے گیٹ سے اندر چلی گئی۔ ساراب کے سنے  
 ادھاب ڈھیلے پڑے اور اس نے طویل سانس لیٹے  
 گاڑی اشارت کر دی۔

☆☆☆

”وہ بونے لائی اور میری ہوئی آئی کچھ  
 ڈرا دیا“ اچھا ہی ہوا اسے پتا چل گیا اچھا ہی ہوا  
 ناں۔۔۔ اب دیکھتا کیسے وہ پاتا ہے تمہارے لہجے؟“  
 چٹکیوں کے کچھ اس نے جیسے ہی ساری روادوسر ملک

دونوں ہی غرض کی غادر تاروں سے بندھے ہوئے  
 لے۔ ”خیر کے قریب آتے ہی اس نے سمجھ کر  
 کہا شروع کیا پر دھک شہرت اور تانگی سے اسے دیکھ  
 کر رو گیا۔ اسے ابھی تک میں پتا چلا تھا کہ وہ کیا  
 کہہ رہا تھا۔  
 ”ایاں اور تمہاری خواہش کے پیچھے محبت ہی  
 کارفرما ہوتی تو ہو سکتا ہے میں کوئی درمیان کاراستہ  
 نکال ہی لیتا کہ چاچی اور میری زندگی متاثر  
 ہونے بغیر میں ہفتے میں دودن ہی اسکی شہر میں گزار  
 لیتا۔“ وہ یاسیت سے بولا پر دھک نے منہ پر ہاتھ رکھ  
 لیا۔

”اسے کیسے پتا چلا۔۔۔؟“ پہلا خیال ذہن  
 میں بھی آیا۔  
 ”مگر افسوس۔۔۔ تمہیں میری شکل و صورت  
 میں ایک ذی کا پتہ کیجئے اپنی مرضی کی زبان لیا اس  
 اور انداز میں ڈھال کر تم اپنی دوستوں کے سامنے  
 پیش کر کے اپنی اس احساس کمتری سے نجات پانا  
 چاہتی تھی جو تب سے ہی تمہارے اندر گڑا تھا جب  
 سے تم نے اپنی زندگی شہر کا شروع کی حالانکہ انسان  
 کو اپنے اصل پر فخر ہونا چاہیے شہر ساری نہیں  
 آپ چہرہ۔۔۔ اب بیان۔۔۔ سب سے بڑھ کر  
 دلوں کو ٹوڑنے والے نگاہ کار ہو۔۔۔ اس پر تو پچھتاوا  
 اس کو تو پچھتاوا۔۔۔ آپ بہت بے ہوش ہو۔۔۔ زندگی دینے  
 گزارنے کو جیسے آپ کے تخلیق کرنے والے نے  
 علم دیا ہے۔ اس طرح نکل پر شہر تانگی میرے نزدیک  
 گناہ ہے ایسے ہی میری اس بات سے میرے بے نیکی کی کٹھ  
 سے پوری کرنا چاہتی ہے اس کے لیے اس نے محبت  
 سے ایک بار لگا دیا ہوتا میں فریاد ہو جاتا مگر انہوں  
 نے سنا نہیں کے جال بچاؤ میرے ایک کے بعد  
 ایک۔۔۔ میں کیا کروں کہ ان کو کچھ بھی نہیں کہوں کہ  
 کیوں کہ میں اب کوڑا آکر لگنے کی کسی اجازت نہیں  
 مگر تم نے میرا دل میری ہی طرح توڑا ہے پر دھک  
 میرے جذبات سے کھلیا اس پر ہی طرح سے کہ میں  
 اپنے آپ کو بہت بے ہوش کر رہا ہوں۔“

آج کل جی نہیں پچھتاوے اس کے عقاب  
 میں سے کہ ساراب کی یاد اتنی زوردار ہو گئی کہ وہ دن بھر  
 کام میں مصروف رہتی مگر بھی اس کی کوئی نیکی بات  
 یاد کا دل کا تمام کام کر لینے راستہ روٹی کر آ کر نہیں  
 آتیں۔

☆☆☆

”مگر عمل ہو گیا گاڑی کی بھی کیا کرتے  
 پھر رہے ہیں یا پاپا! اچھا اچھا ہو گیا آپ ایسا کریں  
 اب تو سارے بریلر سولو ہو گئے ہیں تو مجھے اس کے  
 منہ میں سے آدھی جگہ لگے۔ میں گاڑی لینے کے  
 لیے بیویک کر کے مر رہا ہوں۔ یہاں آپ لوگ  
 میں کر رہے ہیں حالانکہ وہاں تو آپ کا اتنا خرچ چاہی  
 نہیں ہے۔“ اس کی پوری بات سے بغیر وہ غی سے  
 بولا تھا جب کہ سڑک کی زندگی میں پہلی بار اس کی  
 بے حسی کا کشت سے محسوس کیا تھا۔

”تمہیں ہم بیٹھ میں دکھائی دے رہے  
 ہیں فارض! میں وراثت کی زندگی سے نکل کر ہم  
 سڑکوں پر آگئے بیٹا! کھٹے سے کھڑکی کا ستر لے ہوا  
 ہے تمہارا باپ اس ٹیکسری میں ایک دوکر کی حیثیت  
 سے جاتا ہے جہاں اس کو ایک بن کر تمام کام کرتا  
 تھا۔ بس سفید پوشی کا ایک بھرم ہے جس میں چھپ کر  
 بیٹھے ہیں۔ وہ تو ساراب کی مدد سے اپنی دوکر کی  
 کھڑکی میں ادا ہوئے ہیں اور گھر اور گاڑی کی لٹائی کو اپنے  
 کوگی۔ تمہارا ماہانہ خرچ مجھے بھی ساراب ہی بھجوا رہا ہے  
 تمہارے ہاتھ میں ہمارے پیش لگ رہے ہیں۔  
 ڈھاواں لے گئے تمہیں یہ ہمارے پیش لگ رہے ہیں۔  
 مجھے تو تمہیں وہاں بھیجے گا اپنا فیصلی طلب لگ رہا ہے  
 تم سے ملنا۔ ہاں میں اسے بدل گئے ہو کہ میں اب  
 ہے دکھ سے تمہیں کوئی سر کاڑھ نہیں ہے۔ آگے نہ جانے  
 کیسے حالات آئیں۔ تم تو میری امریکہ کے ہو گئے ان  
 ہی لوگوں کو اپنا لیا تو خود میں ان ہی سے ہو گئے۔ میں  
 تمہاری ضرورت سے فارض! مجھے چاہیے کہ اتنی جلدی  
 تمہارا آدھن میں کر لی تو دے سکتے ہو اپنے الفاظ  
 سے رابطہ ہی دوسروں کو بار کرتا ہے کہ آپ ان کے



کہ یہ وہ طاقت ور چیز ہے جو بادشاہوں کا تختہ جیٹ  
الٹ سکتی ہے۔ ابھی ڈیڑھ ماہ پہلے ہی وہ پورے  
عسمرانی اور استحقاق کے ساتھ اس کمرے میں آگئی  
تھی، چلتی کھاتی اور سوئی تھی۔ چند الفاظ میں تھے  
جنہوں نے ان کی زندگی کو دورا ہے پر لا کڑا کیا تھا  
آج اس کے انداز میں استحقاق نہیں خوف تھا  
شرمندگی بھی بچتا تھے۔

دور درازہ ملنے کی آواز پر اس نے کانپتے ہاتھوں کو  
ایک دوسرے میں جکڑ کر جھکا لیا وہ انداز تھا۔  
اس کو بھی دیکھ سکتی تھی اس کے معمولات ازبر تھے  
بقیہ وہ اپنا کوٹ اتار کر اس کی مخصوص جگہ پر رکھ چکا  
تھا۔ اب اس کے پاؤں پر دوش کی نظروں کی قید میں  
تھے وہ اس کی جانب پیٹے کے کمر اوڑھ کر تھیل پر اپنی  
گھڑی اتار کر رکھ رہا تھا۔

”کچھ دن یہ پانچ پندہ ساتھ جیکار لوگ آپ  
کو پھر برداشت کرتا پڑیں گے۔ حالات بدلے پر  
قاہرہ میں ہوں ورنہ ایک لمحہ بھی آپ کو ایسی جگہ پر نہ  
رکھ دیتا جس کے بارے میں اور جہاں کے لوگوں  
کے لیے آپ کے دل میں کئی غرت بچھی ہے جو  
صرف میں جاتا ہوں۔“ منہ بولا قدم بڑھاتا ہوا وہ  
اس کے پاس بیل پر اسی کے ہی اہواز میں جا بیٹھا  
لنگے پیٹھ کاٹھا پر دھڑلے سے بیٹھا ہے اس کی  
طرف دیکھا تھا۔

”پر مگر رہے گا بہت دن پہلے آپ کو اپنے  
دل اور زندگی سے نکال چکا ہوں بس دائرہ زندگی سے  
نکالنے کے لیے کچھ دقت لے رہا ہوں تو اس لیے کہ  
اس سے میرے بے حد پیاروں کو کھینچے گا اندیشہ  
ہے لیکن میں کوئی ایسا راستہ بھی نکالی ہی ہوں گا کہ  
آپ جلد ہی اپنی سن پینڈہ زندگی گزار سکیں گی سن پینڈہ  
سائی کے ساتھ جو آپ کی پینڈہ کے تمام رنگوں میں  
ڈھلا ہوگا۔“ کہتے کہتے دل کا سارا درد لیجے میں سٹ  
آیا یہ دیکھے بغیر کہ پر دھ کا چہرہ آنسوؤں سے تر  
ہو چکا تھا۔

”میری غلطی اتنی بڑی تو نہیں ہے ساراب کہ

اس کے لیے اتنی بڑی بڑی سزائیں منتخب کر لیں تم  
نے.....“  
”مطلقاً کو سودا عمارا سا کتا ہے پر دوش لی بی اجرت  
نے غلطی نہیں گناہ کیا ہے۔ میرے نزدیک دل توڑنا  
گناہ کے برابر ہے اچانکے میں کسی کے لئے گناہ  
مساب ہو جائے ہیں مگر جان کی غلطی نہیں کی تھی قابل  
معاتی ہے۔ میں نے کہا ناں آپ کو گھر کرنے کی  
ضرورت نہیں ہے آپ کے اور بیوی کا تعلق آئے  
گی۔ باقی کیفیت غمزدگی ہی جھلنے ہی آپ کو اس انا  
چاہے جو مجھ سے چھٹکارا مل جائے گا جس کی بہت دور  
تک پلاننگ کی تھی آپ نے.....“ جی سے کہہ کر وہ  
اٹھ گیا تھا مگر سات ہو کر رک جانا پڑا جب وہ  
ایک سانس سے اس کے بازو کو تھام کر شدت سے روکی  
تھی۔

”بس کرو ساراب! خدا کے لیے بس کرو جس  
کو خیر اور بچتا ہے کی مارل جائے اسے لفظوں سے  
مارنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ میں واقعی تمہاری  
زندگی میں ایک عہد لے کر آئی تھی فائز کے ٹھکانے  
کا بدلہ اس سے لے لیتا چاہا تھا کہ تمہیں اس کے  
روپ میں ڈھال کر اس تک لے جانا چاہتی کی کہ وہ  
مجھے ٹھکانے کے فیصلے پر بچتا ہے پر مجبور ہو جائے۔  
میں پہلی سوچ گئی تھی نے مجھے ہاں کے لیے سوچنے پر  
مجبور کیا پھر آئی تھی رضوان دلا یا کہ تم فائز سے  
زیادہ خوب صورت دولت مند ہوا کہ جو خود کے کام  
ہو جاؤ تو فائز میں باقی بھرے لگے تھانے آگے۔

”آئی کی زبان ہی تمہاری مجھ سے پینڈہ کی کا پتا  
چلا پھر تم نے جی ہی تو کہا تھا ایک احساس کتری نے  
میرے اندر خیمہ گاڑ رکھے تھے جو مجھے دہائی تک  
گراؤ ڈھونے پر شرمساری پر مجبور کرتا تھا اس کو  
دبانے کے لیے فائز کے ساتھ مل کر تھا خدا ناک  
اڑائی تھی۔ آئی کے اس نے نے بھی میری سوچ کو  
اور بڑھا دیا اور کپا پتی بہت اور سن کے حال میں پھنسا  
کر میں تمہیں شہ لائے پر مجبور کر سکتی ہوں۔

مگر میں جی کہہ رہی ہوں ساراب! تمہاری

”بہت ہے تمہارا بہت ہے مجھ پر ایسے شب خون بارا  
کر میں اپنا بچاؤ ہی نہ کر سکی۔ میں کسی تم پر کسی بھی  
اب خود پر چنے کی گئی اپنی حالت پر اپنے دل کے  
بدلے پر جس نے مجھے ایک چاک دھوکا دیا اور تمہارا  
ہو گیا۔“ سسکیاں بھرتی ہوئے اسے یقین دلانے کی  
ساراب نے بغیر کچھ کے اپنا بازو دھیرے سے اس  
کے ہاتھوں سے چھڑا دیا اور ایک طاقت بھری نظر اس  
پر ڈال کر دو قدم دور جا کھڑا ہوا پر دھڑلے سے بے حد  
حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔  
”تمہیں مجھ پر یقین نہیں آ رہا ناں..... میرے  
الفاظ پر میرے آنسوؤں پر.....“ وہ بالکل اس کے  
سامنے آ کھڑی ہوئی۔

”میں نے اپنی سب دوستوں کو بتا دیا کہ میری  
شادی تمہارے ساتھ ہوئی ہے میں جلد ہی ان کو  
بیاں پھاؤں گی۔ خدا کی قسم ساراب! میں جو تم کو اپنے  
رنگ میں رکھنے چلی تھی ابھی تمہاری اپنی بہت  
میرے اندر اتاری کہ اب تم سے اچھا یہ کوئی نہیں  
لگتا۔ تم ہو ہی اسی قابل ساراب کہ تمہارے ہی رنگ  
میں خود کو رنگ لیا جائے جانتے ہو کیوں..... کیوں کہ  
میں رنگ بننا چاہتا تھا۔ مجھے اچھے جیسا حال  
ساراب! اس کے دلوں بازوؤں کو کھینچ دو آرام  
سے اس کی پناہوں میں آگئی اور اس کی گردن کے گرد  
اپنے دلوں بازو جامل کر دیے۔ دوا کوساراب کی  
سنہری آنکھوں سے نکلے اور اس کے سہنے ہاتھوں  
میں جذب ہو گئے کچھ لمبے اس کی محبت کی سچائی  
حسوس کرنے میں لگے۔

”تم جی کہہ رہی ہو ناں پر دوشا یہ بھرا ہی  
فرمانش ایک پلاننگ کا کوئی حصہ نہیں میں بہت ٹوٹ  
گیا تھا..... اسکی تو خود کو پوری طرح سنبھال گئی تھیں  
پاپا! ایسا نہ ہو کہ اب کی بار توں تو پھر جی نہ  
پاؤں۔“ جھپکی آواز میں وہ اسے سینے سے دھکا دے رکھا  
تھا۔

”پر دوشہ جوت پول سکتی ہے“ فربہ کر سکتی ہے  
ساراب! ایک ماں کیس جس نے ابھی اس احساس کو

پیارے بچوں کے لئے

سیرۃ نبوی  
صلی اللہ  
علیہ وسلم



حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں مشتمل  
ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ  
خود بھی پڑھا چاہیں گے اور  
اپنے بچوں کو پڑھا چاہیں گے۔

کتاب کے بارے میں مزید معلومات  
کا شمار وقت میں کریں۔

قیمت 250/- روپے

بذریعہ ایک منگوانے پر ڈاک خرچ - 50/- روپے

بذریعہ ایک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

# آزادی



”کاش! میں بھی اک پرندہ ہوتی، میری اڑان تم سب سے تیز ہوتی۔“ یہ کہہ کر ماہین جال کے سامنے کھڑی ہوئی۔

”دوسرے پرندوں کو تو فضا میں کھلا ہوا دیکھ کے تم سب کے دلوں میں بھی یہی حسرت ہوگی کہ ہم بھی آفاقِ ولک کی بلندیوں میں پرواز کر سکیں۔“ پرندے سے ہنسنی سے اس بڑے سے بچہ نے اندھاڑتے ہوئے جال سے گمراہ رہے۔

”خیر میں بھی تمہاری طرح اک قید پرندہ ہوں۔“ یہ کہہ کر ماہین ہارے ہوئے جوار کی طرح

ہم سب نے غور کیا ہوگا کہ ہر انسان آزادی کا خواہاں ہوتا ہے، ہر کوئی چاہتا ہے کہ اس کی زندگی آزاد ہو۔ جہاں روک، ٹوک بات سے بات کی چیز سے روکا نہ جائے، یہ ہر کسی کو گراں گزرتا ہے لیکن بات آئی ہے اس قطعے پر ”آزادی“ کی قدر کرنی چاہیے۔ جس شخص نے زندگی باندی کی اصولوں کے ذرائع گزاری ہو اور اسے آزادی دی جائے تو.....؟ تو بھی آزادی تب ہی ملتی ہے جب اس بندے میں اعتبار اور اعتماد کا مادہ موجود ہو۔ مجرمان میں جہاں مرضی ہو چلتے جا میں کیونکہ اعتبار اور دونوں ہی چیزیں اس کی ہیں جو بندے کو خاک کے ذروں سے آفاق کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے۔ جب یہ بحال ہوتا ہے تو بڑے، امیر، ذکاوتی.....؟

لیکن..... بشرط یہ کہ اعتماد اور اعتبار کا رشتہ مضبوط ہو، اس کی دیوار میں لغزش و لالچ نہ ہو اور کیونکہ ذرا سی لغزش و لالچ نہایت اس مضبوط دیوار کی بنیاد کو ریزہ ریزہ کر سکتی ہے اور روشن مستقبل تاریکیوں کی جالی میں پھنس جاتا ہے۔ وہ بھی آزادی کی خواہاں ہی۔

☆☆☆

سویرج کی سنہری کریمیں بچہ کے سلور کی محبت سے گھرائی ہوئی ہے حد پر کش لگ رہی محبت..... وہ گھر کے اس کپے سے جہن کی کھڑکی کسی گہری سوچ میں کسی..... آہستہ آہستہ چلے ہوئے وہ آسمان کے بچے کے نیچے رکے ہوئے بچہ کے میں قید رنگ برنگے چھوٹے چھوٹے سے تو قوں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

”تم بھی میری طرح آزادی کے خواہاں ہو، بے باں۔“ ماہین اپنے دونوں ہاتھ بچہ کے ک جال پر رکھ کے ان سے مخاطب ہوئی۔ گویا وہ سب اس کی زبان بھرنے پر ہوئے۔ اس کے ہاتھ بدستور جال پر رکھے ہوئے تھے اور سر اٹھا کے فضا میں اڑنے ہوئے پرندوں کو پرشوق نظروں سے دیکھ کے ہلکے ہلکے

پڑا کیا پڑسیں کیا جائیں۔ بس اللہ سے میرے لیے کی محبت و دندرن کی دعا ہے تاکہ وہ ایسے ہی ہر ایک کے کام آ کر دعائیں سنیتا رہے پھر سارے کمال ماننے.....؟“ بچہ کی آنکھوں میں ایک فرخندہ اور جیت گئی سبز لک سے کسی قدر حسرت ہے ان کے سامان چہرے پر لہجہ کی جواہر کی روئی سے چمک رہا تھا۔ ”چاہتی ہوں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آئی“ اس نے بھی محبت سے اسے دیکھا جواب لک صاحب کا آرام سے چار پائی پر پھٹ کر رہا تھا۔ چاہیے اس کی مدد کر رہے تھے۔

”ہاں آئی! ان چند دلوں میں یہاں وہ کر میں نے زندگی کے ایسے ایسے سبق مجھے جو میری عمر کی اسکول کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم مجھے نہ سکھائی۔ وہ اسی پر نظر میں جاتے ہیں عرصہ ہی بول رہی تھی۔“

”میں چاہتی ہوں میرا بچہ چاہتی ہو جسی عورت کے ہاتھوں ہی پرورش پا کر بالکل سارے جیسا بنے کیونکہ مجھے اسے آسانوں کی نہیں اخلاقی کی دولت دینی ہے۔ پرورش کا کیا حق ہے اور اسے کیسے بھانا ہے یہ بتانا ہے میں اپنا بڑھا ہوا آپ کی طرح نہیں گزارنا چاہتی کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنی اولاد کی حسی پر روئوں۔ مجھے اپنا بڑھا ہوا چاہیے کی طرح گزارنا ہے آٹھوں کی مضحک کو سامنے رکھ کر اولاد کی فرائی برداری اور ادب کے تمام لطف لیتے ہوئے..... اس کی باتیں کر کہ جہاں چاہیے آج بھی خوشی سے بھر آئی ہیں وہاں سبز لک کا چہرہ تاریک پڑ گیا تھا۔

”میرے اٹھنا کہ کچھ اور مجھ پر کہ نہیں ظاہر کھے بجائے باطن کی اجماعی بالی۔ جتنا بھی شکر ادا کروں تم۔“ چاہتی کے گلے لگ کر اس نے کہا تھا انہوں نے اس کی روئی پیشانی پر دم کی۔

☆

☆

صرف محسوس ہی کیا ہے صرف اور دل کی دنیا بدل گئی ہے۔ ”سرگوشی میں کی بات پر سارے جھگے سے اسے خود سے الگ کیا اور اس کا چہرہ ہاتھوں میں قلم لایا۔“ تم کچھ کہہ رہی ہو..... تم ہاں..... میں..... اس سے بات مکمل نہ ہوئی اور پر دھ کے کھینچی آنکھوں کے ساتھ اثبات میں سر ہلاتے دیکھ کر اس نے شدت جذبات سے ایک بار پھر اسے پیار سے سمیٹ لیا۔ اب کی بار دونوں ہی چہرے بھلائے صرف دوسرے سے ساری وحدت چھٹ چکی تھی محبت کل کر کسرا گئی تھی۔

☆☆☆

ایک دل کی دنیا ہی بدلی تھی سب کچھ ہی کھرا! اجلا اور حسین تھا۔ اسے نواز کے لیے خود افسانہ دیکھ اور نماز پڑھتا دیکھ کہ سارے سکندر اپنا دونوں کی اٹھا کر سر پر جاتے اس نے اپنے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے کسی نقصان کے بغیر بہت کچھ پالیا تھا۔

گاؤں کے اس خوب صورت معمول کا منظر تھا! ابھی ابھی باہر دوپ کے کھن میں قبضہ جاتا ہے ہی چاہتی نے چار پائیاں اور لان چھتر چھتر چھتر میں سارے کی دلی مصروفیات میں، بیماری کی تیار داری مگر اس بار مریض لک صاحب تھے۔ چاہتی سبز لک کرسیوں پر ہوئی، خاندانی نقد چھتر سے بیٹھی تھیں جب سکڑاٹے ہوئے وہ آکر خاموشی سے اس منظر کا حصہ بن گئی۔

”دوسے سارے کو چاہیے اپنے باپ کے لیے کسی زس کا بددوست کر دے کب تک ایسے باپ کے گھنوں سے لگ کر بیٹھا رہے گا۔ لیکن اس کی اپنی طبیعت بگڑ نہ جائے۔“ بڑی احتیاط سے وہ لک صاحب کو اس درد سے لیے لے کر جا رہا تھا جب سبز لک نے اسی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ارے نہیں بھائی! بھلا انسان اولاد کس دن کے لیے پالتا ہے اسی دکھ کے دلوں میں سہارے کے لیے پھر جس محبت اور خیال ایک انارکھ کا ہے وہ

☆☆☆

”کیوں؟“ ماہین سوالیہ نگاہ سے جویہ کو دیکھ کے پوچھنے لگی۔

بھائی تھے اور تینوں ہی ایک حراج کے حال شخصیت کے مالک تھے۔ اس کے گھر میں عالیہ بیگم (ماہین کی والدہ) کے پاس ہی موہالی ہوتا۔ ماہین بھی چاہتی تھی کہ اس کے پاس اساتذہ الٰہی سنا کر وہ لکھنا

ہو اور انٹرنیٹ کی سہولت ہو۔ وہ اگلی نئی نئی اور  
آخری نمبر پر بھی۔ اس کا باپ حبیبہ ہارٹ ایک کی  
وجہ سے اس دنیا سے چلے گئے تھے۔ اس کے گھر میں  
لب تاب، آئی پڈ وغیرہ کا انتظام نہیں تھا۔

کامیاب جانے والی سلیبوں کی باتیں شوق سے سنتی تھی کہ کس طرح وہ انٹرنیٹ کا استعمال کرتی ہیں۔ مختلف ملکوں کے ذرائع دیکھتی ہیں۔ انٹرنیٹ پر ایک دوسرے سے چٹ کرتی ہیں۔ سرکاری کارکنان کے دل

میں بھی خواہش جنم لے گیتی اور وہ کہتی "کاش وہ بھی اپنی سیلیوں کی طرح ہوتی۔" اگر اس کی ماں کے مزاج سے اس کی سہیلی کی کال آتی وہ ادھر ادھر گادوڑا کے تسلی کرتی کہ واپسی حماد، مجید اور عابد بھائی

وہ ایف ایس سی کے فائل ایر میں تھی۔ کالج سے آ کے بھی وہ دل لگا کے پڑھتی تھی۔ بس اس کی حسرت یہ تھی کہ اس کا اپنا موبائل ہوا اور کوئی روک ٹوک نہ ہو، مگر بھائیوں کے آگے وہ تسلیم خرم رہتی۔

☆☆☆  
 ”اماں ہمارا گھر کب تیار ہوگا؟“ مہرین نے  
 چاولوں کو دھو کر پانی میں بھگو کے رکھ دیا اور اپنی ماں  
 نسرین سے پوچھنے لگی۔ نسرین صبح کے دانے گرانا نہ  
 ہوئے منہ ہی منہ میں وظیفہ کو تیز حیر پڑھنے لگیں۔  
 اماں کی طرف سے جواب نہ پا کے اس نے دوبارہ  
 ڈھنچ بن کے ماں سے سوال کر ڈالا۔

”اماں بتائیے ناں اس چھوٹے سے کھر میں مزید رہ کر میرا دم ہی نکل پہلے جائے گا۔“ مہر کی کمرچہ دونوں ہاتھ رکھ کے چاروں اطراف سے اپنے کھر کو دیکھنے لگا۔

”اے جا، پہلے چا دل کا پھر سوالات کرنا۔“  
تیزی سے صبح کے دانے نکراتے ہوئے ماتھے پر ٹھٹھکیں  
لے لے مہرین کو جواب دے لگیں۔ کام کا سن کے مہرین  
کاٹا روٹی کی شکل بنا کے سر سے غماص ہوئی۔

”اے اماں! ہر روز کام ہی تو کرتی ہوں.....“  
اس کا انداز دیکھ کے فسرین نے پاؤں سے چہل اتار  
کے اس کی عزت افزائی کے لیے روانہ کی جو کہ سیدھا  
حاکم اس کے کمر لگی۔

”ہائے ماں مہرٹی۔“ مہرین زور زور سے اپنی کمر بہلاتے ہوئے اوپر اٹھنے لگی اور چادروں کو پکڑنے کے لیے کچن میں آگئی۔

سونے پہا کا گھر کے کام بھی کروں کیا میں تو کرائی ہوں.....“ وہ آہستہ آواز میں بڑبڑانے لگی۔ سیادا سننے کی صورت میں اماں کی طرف سے دوبارہ عزت افزائی ہو سکتی تھی۔ ☆☆☆

ہے؟“ جویریہ کا سوال سنتے ہی مہرین اور مایین دونوں ہی دم بخود سے انداز میں ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگیں۔

اور ”جی نہیں“ کہہ کر خاموش ہوئی۔  
 ”اودھا کیسے لوگ ہو اس ماڈرن دقت میں تم  
 لوگوں کے گھر.....“ اس کی بات کاٹ کر مہربین نے

جلدی سے جواب دے کر جویریہ کو خاموش کر دیا۔  
 ”جویریہ! ضروری تو نہیں کہ ہر گھر کا ماحول  
 تمہارے گھر کے ماحول جیسا ہی ہو جس طرح ایک  
 انسان کا مزاج دوسرے انسان سے مختلف ہوتا ہے

اسی طرح گھر کے ماحول بھی مختلف ہوتے ہیں۔ یہ سن کر جو بڑے تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئی، مگر پھر کچھ سوچ کے لا پرواہی سے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہنے لگی۔

”یار! اس دنیا میں آزادی کے ساتھ زندگی چو،  
 اف روک ٹوک، بات بات پہ ڈر..... آزادی دیکھو،  
 میری لائف خلی آزاد ہے جیسا چاہوں وہی کروں۔“  
 یہ سن کر مہربن انیسوس سے سر ہلاتے رہ گئے جبکہ ماہین

کے ذہن میں اپنے گھر کا سخت ماحول گھومنے لگا۔  
لیپ ٹاپ تو دور کی بات دو تو ایچی یاں کے موبائل کو  
بھی ڈرتے ڈرتے ہاتھ لگی تھی کہ کہیں سے اس کا  
بھائی نہ آجائے۔ مہرین کے گھر کا ماحول بھی تقریباً

میری زندگی بالکل آزاد ہے۔“ گھر آ کے  
ماہین کے ذہن میں جو یہ کہے ہوئے الفاظ گونج  
رہے تھے۔ سر جھکا کر وہ اسی انداز میں کمرے سے

”بھائی..... وہ..... مہرین کا غمیر ملا رہی تھی  
 نو..... نوٹس کی ضرورت تھی مجھے۔“ یہ سن کر حماد اتارے  
 پہ تیوری چڑھا کر ماہرین سے کہنے لگا۔  
 ”آئندہ یہ سب موبائل مت اٹھانا اور جسے کال کرنا

ہو تو مجھے بتایا کرو۔ میرے موبائل سے کال کر سکتی ہو۔“

”جی بھائی۔“ ماہن سر جھکائے بڑے ادب سے حماد کو جواب دے کر خاموش ہو گئی۔ حماد کے

جائے ہی مایہ نیزی سے کمرے کی جانب چل دی  
جہاں اس کی ماں ترتیب کے ساتھ الماریوں کی  
درازدن میں چیزیں رکھ رہی تھیں۔

ہوئے ماں کو بیکار۔  
 ”جی بیٹا! میں کیا بات ہے؟“ عالیہ پیار سے  
 بایں کو بیٹھائی تھی، اسی لمحے اور وہ اسی لفظ پر تو نہال ہو جاتی  
 تھی۔

وہاں ادھیڑے ناں ایسا کیا ہے مجھ میں جو  
ہر بھائی مجھ پہ شک کرتا ہے، کیا میں واقعی بری ہوں  
جو یہ لوگ کہتے ہیں یہ سب باطل مت اٹھانا، ایسا کرنا،  
دیا کرنا، یہاں جاؤ، وہاں مت جاؤ....." یہ کہہ کر

ماہینہ کی آواز رندہ سی لگی اور اپنے دل کی بجز اس نکال کے عالیہ بیگم سے شکایت لگا دی یہ سن کر عالیہ مسکرائیں۔

”جی ماہینہ! یہ بیٹیوں تم سے بڑے حد پیار کرتے

ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر آپ کا ہاؤس چھل نہ جائے۔“ یہ سن کر ماہن منہ کھولے حیرانگی سے اپنی ماں کی طرف دیکھنے لگی تو با اس کو اپنی ماں کی ذہنی توازن پر حُک ہو۔“ یقیناً میری باتیں



اسے بھائیوں کی محبت ظاہر ہو جائے گی۔" عالیہ یہ کہہ کر دوپارہ کام میں مصروف ہو گئیں اور ماہین کاغذی سے اٹھ کر کمرے سے نکل آئی۔

☆☆☆

ماہین ایف ایف ایس کی ایک ایگزامو دے کے فارغ ہو گئی۔ ایگزامو دے کے چھپے اس کے کمرے سے ایک بڑا جوبہٹ کیا ہو۔ زلزل آئے میں پچھون ہائی تھے۔ زلزل جب آؤٹ ہوا تو ماہین A+ گریڈ لے چکی تھی۔ جو گریڈ B گریڈ اور مہرین کی B گریڈ سے نیچا لگتی۔ ہمیشہ کی طرح ماہین نے آج بھی تعلیمی کیریئر میں نمایاں پوزیشن حاصل کی تھی۔ اس کا زلزل دیکھ کے تینوں بھائی بے انتہا خوش تھے۔ عابد، مجید اور حماد تینوں اٹھنے آکے ماہین کے ساتھ والی چار پائی پہ بیٹھ گئے۔ عابد اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ماہین آج تو کمال ہی کر ڈالا۔" یہ سن کر ماہین ادب کی وجہ سے سر جھکا کر مسکراتے لگی اور اپنے بھائیوں کے بدلے ہونے دوئے پہ دل ہی دل میں سخت تیراجاں لگتی۔

"خدا خدایا! بے جا ہٹ گفٹس تیار ہیں اس خوشی میں۔" حماد مادی کی طرف دیکھ کر لہجہ کھینچ کر فرمایا۔

"ہاں بھئی نہیں! آخر ماہین اتنا اچھا گریڈ لے چکی ہے حق تو بتنا ہے نا۔" عابد یہ کہہ کر کمرے کی طرف نکل دیا جہاں گفٹس تیار کر کے رکھے گئے تھے۔ ماہین جیت دتا بھی کے ملے ملے ٹرائٹ کے ساتھ ان تینوں کی طرف دیکھنے لگی۔ کمرے سے باہر آئے تو ان کے ہاتھ میں چیک گفٹس تھے۔ عابد کے ہاتھ میں ایک چیک سا تھا اور ماہین کو اپنے پاس بٹھا کر چیک دے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ماہین ایف ایف ایف۔ یہ میری طرف سے گفٹ ہے اور دوہمی لیپ ٹاپ۔" لیپ ٹاپ کا کس کے وہ ہے حد گھرا ہے ہونے انداز میں عابد کو بھینے لگی کہ کہیں وہ مذاق نہ نہیں کر رہا مگر وہاں مسکراہٹ کے آثار دیکھ کر تاحی دوہمی کے عالم میں لیپ ٹاپ ٹیک کر رکھنے لگی۔

"اور یہ میری طرف سے گفٹ۔" اس میں زبردست قسم کا موہاں ہے۔" مجید گفٹس اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہنے لگا اور حماد چلری سے کھینچا۔

"بھئی! میری طرف سے تو انٹرنیٹ کا احاطہ ہے۔" یہ سب سنتے ہی ماہین کی زبان ٹھک رہی تھی اس کے پاس چھپے کہنے کے لیے الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہو۔ وہ ابھی تک شافرو کی سی کیفیت میں اپنے بھائیوں کو کھد کھد رہی تھی۔ اسے یہ سب ہاتھ ایک خواب سا لگ رہا تھا۔

"بھائی! یہ میں خواب دیکھ رہی ہوں یا؟ یا پھر یہ واقعی حقیقت ہے؟" ماہین ہنسنے لگی۔

"حقیقت ہے، سراپا حقیقت۔" عابد جو دہرے رکاز اور پھر گویا ہوا۔

"ماہین! اس پہیلے ہم نے تم واقعی پابندیوں اس لیے لگائی تھیں کہ تم اپنی پڑھائی سے غافل نہ ہو جاؤ، دوسرے تمہارا ذہن ابھی گھٹا تھا، ہمیں ڈر تھا کہ کہیں تمہارے قدم جھک نہ جائیں۔ اور اب ہم تینوں کو تم پر پھر پورا اعتماد ہے کہ تم ہمارے مقیمن اور مان پر اترو گی۔"

تینوں اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگے۔ وہ انتہائی خوشی کے عالم میں گفٹس اٹھاتے ہوئے کمرے کی جانب چل دی۔ گفٹس کھولتے ہوئے اس کے ہاتھ تیزی کے ساتھ لرز رہے تھے۔

"واؤ۔" عابد نے اس کے منہ سے اتنا ہی نکلا۔ "تعلیمی پیادری ہوتی ہے نا آزاد زندگی۔"

☆☆☆

آجے روز ماہین لیپ ٹاپ کھولے خود کو مصروف رہتی وہ بھی کیا دیکھتی ہو چکی تھی۔ اس کے پاس آئی ڈی پتانا اس نے کچھ لیا تھا۔ اس نے پچھلے سے اپنے لیے فیس بک آئی ڈی بنائی، وہ، تین دن بعد اس نے فریڈ ریکسٹ پہنچتی شروع کر دی۔ اس کی فریڈ لسٹ میں فریڈز کی تعداد زیادہ تھی۔ ماہین کو

فیس بک چٹ کرنا اچھا لگتا۔ ایک دن فیس بک آئی ڈی کھولی دیکھا تو ایک شاہان نام کے لڑکے کی ریکسٹ آئی ہوئی تھی۔ پہلے تو ماہین گھبرا اسی، مگر پھر اپنے اندر ہمت پہنچ کر کے اس نے ریکسٹ قبول کر لی۔ ریکسٹ قبول ہوتے ہی یکدم اس کا پیج آگیا۔

"ہیلو کرل! اچھے سے دوستی کر دو گی۔ میرا نام شاہان ہے۔" یہ پڑھ کر ماہین کو اپنے دل کی دھک دھک کانوں میں صاف سنائی دینے لگی۔ پہلے تو وہ جواب نہیں دینا چاہ رہی تھی، مگر پھر دل اس کا یہاں "کیا ہوتا ہے؟" وہ جواب کوں سا یہاں میرے سامنے کھڑا اچھے سے بات کر رہا ہے۔" دل کی آواز سنتے ہی اس نے سچ کا پتہ کیا۔ "ہاں کر دوں گی۔"

پیج بھیجے ہی اس کی ہلچل پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

☆☆☆

ماہین کی ایس ٹار جی میں ایڈمیشن لے چکی تھی، مگر اس کو تو جیسے اپنے تعلیم کی کوئی پروا ہی نہ ہو۔ روز شاہان کے ساتھ فیس بک پہ ٹپ ٹپ میں ملنے دیکھ کر اس کے منہ کو پک چکا۔

"لیپ ٹاپ میں ملنے دیکھ کر اس کے تینوں بھائی بھی اچھے سے کہنے لگے انہیں اپنے لیے انٹرنیٹ سے ضروری انفارمیشن لے رہی ہے اور پڑھائی کے لیے ٹیوشن ڈاؤن لوڈ کر رہی ہے اور وہ اسی اہتمام کا جائزہ لے رہا ہے۔ اس بات سے بے خبر کر اس کے بھائیوں کو اس پہ کتنا غرور و اعتماد ہے۔"

ایک دن جب وہ فیس بک پہ آن لائن تھی، "جویریہ کو جانتی ہو ظاہر چوہدری کی بیٹی کو۔" نشان آگیا۔ پیج چڑھ کر ماہین کو کو آک لے کے لیے حیرت کے جھٹکے لگے مگر پھر اپنے آپ کو سنبھال کر ہونے سچ کا پتہ کر نے لگی۔

"تمی! ہاں۔" وہ میری نکالیں ٹیڈ ہے۔"

"اور اچھا۔" اتنا کہہ کر شاہان فیس بک سے لاگ آؤٹ ہو گیا۔ اس کے بعد ماہین بے چینی سے شاہان کے پیج آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ دوپہر تک

اس کا کوئی کچھ نہیں آیا۔

"ماہین بیٹا! آکے یہ سبزی کاٹ لو۔" عالیہ برآمدے میں لڑکی ماہین کو آواز دے رہی تھیں۔ وہ سبزی کاٹنے میں مصروف ہو گئی۔ کمرے کے باہر دلیار کے ساتھ ہی چار پائی دو بیٹھ گئی، جہاں کمرے میں عابد، مجید اور عابد کے اوتوں کی آواز کی صاف سنائے دے رہی تھیں۔ وہ بظاہر تو سبزی کاٹنے میں مصروف تھی، مگر برصاں مسلسل فیس بک کی طرف تھا۔

"حماد! شاہان کو تو جانتے ہو نا۔" اسی کے ساتھ ظاہر چوہدری کی بیٹی بھاگ گئی ہے۔ تو بے سارے سے کہنے والے اس کوں سے رو پھلے۔

حماد، عابد سے مخاطب تھا۔ یہ سن کر ماہین ہکا بکا سی بیٹھ گئی۔ چھری اس کے ہاتھ سے گدی اور چھوہ خطرناک دھک دھک زور دہوا۔ "لپٹا کر پہلے اس پہ پابندی لگائی جاتی تو آج وہ ہماری بہن ماہین جیسے ہی ہوئی جو آزادی ملنے کے بعد بھی حد میں ہی رہتی ہے۔" عابد کی باتیں جاری تھیں اور ماہین اپنے آپ سے نظریں ملانے کے قابل نہ رہی تھی۔ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سا جائے، وہ اپنے آپ سے نظریں چرانے لگی۔

اس کو تو آزادی مل گئی تھی مگر اس نے آزادی کا جائزہ نہ لیا تھا۔ اعتبار و اعتماد کے روپ میں وہ اپنے بھائیوں کے مان کو مات دے چکی تھی۔

"اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔" خود سے کہہ کر غرور اورادے سے لیپ ٹاپ کھولا اور فیس بک آئی ڈی بلاک کر دی۔ وہ مزید غور کوں کوں نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ دل میں شکر بھائی کی کہ برکت اسے شاہان کی اصلیت کا جان چل گیا۔

"اگر خدا ناخواست کہیں میں۔۔۔ اتنا سوچ کر اس کے دوتھکے کھڑے ہو گئے۔ آزادی اور اس کا استعمال کیا ہوتا ہے۔ پابندی و آزادی دونوں کا منہم اس کے ذہن میں ابھی طرح آچکا تھا۔

☆☆☆



## دوست اور آخری حصہ

یہ صورت حال اس کے لیے اس قدر حیران اور پریشان کن تھی کہ وہ جھپٹیں مار رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ مثنیٰ کے منہ سے جھاک نکل رہی تھی اور پورا بدن قرقر کر رہا تھا۔ پگھلوں کے لیے تو وہ بالکل فحش ہو کر رہ گیا تھا۔ تقریباً تین منٹ وہ اسی حالت میں رہی اور پھر اس کا جسم ساکت ہو گیا۔ اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ ان تین منٹوں میں مثنیٰ کے وجود نے اذیت کے وہ پہاڑ بنے تھے کہ عبدالہادی کا دل جردخف سے کپکپا کر رہ گیا تھا۔ عبدالہادی ابھی بھی آنکھیں میچاڑے ساکت کھڑا تھا۔ بھاری قدموں سے وہ اس کے پاس آیا اور اسے گاڑی میں ڈال کر ہسپتال لے گیا۔ وہ کئی گھنٹے بے ہوش رہی۔ اس کا چہرہ خزاں کے پتے کی مانند زرد تھا اور زبان دانتوں سے اُٹنے کی وجہ سے ڈھکی ہو گئی تھی۔ تقریباً تین گھنٹے بعد وہ ہوش میں آئی۔

وہ اس کے پاس بیٹھا اس کا زرد چہرہ دیکھ رہا تھا۔ مثنیٰ نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔  
”تم نے مجھے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی؟“  
”تم کیا کر لیتے؟“ اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

”میری بے وفائی کی وجہ سے تمہاری یہ حالت ہو گئی۔ کہ میں تمہیں زبردستی ریسنورٹ نہ کر

جاتا تھا۔“ وہ شدید فحشوں میں جھٹکا تھا۔  
”جو تمہیں اس حقیقت کا علم کسی اور دن ہو جاتا۔“ وہ بے لگاری سے بولی۔

”جسم نہ بانی نہیں کرے بات چچی نہیں کرہ سکتی تو مجھے انگریزوں سے میں کیوں رکھا؟“ اس کے کچے میں گلوہ تھا۔ مثنیٰ نے اس کے ناراض چہرے کی طرف دیکھا۔

”جو تمہیں الفاظ ضائع کرنے پر فحشوں ہو رہا ہے؟“ اس کے کچے میں نظر تھا۔ عبدالہادی کے دل پر چبھنے کی نئے پھیرا بن چلا دیں۔  
”میری سوچ میں اب اتنی بھی مادیت پرستی نہیں ہے کہ میں ایک بیماری کا سن کر تم سے دور ہو جاؤں۔“ اسے غصہ آ گیا تھا۔

”لیکن میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں، یہ سن کر تو تمہیں ضرور مجھ سے دور ہو جانا چاہیے۔“ بستر پر لیٹی ہوئی لڑکی کی میٹ کی۔  
”میں ابھی طرح سے تمہارے جھوٹ سے واقف ہوں۔“ اسے رلی برابر بھی اس کے جھوٹ پر یقین نہ آیا۔  
”اسے میں تمہاری خوش فہمی سمجھوں گی۔ میں جس سے محبت کرتی ہوں اس سے میرا کالج ہو چکا ہے۔“ اس نے اطلاع نہیں دی اس کے سر پر ہم پھوڑا تھا۔ اور پھر عبدالہادی کی طرف دیکھے بیچ اس نے آنکھیں موندیں۔ وہ دو تین پڑنا چاہتی تھی۔ بڑی مشکل سے وہ اپنے دل کو سمجھا پاتی تھی۔

☆ ☆ ☆

بارہی آسمان پر لگا ہوا جمائے ہوئے گہری سوچ میں ڈوبی گئی۔ دماغ جھپٹے چند ماہ کے واقعات کو سوچنے میں مصروف تھا۔ ساتھ ہی ساتھ بے دل کی حالت پر بھی غور و فکر کر رہا تھا۔ مثنیٰ نے اپنی اور عبدالہادی کی پہلی ملاقات سوچی۔

وہ ملاقات جو بالکل کسی روٹھک کہانی کے ابتدائی منظر جیسی تھی۔ لیکن اسے یہ سب بالکل بھی پسند نہیں آیا تھا۔ اسے وہ منظر بھی یاد آیا جب اس کی

ناک کی ٹوٹک کالک عبدالہادی کی شرٹ کے ساتھ سے وہ بے حد خوف زدہ ہو گئی۔ ایسی محسوس ہوتی تھی کہ وہ کسی کا بھی ساتھ کیسے چاہ سکتی تھی؟ یہ بے چینی بے قراری اس کی سخت اور بے رحم زبان کی صورت ظاہر ہونے لگی۔ وہ بھی بھٹتا رہا بلکہ اب تک وہ بھی بھٹتا ہے کہ وہ اسے پسند نہیں کرتی۔ ایسے کئی بھلا کھن ہے؟ کوئی تو روبرو ٹیک دل



مرکب کی صورت کے دل پر اپنا تمام تر سچائی اور نیک دلی کے ساتھ دھک دے اور وہ دل کا دروازہ بند ہی رکھے۔ ایسا کی صورت ممکن نہیں۔ اس نے تو اس دھک سے پہلے ہی اسے دل میں جکڑنا شروع کر دیا تھا۔ یہ سب سوچ سمجھ کر نہیں کیا جاتا۔ اندر وہ ہو جاتا ہے۔ اس کے دل میں بھی وہ دہریا گیا۔ وہ اس کی زندگی میں بھی شامل ہوتا جاتا تھا جس سب سے بڑی رکاوٹ وہ خود تھی۔

وہ کیسے اس کی زندگی میں تکلیف محول دے؟ لیکن اسے اذیت دے اور خود کی برکری اذیت میں مبتلا رہے؟ ایسے تو خدائی نہ ہوتا ہے۔... وہ مجھ سے بہت محبت کرتا تھا لیکن کبھی کسی مرد نے کی صورت کے ساتھ ان کی کنڈیشنل محبت نہیں کی ہوگی۔ عبدالباری بھی مرد ہے جذبات کے طوفان میں بہتا ہے اس لیے اس سے بہت بے حد معمولی لگتا ہے۔... کچھ وقت گزرنے کے بعد اسے اندازہ ہوگا کہ اس نے کیا غلطی کی۔ اس سے پہلے کہ اس کے دل سے میری محبت ختم ہو کر بے زاری اور نفرت میں بدلے مجھے اکی کو سب دیا جاتا ہے۔ لیکن اسے کچھ عہد کا تائے کا سوچ ہی نہ مل سکا۔ اسی شام عبدالباری کا مرنہا کر رکھ دیا گیا۔ اسے ایک ہفتے بعد آنا تھا لیکن وہ ان سوچو موجود۔

پچھلے دو ہفتوں سے اس کی خبر موجودگی نے ملتی تھی کہ بہت ڈسٹر ب کا تھا۔ جب تک دل پر اس نے کسی رنج و غم کی سبب تک نہیں تھا لیکن اس کے اظہار کے بعد سے سارا بے بند ہو گئے تھے۔ پہلے تو تنہائی میں بیٹھ کر وہ اس کے بارے میں سوچتے ہوئے تھے اب جانی بھی کہ لیکن کوئی تہا نہ ملے۔ لیکن اب اس نے خود کو تو خدائی ہی آزادی دے دی تھی۔ اور یہیں اس سے ملنے ہوئی عبدالباری کی غیر متوقع آمد پر وہ سراسر غصہ ہوئی کی نہ صرف بلکہ موت بھی چونک گئی۔ وہ اسے بھائی کے دل کی حالت سے تو واقف ہی لیکن ابھی کے حوالے سے اسے کچھ لگتا تھا کہ وہ عبدالباری میں بالکل بھی وہی نہیں لیکن

اسے کسی حد تک پابند کرتی ہے، لیکن آج اس کی آنکھوں کی چمک سے موت کو جیج حیران کر دیا تھا۔ اسے متنبی کا اس طرح خوش ہونا بہت اچھا لگتا تھا۔ ان دونوں کے درمیان کوئی گہری دوستی تو نہیں تھی لیکن اچھی اثر را سینڈنگ ضرور تھی۔ اس سے پہلے کہ سلیقے سے اس کی بات کرتیں، رات ہوئے تھے وہ ان کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ متنبی نے انہیں بگڑھ متا یا ہے نہیں لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ آج وہ انہیں مانکر ایتام لے گا۔

”آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟ ایسی تاریخی جھیں کہ آپ کو روز بخار ہو جاتا ہے۔“ اس نے تشویش سے پوچھا۔

”روز تو جھیں جس دن آنکھیں لگتا ہے اس رات بہت تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن متنبی میرا بہت خیال رکھتی ہے۔“ انہوں نے محبت سے اس کا ذکر کیا۔

”وہ آپ کا خیال رکھتی ہے اور میں اس کا خیال رکھنا چاہتا ہوں۔“ انہوں نے ناگہی سے اس کی جانب دیکھا۔

”میں متنبی سے شادی کرتا چاہتا ہوں۔“ اس نے غصے سے سارا بے بند ہو گئے تھے۔ پہلے تو تنہائی میں بیٹھ کر وہ اس کے بارے میں سوچتے ہوئے تھے اب جانی بھی کہ لیکن کوئی تہا نہ ملے۔ لیکن اب اس نے خود کو تو خدائی ہی آزادی دے دی تھی۔ اور یہیں اس سے ملنے ہوئی عبدالباری کی غیر متوقع آمد پر وہ سراسر غصہ ہوئی کی نہ صرف بلکہ موت بھی چونک گئی۔ وہ اسے بھائی کے دل کی حالت سے تو واقف ہی لیکن ابھی کے حوالے سے اسے کچھ لگتا تھا کہ وہ عبدالباری میں بالکل بھی وہی نہیں لیکن

تا۔ اس بات کو بنیاد بنا کر ہم زندگی کی خوشیوں سے محروم ہیں؟“ سلیقے سے کہہ کر اسے مہرے ہوئے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا۔

”کیا آپ نے کبھی یہ سوچا کہ میں اس شخص کو یہ چھوڑ دوں جس سے شادی کے بعد آپ نے اکی زندگی گزار دی؟“ ایک بار پھر انہوں نے انکار کیا۔

”میں آپ کا بھتیجا ہوں، آپ کی رکوں میں جو خون کے ساتھ وہاں دوڑتی ہے مجھ میں بھی وہی ہے پھر آپ ایسا کیسے سوچ سکتی ہیں کہ میں اس سے بے وفائی کروں گا؟ اگر کبھی تنگ ہو گیا تو آپ ہیں جان میری ہمت بڑھانے کے لیے۔ لیکن اگر متنبی مجھے نہ ملی تو میری ساری طاقت چڑ جائے گی۔ میں نہیں دے سکتا اس کے بغیر۔“ کیسے ہوئے اس نے ان کے ہاتھ پر اپنا سر رکھ دیا۔ سلیقے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”عبدالباری۔۔۔ مجھے کی کوشش کر دو۔ یہ صرف میری تمہاری رضا کی بات نہیں، تمہاری اہی، بھائی صاحب، کوئی بھی نہیں چاہے گا کہ وہ ایک ایسی لڑکی کو اپنی بیوی بنائے جس کو آپ ایک محبت مند شخص نہیں دے سکتی۔“ کوئی اس کے دل سے پوچھنا کہ اپنی اہی بنی کے لیے ایسے کچھ کا اظہار کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے۔ عبدالباری نے اس پہلو کو بھی دیکھ دیا تھا۔

”پچھو۔ کیا ہماری نسل میں سے کسی ایک کو بھی مرگی کا مرض ہے؟“ انہیں تا۔ لیکن متنبی کے نصیب میں یہ بیماری تھی، ایک سینڈنٹ کے ذریعے ہی کبھی لیکن وہ اس مرض کا شکار ہو گئی۔ اب کل کو اگر میرا ایک سینڈنٹ ہو جائے میرے دماغ کو بھی پوٹ گ جائے، مجھے بھی یہی مرض لاحق ہو جائے تو؟“

”استغفار! پھر وہی باتیں کر رہے ہو۔ اللہ جہیں ہمیشہ خوش اور صحت مند رکھے۔“ انہوں نے اسے چوتھے ہوئے دعا دی۔

اسے اس کی زندگی میں یہ مشکلات آئیں لیکن آپ ایک بات بتائیں کیا بھی آپ نے ان سے دور ہو کر زندگی گزارنے کا سوچا؟“ انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

”کیا آپ نے کبھی یہ سوچا کہ میں اس شخص کو یہ چھوڑ دوں جس سے شادی کے بعد آپ نے اکی زندگی گزار دی؟“ ایک بار پھر انہوں نے انکار کیا۔

”میں آپ کا بھتیجا ہوں، آپ کی رکوں میں جو خون کے ساتھ وہاں دوڑتی ہے مجھ میں بھی وہی ہے پھر آپ ایسا کیسے سوچ سکتی ہیں کہ میں اس سے بے وفائی کروں گا؟ اگر کبھی تنگ ہو گیا تو آپ ہیں جان میری ہمت بڑھانے کے لیے۔ لیکن اگر متنبی مجھے نہ ملی تو میری ساری طاقت چڑ جائے گی۔ میں نہیں دے سکتا اس کے بغیر۔“ کیسے ہوئے اس نے ان کے ہاتھ پر اپنا سر رکھ دیا۔ سلیقے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”عبدالباری۔۔۔ مجھے کی کوشش کر دو۔ یہ صرف میری تمہاری رضا کی بات نہیں، تمہاری اہی، بھائی صاحب، کوئی بھی نہیں چاہے گا کہ وہ ایک ایسی لڑکی کو اپنی بیوی بنائے جس کو آپ ایک محبت مند شخص نہیں دے سکتی۔“ کوئی اس کے دل سے پوچھنا کہ اپنی اہی بنی کے لیے ایسے کچھ کا اظہار کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے۔ عبدالباری نے اس پہلو کو بھی دیکھ دیا تھا۔

”پچھو۔ کیا ہماری نسل میں سے کسی ایک کو بھی مرگی کا مرض ہے؟“ انہیں تا۔ لیکن متنبی کے نصیب میں یہ بیماری تھی، ایک سینڈنٹ کے ذریعے ہی کبھی لیکن وہ اس مرض کا شکار ہو گئی۔ اب کل کو اگر میرا ایک سینڈنٹ ہو جائے میرے دماغ کو بھی پوٹ گ جائے، مجھے بھی یہی مرض لاحق ہو جائے تو؟“

”استغفار! پھر وہی باتیں کر رہے ہو۔ اللہ جہیں ہمیشہ خوش اور صحت مند رکھے۔“ انہوں نے اسے چوتھے ہوئے دعا دی۔

”اگر آپ میری خوشی یا جنت یا میری بات مان لیں۔ مجھے آپ کی رضا مندی چاہیے باقی میں سنبھال لوں گا۔“ اس نے اپنی لاجت سے کہا کہ وہ مزید اٹکا نہ کرنا۔

”مجھے تمہاری پسندیدگی کا علم تب ہی ہو گیا تھا جب ہم حیدر آباد میں تھے، اور میں جانتی کی کہ میں نہیں ہار دوں، اسی لیے اس روز جب تم نے مجھ سے کہا کہ وہاں میں تم سے لڑے تو مجھے لگا کہ آج تمہیں حقیقت معلوم ہو جائے گی لیکن تمہارے نام پر بھی روکے ہوئے نہیں کیا۔ میں نے یہ حد پریشان رہی کی ان دنوں۔ پھر جب اچانک ملک کر اُڑی آئے کچھ راسی ہوئی تھی میرے دل میں بھی کھٹکا تھا کہ کہیں اس کے دل میں بھی تمہارے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا نہ ہو گیا ہو۔ ایک ماں کے لیے یہ کلمات بڑے تکلف وہ ہوتے ہیں۔ میں اسے مشکلات سے بچانا جانتی ہوں۔ ابھی یہ بات صرف چند لوگوں کے غیظ میں ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ اس بات کا سب کو علم نہ ہو جائے۔ منتہی لوگوں کے ہوردی مجھے روئے کوئی ترس کھینچے ہے۔ تم مجھ سے ہو؟“

”میرا یقین کریں پچھو۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ جہاں تک بات ہے منتہی کی تو..... تو مجھے مند بھی نہیں لگتی لیکن اگر آپ اس سے بات کریں گی تو مجھے یقین ہے کہ اپنے دل پر باندھ بندھو کے لے جائے۔ میرے ہی بارے میں سوچے۔“ مجھے اپنی محنت کی سچائی اور اس کی طاقت کا اندازہ ہے۔ اور آپ دیکھیے گا کہ سب کچھ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ میں میرا ساتھ دیں۔ میں کوئی لڑائی نہیں ہونے دوں گا اور نہ ہی منتہی کو کسی آزمائش میں مبتلا کروں گا۔“ اس کے لہجے کی سچائی پر ان کی آنکھیں میٹھ گئیں۔

”میں تمہارے ساتھ ہوں۔“ انہوں نے خوشی سے کہا۔

”تھک یوسوچ پچھو۔“ ان کے گلے تلک کر دو پولا اور چپکنا ہوا کر سے نکل گیا۔ دو تھیں تھیں

کہ کہیں میں اس کے سامنے کڑو پڑ جائے لیکن وہ یہ بات سمجھ گیا کہ ہر شخص اپنے پیارے اور دل کے قریب لوگوں کے سامنے ہی کڑو پڑتا ہے۔

☆☆☆☆

وہ جمبولے والے کے پاس بھی منتہی تھی۔ چہرے پر پشیمانی چمکی تھی۔ مومن کی توتلی نظروں کو اس نے کئی بار محسوس کیا تھا۔ اور اسے یہ سمجھنے میں بالکل بھی وقت نہیں لگا کہ وہ جو کچھ کر کے لیے ہے خاصا دشمن ہوئی تھی اس لیے اعتقادی کو کچھ لوگوں نے بڑی شدت سے محسوس کیا ہے۔ اور اب یہی بات اسے پریشان کر رہی تھی۔ اس کمرے میں وہ اکیلا کئی دیر تک بیٹھی رہتی۔ عبدالباری کو سوجنی، وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چل۔ اس کی کو بہت شدت سے محسوس کرتی لیکن جب وہ سامنے کا تاب وہ ایک بیڑی لڑائی کا روپ دھار رہی تھی جسے اس کی بھی جذبات سے کوئی لینا دوں نہیں۔

کئی بار وہ خود کہے حد تک ہوا محسوس کرتی۔ اس دہرے روئے نے اسے آدھا کر دیا تھا۔ نہ تو وہ عبدالباری کو خود سے دور جاتا دیکھ سکتی تھی اور نہ ہی اس کے قریب آنے پر اسے خوش آمدید کہہ سکتی۔ زندگی عجیب سی ہوتی جا رہی تھی۔ یہ سب تو اس نے بھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

بہت پہلے ہی سے جب اس نے شعور کی پہلی منزل پر قدم رکھا تب ملتے سے اسے ابھی طرح سمجھا دیا تھا کہ وہ کیسی بھی شہزادے کے خواب نہ دیکھے کیونکہ وہ ابھی لڑکیوں کے حصے میں شہزادے نہیں آتے، اگر کوئی آئے گا تو بھی کا کچھ نہ ہو۔ صرف پرچا ہوگا۔ اس بات کو اس نے اپنے پلوسے باندھ لیا۔ جو بھی اس کے قریب آنے کی کوشش کرتا اس نے اسے کسی بہرہ ور سے زیادہ کی اہت نہیں دی۔ لیکن اب اس پر سب الٹ ہو گیا۔ وہ آیا، اور اس کے دل کو اسے جیسے میں کر کے لے گیا۔ وہ اسے شہزادہ لگتا، وہ شہزادہ جس کے سفیر کیوں کے بہت رہیں اور وہ حسین ہوتے ہیں اور وہ اپنی شہزادی کو ان دشمنی خوب

صورت دیاؤں میں اسے تنگ لے جاتا ہے۔ تصور کی دنیا تو اس نے آدھار کی کی لیکن حقیقت کا خوف اسے کھائے جاتا تھا۔ زندگی کا یہ صفحہ بڑی ہی تکلیف سوجن میں رہا بھی، جمولا بھولتی وہ منڈیر گھونڈے پر اس کے مرہارے سواری انجان دیس کا سفر کر رہی تھی کہ کھٹکے پر وہ بڑھ پڑا تھی۔ سامنے ہی وہ نہیں ملتا تھا، لیکن پھر ایک دم ہوش میں آئی۔

”تم۔“ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ”ہاں میں۔“ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ ”تم تو دو بیٹے بعد آنے والے تھے۔“ پھر اچانک کہنے، ”اس نے بات کا آغاز کیا۔ وہ بے تکلفی سے ذرا سا فاصلہ رکھ کر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ دونوں بڑھ چائے جمبولے کی تیزی کھینچ گئی۔ ”اتنا دن بڑھا کر آئے ہو تم۔“ دیکھو لکھیے رک گیا۔ ”اسے سچ لکھی آگئی تھی۔“ عبدالباری نے اسے غور سے دیکھا۔

”میرا دن نہیں بڑھا، میں پہلی بار یہاں تمہارے قریب بیٹھا ہوں۔“ وہ تنجیری کہے بولا۔ منتہی نے رخ مڑا لیا۔

”تو تم نے کیا سوچا؟“

”میں سوچ رہی ہوں کہ مجھے فحش ذہانیت کا کورس کر لیتا جاوے۔ میرے اندر جو ٹیلنٹ ہے، وہ وہاں نہ ہو بلکہ ایک اچھی سمت مل جائے اسے تم کیا کہتے ہو؟“ وہ اس سے یوں مشورہ لینے کی جیسے اس نے یہی موضوع چھیڑا تھا۔

”بہت اچھی بات ہے، بہت اچھا سوچا ہے تم نے۔ لیکن تم نے میرے بارے میں کیا سوچا؟ میری اعمال اپنی شادی کے بارے میں؟“ وہ اس کی آنکھوں میں بڑی ہی خوشی سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ منتہی کے چہرے پر فضا چھلنے لگا۔

”میں تم سے پہلے ہی سب کچھ کہہ چکی ہوں۔ پھر تم کچھ کیوں پتہ رہے ہو؟“ اس کا لہجہ ایک دم

بے لچک ہو گیا تھا۔

”وہ سب جھوٹ تھا، بکواس تھا، میں سچ سننا چاہتا ہوں۔“ وہ ہنسی سے بولا۔

”جہاں سے تم اس سب باتوں کے جھوٹے ہونے کی تصدیق کر کے آئے ہو، وہیں سے سچ بھی جان لو۔“ وہ اطمینان سے بولی اور جمبولے سے نیچے اترنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”تم حد سے بڑھ رہے ہو عبدالباری۔“ اس کا لہجہ کسی خوش خوبرو شیریں جیسا ہو گیا، اس نے ایک دم ہی کلائی چھوڑ دی۔

”تم میری بات نہ کر، مجھے حد میں کر دو۔“ وہ آہستگی سے بولا۔

”اور کیا سنوں میں؟“ اسے سچ سچ فضا پڑھ گیا۔

”یہی کہ میں پچھو سے بات کر چکا ہوں۔ وہ میرے اور تمہارے رشتے سے خوش ہیں۔ میں نے انہیں یہ بھی بتا دیا کہ میں تمہیں پرولوڑ کر چکا ہوں۔ یہ بات اس کے لیے بے حد حیران کن تھی اور اس نے اپنی حیرت چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی۔

”تمہارے بیٹا میرا اس کے درمیان جو بھی بات ہوئی میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ جس تم سے شادی نہیں کروں گی، اس بات کو اپنے ذہن میں رکھنا لو۔“ اس کے لہجے میں قطعیت تھی۔

”تم صرف اس ایک وجہ سے ہی اٹکا کر رہی ہو؟“ منتہی نے گہری سانس بھرے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

”مجھے اس ایک وجہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

”لیکن مجھے اس ایک وجہ سے ہی فرق پڑتا ہے۔ میں اس وقت اپنی ماں کے ساتھ ہوں، اس کی عمال نہیں کرنا چاہتی مجھے کچھ کہے تمہارے علاوہ میری بہاری کے بارے میں کسی کو بھی نہیں۔ اور یہ پردہ صرف اس وقت تک رہے گا جب تک کہ میں متعلق ہوں۔“ منتہی نے اپنی امانی سے میرا ذکر کر کے اور وہ میرا ہاتھ مائیں کی مٹن اسی وقت سے بات ختم کرنا چاہتے

گی۔ ای انہیں بتا دی کہ میری کسی مریدہ نہیں ہے، پہلے تو وہ کہیں ذلیل کر دیں کہ انہیں کسی سے شادی کی خواہش پائی اور پھر وہ سارے خاندان میں اس بیماری کا ڈھنڈورا پیچیں گی کہ ان کے معصوم بیٹے کو ایک قابلِ نفرت بیماری میں مبتلا کرنے کے لئے اپنے چال میں پھنسا لیا۔ وہ مستقبل کی منظر کشی کرنے لگی، عبدالباری کو شہ پر غصہ آیا۔

”تم میری کسی کے بارے میں اتنی بدگمانی رکھتی ہو؟“ اسے کچھ دھڑکا ہوا تھا۔

”اسے کچھ بدگمانی نہیں ہے۔“

”تم میری کسی کے بارے میں اتنی بدگمانی رکھتی ہو؟“ اسے کچھ دھڑکا ہوا تھا۔

”میں وعدہ کرتا ہوں تم سے۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اگر ایسا کچھ ہوا تو مجھے پھوڑ دینا۔“ وہ لجاجت سے بولا۔

”میں اسکا نام کی بنیاد پر اپنی زندگی خراب نہیں کر سکتی۔ میں اس بیماری کا اشتہار نہیں لگوانا چاہتی۔ معاف کرو مجھے۔“ اس نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

”اگر میں اس بیماری میں مبتلا ہوتا تب تم کیا کر سکتی۔ یا کسی بھی ایکسپرنٹ میں میرے ساتھ آیا ہو جاتا ہو؟“ وہ بدلتی بلک مینک براؤز آیا۔ اسے ہر صورت مطمئن کرنے کے لئے ہاتھ لگوانا تھا۔

”تم میں نہیں پھوڑ دیتی۔ بلکہ میں تم جیسے مرد کے ساتھ دل ہی نہ لگائی۔ بھلا جو خود کو نہیں سنبھال سکا وہ مجھے کیا سنبھالے گا۔ ایک بیمار آدمی کو شادی کی خواہش رہتی ہی نہیں چاہیے۔ یہ اپنی بے وقافتگی کی پوری افکار اور جا کر شاز سے کہہ دوں میں کھود۔ وہ یقیناً بہت متاثر ہوگی۔“ عبدالباری کا دماغ گھوم گیا۔ وہ جاگتی محسوس ہوئی کہ عبدالباری سر پکڑ کر بیٹھا ہو گیا۔

☆☆☆

اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ ہر صورت مطمئن کونامنے گا لیکن اس رات کے بعد سے وہ اس کے

سامنے آنے سے بھی کھڑے نہ ہو سکتی تھی۔ کھانے کی میز پر بھی وہ اس کی طرف دیکھنے سے اجتناب کرتی۔ شاز نے آلی۔ تب وہ اس کے پاس پہنچ جاتی لیکن جیسے ہی عبدالباری کی آمد ہوئی وہ فرار کی راہ اختیار کر لی۔ ایک روز شاز نے اور ممتاز دونوں ہی ایک ساتھ ان کے گھر آئیں۔ مطمئن اس وقت لی، دی دیکھنے میں مصروف تھی۔ اس کے لیے بالکل بے ہوش تھے اور وہ حسبِ عادت اس پر اطمینان لے کر بیٹھ کر رہی تھی۔ اور وہ اس کے سامنے بول رہا تھا۔ وہ دوسری جانب عبدالباری بیٹھ جاتا تھا۔ اس نے جب صورت حال دیکھی تو ان دونوں کو اشارہ کر کے خاموش رہنے کا کہا۔ شاز نے بھانپ لی کہ کب وہ مطمئن کے ساتھ کسی شرارت کرے گا اور وہی ہوا۔

اس نے صوفے کے پیچھے کھڑے ہو کر اتنی بھیاک آواز نکالی کہ رنج رنج کر کے مطمئن کے منہ سے بھی ایک دلدرد چیخ نکلی اور وہ بری طرح اجملی۔ پیچھے دیکھا تو وہ جس بس کرلوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ مطمئن زرد چہرہ پہلے پھوڑا تو اسے دیکھتی رہی اور پھر اچانک ہی میز پر رکھا جو کہ پورا کھانا پر ابلت دیا۔ عبدالباری اسے جہاں کھینچ کر لے گیا۔ یہاں مطمئن کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ یہاں وہ اس سے اتنے گھر نہیں بلکہ بھرے غم دیکھنے لگی۔ شاز نے سنے جب سے سہیں دیکھا تب اس کی کسی کی مینلنگ پورے گھر میں گونج گئی۔ وہ ان دونوں کی موجودگی سے بالکل ہی انجان تھی۔ ساتھ میں ہر ممتاز کو دیکھا تو اپنی حرکت پر سخت شرمندہ ہوئی۔

”اسلام علیکم۔ آپ لوگ کب آئے؟“ اس نے ایک دم گھبرائے ہوئے لی دی بند کرنا۔

”جی! ابھی ابھی۔“ شاز نے سنے بڑے ہوشیار ہو کر عبدالباری کی طرف سے اشارہ کیا۔ اسے بالکل اچھی سمجھ میں تھا کہ وہ اس کی توقع کر رہا ہے۔

”تم کیا ایسی حالت میں رہے والے ہو؟ جاؤ جاؤ

کر چیخ کر دو۔“ شاز نے اسے اپنے پیچھے کھڑے دیکھ کر کہا۔

”میں ایسی اور کیا کر سکتی ہوں۔“ عبدالباری کے گھومنے پر وہ پریشان ہو کر بھاگی۔ وہ اس کے پیچھے گیا۔

”مجھے تو ان دونوں کے تپور بالکل ٹھیک نہیں لگ رہے۔“ ممتاز کو ایک دم غصہ آ گیا تھا۔ ان کے جاتے ہی وہ بول اٹھیں۔

”ای سب کچھ آپ کے سامنے ہی تو ہوا تھا۔ مطمئن کو ایسی شرتیں بالکل پسینہ نہیں، وہ عبدالباری سے چڑتی ہے۔“ اس نے انہیں بلوئی۔

”عبدالباری تو نہیں چڑتا۔“ ممتاز نے ایک اور نقطہ نکالا۔ شاز نے بھلا کیا سمجھی۔ وہ اس کی دیکھی محسوس کر رہی تھی لیکن پھر بھی وہ تھا کہ اس بات پر یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ اسے یقین نہیں تھا صرف ٹھیک تھا اور شک ہی اس کے دل کی حالت بالکل بدل دیتا تھا۔ عین اور گھبراہٹ اس پر ایک دم حملہ آور ہو جاتی۔ ابھی یہی ہوا تھا لیکن ملکہ کے آجانے سے وہ اپنی توجہ کا محور بدلے میں کا ماب ہو گئی۔ لیکن وہ عبدالباری کی غیر موجودگی محسوس کر رہی تھی جو کہ اسے مطمئن کا دماغ خراب کر رہا تھا۔

”جس سے مجھ پر ایک نظر دیا۔ ایسا کرتے نہیں دوسری شرم نہ آئی؟“ اس نے چہرے پر غصہ بھرا۔

”تم اتنے بڑے ہو چکے ہو، زچر سے جیسے قد اور اتنی جتنا وزن رکھ کر بھی یہ چار پانچ سال کے بچوں کی حرکتیں کرتے نہیں شرم نہیں آتی۔ اور یہاں آ کر تم مجھے غصہ دکھا رہے ہو؟“ مطمئن اس سے بھی زیادہ غصے سے بولی۔

”کدوں کا ایسی حرکتیں کیا کر لو گی؟“

”وہ دھاتی ہے بولا۔ کپڑے ایک تک جوس سے بھرے تھے، اور بال بھی تھوڑے تھے، اس نے سخت بات منہ بنا کر اسے دیکھا۔

”تم کچھ زیادہ فری ہونے لگے ہو۔ جاؤ جا کر نہاؤ۔“ وہ بول کر باہر چلی۔

”میں جا رہا، نہیں نہاؤں گا۔ اور جہاں تک فری ہونے کی بات ہے تو اس میں دن بدن اضافہ ہی ہوگا آفریقہ کی تیر کی ہونے والی ہوگی۔“ اس کی دھاتی پر کچھ توجہ تھی اور یہی سمجھ ہی ساتھ ہی اس کی یہ خوشحال بھی نا قابلِ غم سمجھ اس کے لیے۔

”تم نے تم کو اس پر غصہ کیا۔“ وہ ایک دم تب تک۔

”یہ کیوں نہیں۔“ اس میں جتنی باہر اتھارہ آئے ان کا اوراد کر چکا تھا۔

”ہاں نہیں آؤ گے تو اپنے دانت تو داؤ گے۔“ وہ پھر کر بولی۔

”کھڑا ہوں تمہارے سامنے۔ تو ڈو دانت۔“

”میں نے اسے خونِ غرور نظروں سے دیکھا۔

”دھمکیاں میرے حوالے سے اتنی خوش نہیں کیوں ہیں؟ تمہیں کیا لگتا ہے تم دھاتی کی ساری حدیں پار کرتے جاؤ گے اور میں۔“ جواب میں خولی دھمکیاں دیں تو اس کی اس میں جو کچھ ہوں میں وہ کرنے کی ہمت بھی رکھتی ہوں۔ بھری جاتی ہی میں دانت لگوانے پر چاہیں گے کہ نہیں اس لیے حد میں رہوں۔“ اس نے اپنی اٹھا کر وارنگ دی۔ عبدالباری نے اس کی اپنی پکڑ لی۔

”میں اب حد میں نہیں رہوں گا۔ مطمئن۔ میں تم سے شادی کر کے رہوں گا۔“ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ مطمئن نے اپنی جھڑپ کے گوشش کی لیکن تاہم کام ہو گئی۔ اپنی بے بسی پر اسے اتنا غصہ آ کر کہ اس نے کچھ اسے غور سے مارنے کا سوچ لیا۔ جو بھی اس نے اس کے دانتوں پر مکا۔ دانتے کی گوشش کی، عبدالباری نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی تھام لیا۔

”تم جو چاہے تم کو تو مطمئن لیکن پلیز میرا دل مت توڑو۔ بہت بیمار کرتا ہوں میں تم سے۔ بہت زیادہ۔“ اور اب بھی اسے اور بھی بہت محاذوں پر لڑنا ہے۔ تم ساتھ نہیں دے سکتیں تو کم از کم راہ کے پھروں میں

مناذرت کو مت کرو۔“ اس نے کچھ اس انداز سے کہا  
مصلحتی کی نظریں جھک گئیں۔ اس کی آنکھوں میں  
پانی بھر نے لگ تھا۔ اس نے تیزی سے اپنے ہاتھ  
چھڑا دیے اور وہاں سے نکل گئی۔ عبدالہادی وہیں کھڑا  
رہ گیا۔

☆☆☆

اگلے روز ممتاز پھر سے آن سوچو تھیں۔ آج  
ان کا وعدہ یہ زیادہ دوستانہ تھا۔ مصلحتی کو دیکھ  
کر عبدالہادی کے چہرے پر ناگوار کیا مکیل جی اسی  
لیکن آج وہ اس سے بہت ہی خوش اخلاقی سے ملیں۔  
ابھی وہ حیران ہو ہی رہی تھی کہ ممتاز نے بات شروع  
کی۔ اس وقت وہاں ملکہ، علیہ اور مومن بھی موجود  
تھیں۔ ملکہ نے مومن کی دوستی میں تین بار اکیس کلاس کی تھی  
کراسے اپنے دو بے میں ٹپک دکھائی ہی پڑی تھی۔  
پھر جب سے علیہ کی اس میں ہومونڈ نے وقت کا کچھ  
حصہ ان کے ساتھ گزار کر ان کے ہاتھ کے بارے  
میں کچھ نہ کچھ پوچھتی رہتی تھی، جنہیں سننے کے بعد  
سے مومن کے مزاج میں غمزدگی آتا جا رہا تھا۔ ملکہ  
پھر سے اس کی شادی کا سوچ رہی تھیں۔ علیہ کے  
آنے سے پہلے وہ بھی پریشان تھیں۔ اب اتنا ہی  
خوش تھیں۔ اور جو ناگوار کے حوالے سے ان کے دل  
میں بے ایمانی پیدا ہوئی تھی وہ ممل طور پر ختم ہو گئیں وہ  
پانی کا ٹرمرور ہو گئی تھی۔

ممتاز نے اپنی آدھ کا مقدمہ ان کے سامنے رکھا تو  
سب سے پہلے مومن نے لب لٹکائی کی۔  
”خدا! اگر یہ رشتہ اتنا ہی اچھا ہے تو آپ  
شانزے کی بات وہاں کیوں نہیں جانتے؟ شانزے  
مصلحتی سے عمریں پڑی تھی ہے اور اپنی نیم ممل بھی  
کر چکی ہے۔ مجھے سمجھ کر کو بھی تعلیم مل کر لی ہے۔“  
اس نے کہا تیزی اور ہنسنے سے اپنی بات کا اظہار کیا۔  
بات اتنی معقول تھی کہ کسی نے بھی اسے تو کا مناسب  
نہ سمجھا۔ البتہ ممتاز کا دل کوئی کرہ گیا۔  
”میں سے پہلے شانزے سے کا ہی سوچا تھا لیکن وہ  
نی الحال شادی کے لیے راضی نہیں۔“ اسی کچھ وقت

☆☆☆

یہ لڑکی اس کی سوچ سے کھینچ زیادہ نرمی تھی۔  
اس کے اچھے بھائی سے انکار کے باوجود بھی  
عبدالہادی کو کھینچ نہ سکیں دل میں کچھ تو ایسا شہت  
اشارہ محسوس ہوتا تھا کہ اس کی بہت تھیں فوٹی۔  
مومن نے اسے رشتے والی بات سے بھی آگاہ کر دیا  
تھا۔ اگلے ہی روز اس نے ان کے سامنے یہ بات  
رکھ دی۔... منظور صاحب کی موجودگی کے باعث ملکہ  
کو خاموش رہنا پڑا تھا۔ دوسرے دفعہ تو انہوں نے  
عبدالہادی کو ٹھٹھکی کے نظر سے بھی دو ٹوٹ لیا تھا۔ بھلا ایسا  
کچھ کر چکے تھے کہ دنیا جہاں کی حسن نگاہیں چھوڑ کر وہ  
ایک عیالدار کی حقیقت میں مبتلا ہو گیا؟ لڑکی بھی وہ جو  
اسے گھاس بھی نہیں ڈالتی تھی اور وہاں ہمارا سب کے سب پر  
صاف انکار بھی کر چکی تھی، انہیں اپنے بیٹے کی دماغی  
حالت پر سوچ چکے تھے۔ لیکن یہ معاملہ ایسا نہیں تھا  
کہ وہ اس پر کھل افشانی کر تھیں۔ منظور صاحب کو جب  
سے اپنی چھوٹی بہن اور بھانجی کی محنتی تب سے وہ  
بھوتوں کے دریا بہا رہے تھے۔ اسنے سالوں کی کسر  
وہ شاید ان دنوں ہی پوری کرنا چاہتے تھے۔

مصلحتی کی پیاری کاسن کر تو ملکہ کو بھی اچھا خاصا  
دکھ ہوا تھا۔ منظور صاحب کی آنکھیں پھرتی تھیں۔ ان  
کی کہنا نے کتنے تکلیف بھرے دن گزارے ہوں  
گئے۔ ایسے دن جن میں انہیں اپنے انگوٹے رشتے کی  
کی شدت سے محسوس ہوتی ہوگی لیکن وہ ماضی میں  
ڈوبے ہوئے چیز سے لا پر وار ہے۔ پلٹ کر بھی دیکھا تک  
نہیں۔ اس بات کا ڈال شاید ساری عمر ہی رہتا۔...  
عبدالہادی نے اپنا دل کھول کر ان کے سامنے دکھ دیا  
تھا۔

”نو مصلحتی ان رشتے کے لیے راضی ہے اور نہ  
ہی پچھو تھیں۔ لیکن میں نے پچھو کر دیکھ کر لیا  
ہے۔ آپ بس کسی بھی طرح اسے مانیں  
پاپا میرے لیے دنیا کی سب سے قیمتی لڑکی ہیں وہی  
سے وہ وہ ہمیشہ سے ہی ماں باپ کے سامنے بہت تول  
کر بات کرتا تھا لیکن دل کو ایسا دھڑکا تھا کہ وہ سب  
کچھ بول گیا۔ منظور صاحب سے چہ نہ بڑے اعتبار

ہی مسکراہٹ پھیل گئی۔  
”تم پریشان مت ہو۔ جب سب راضی ہیں تو  
وہ بھی مان جائے گی۔ میں بات کروں گا اس  
سے۔“ انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔  
ملکہ کو ان کی یہ بات بالکل پسند نہیں آئی۔ ان کے  
ہاتھ کی چوڑیوں کو منظور صاحب نے ہرگز نظر انداز  
نہیں کیا۔  
”انہیں کیا اعتراض ہے اور کس بات پر ہے؟“  
انہوں نے بتائی گئی کہی رکھے بغیر ان سے براہ  
راست پوچھا

”اگر ماں صرف عبدالہادی کی ہو تو اس  
بارے میں سوچنا چاہتا ہے۔ لیکن اس کی آنے والی  
نسل اس کا تو کچھ سوچیں۔ بھانجی کی محبت میں ایسا  
فیصلہ ہرگز مت کریں جو مستقبل کے لیے مستقل  
عذاب بنے۔“ پہلے یہی کو سنبھالے گا بعد میں سر کی  
جس میں جھلجھل کوئی۔“ ان کی بات پر عبدالہادی نے  
ترپ کر اپنی ماں کو دیکھا۔

”میں بڑے بول ہوتے ہیں جو آگے ہماری  
زندگی کو مشکلات میں ڈھیل دیتے ہیں۔“ انہیں یاد ہوگا  
جب ملکہ نے مجھ سے اپنے کیے کی معافی مانگی اور مجھ  
سے یہ کہا کہ کہیں نہیں جی بھگد کر معاف کر دوں جب  
میں نے کتنا اذکر کر اس سے یہ کہا تھا کہ اگر میری جی  
سے بھی کسی کو کرتا تو میں اسے زندہ دفن کر دیتی۔  
اگر اس وقت میں یہ نہ کہتا شاید یہ سب بھی نہ ہوتا۔  
خدا نے شاید مجھے آدھ دیا تھا کہ دفن کر دکھاؤ۔ جی  
کو کھینچ مجھ سے اس کے آنکھوں میں ندھکے گئے۔ اور  
میں نے اسے معاف کر دیا۔“ یہی وہ فرق ہے جس  
نے مجھے ایک سبک شرمندگی میں مبتلا کر کے رکھا ہے۔“  
منظور صاحب نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کر کے  
بولنا شروع کیا۔

”وہ معاملہ بالکل الگ ہے۔ اور یہ مسئلہ قطعاً  
”غلق“  
”بیم ایک بات بتاؤ۔ کمال کے بیٹے یاد ہیں  
تمہیں؟ وہی کمال پر تمہارا راضیاں رشتہ دار ہے۔... ان

کے خاندان میں کسی کے گھر محذور بنے پیدا ہوئے تھے سوائے ان کے؟ کیا اس نے ان محذور بچوں کی پیدائش کے جرم میں بیوی کو طلاق دے دی یا ان کی بہن بیوی؟ خدا نے ایک بیماری دی ہے تو اس کا علاج بھی بھیجا ہے... اگر کوئی ایسا بیماری میں مبتلا ہے جو موروثی بھی ہو سکتی ہے تب بھی اس کا تعلق بھیجتا ہے کہ اس میں ان کی عمر بھی اپنے سرے سے جوانی میں آئی ہوگی اس لیے آئے ہی نہیں؟ ایک ایسی صورت جس کے وجود میں کبھی نہ ہو، وہ بھی ایک سخت منہ پر پیدا کر سکتی ہے جو پھر خدا کی رحمت سے انکار دیوں؟ میں نے خود کئی ایسے جوڑے دیکھے ہیں جو عمر کے مرض میں مبتلا ہیں لیکن خدا نے انہیں سخت منہ اولاد سے نوازا ہے... کیا آپ نے داغ میں آنے والی سوچوں اور خوف کو خدا کی رحمت سے بھی بڑا سمجھا ہے؟" ملکہ نے راز افشانی کرتے ہوئے کہا: "بہت محبت ہے، تاہم میں اپنے بچے اور اس کی آنے والی ساری سے؟ تو اس محبت کا ثبوت اسے سہوار کر کے دو۔" ان کی خوش حالی اور نیکوئیوں سے پاک زندگی کے لیے دو چھوڑ دیے گئے۔ اور خیر اور اس بارے میں تم کسی سے کچھ نہیں کہو... اپنی بہن سے بھی نہیں۔ نہ ہی شازن سے... کوئی ملتی کو تم طلب لگاؤں سے دیکھتے تھے سے یہ بالکل برداشت نہیں ہوگا۔"

ملکہ جنہوں نے چند سیگنلز میں سوچ لیا تھا کہ وہ ہر چار پارک کے کسی اس رشتے کی مخالفت کریں گی۔ شوہر کی باتوں کی قائل ہو گئیں... دل اب بھی راضی نہیں تھا لیکن زندگی میں بہت کچھ ایسا بھی ہوتا ہے جس کے لیے دل راضی نہ ہو تب بھی اس کام کے ہونے کی دعا کرنا سود مند ہوتا ہے۔ اور ابھی کچھ عرصے پہلے ہی تو مومن کا مسئلہ ہوا تھا۔ اس واقعے کو منظور صاحب نے اپنی اس بات سے جو رد ہوا تھا اس چیز نے انہیں بالکل ہی خاموش کر دیا۔ کچھ دن تو خاموشی چھائی رہی... ملکہ خود کو راضی نہ تھی صرف وہیں... ج تو تھا کہ سلیقہ

نے کبھی بھی ان کے کسی بھی معاملے میں دخل نہیں دیا تھا۔ اور اب واپس آ جانا ہے یہ بعد بھی وہ کم ہی معاملے میں کچھ نہیں کہیں... ملتی کی شکل تو اب بھی ملتی نہیں لیکن مزاحیہ انداز میں سخت کی گئی لیکن بدینہ وہ بالکل نہیں گی... اخلاقیات کے بعد بھی انہوں نے اسے مصروف ہی پایا۔

وہ اپنے پندہ میں مشغول تھا... نیکوئیوں کے ساتھ بھی اس کی بات بہت اچھا تھا لیکن انہوں نے یہ بات بھی نوٹ کی کہ وہ کسی کام والی کو فری نہیں ہونے دیتی کہ... ایک حد میں رہی وہ حد جو عزت یا رعب کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ انہوں نے اسے اتنے عرصے میں جتن کے قریب چھٹتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اب معلوم ہوئی... وہ اس میں موجود خامیاں تلاش کر رہی تھیں لیکن ابھی قائل گرفت خانہ انہیں نہ لی... اگر وہ اس بیماری کو بھول جائیں تو ملتی ان کے بچے کے لیے بہتر نہیں... لیکن وہ دیکھی بات بھول نہیں پاری تھیں... یہ ایک بات ان سے نظر انداز بھی نہیں ہو سکتی... وہ شوہر کے سامنے اس بات کا اثر کر چکی تھیں کہ وہ اس رشتے سے خوش نہیں رہیں یہ بھی ان کی وہ اس بارے سے معاملے میں کوئی بھی بیماری نہیں اپنا نہیں گی... وہ اس بات پر بے حد خوش ہو گئے تھے اور یہ نیکان کا کریمہ یاد کرتے رہے تھے۔

وہ دل ہی دل میں خوب شرمندہ بھی ہوئیں لیکن جیسے تو انسان ہی۔ منظور صاحب نے ان کی لاپرواہیوں کو بھری مومن کی شکل دیکھنے کی خاطر بھی ممتحن اور اس کا کردار چہرہ دیکھ کر وہ دل کو سخت نہیں کر پاتے تھے... شیک اس طرح اب وہ بھی دل کو سخت نہیں کر پاری تھیں... ایک بات منظور صاحب نے مانی، ان کا ان دکھا، اب انہیں کسی بھی گرفت تھا۔ ☆ ☆ ☆

منتحبی اب کم ہی بچے آئی... آتی بھی تو ایسے وقت جب عیدالادری غیر موجود ہوتا تھا یا اپنی بہن سے دور رہا ہوتا۔ نے کی خواہش تھی جس لیکن جب

بھی وہ مگر آتیں مومن بہ وقت وہیں موجود رہتی اور ساتھ ہی زبردستی ملتی کو بٹھانے دیتی۔ وہ بات کریں نہ پائیں مومن نے ان کے ارادے کو جاننے کے لیے تھے اس لیے تو سائے کی طرح اس سے چسکی رہتی کہ سب کچھ وہ دہلی نہ جائیں... اسے شازن سے اب کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن وہ اپنی چھوٹی محبت میں مبتلا ہو چکی تھی، ممتاز اور سلیقہ کے رویے کا فریق اسے بہت محسوس ہوتا، وہ از خود سلیقہ کی جانب ممتحن چلی جاتی تھیں... اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ عیدالادری ان کی عقل میں ڈوب چکا ہے، اسے ممتاز کا ہر انداز ہی مشکوک لگتا۔

منظور صاحب نے ایک ایک اپنی بہن سے کوئی بات نہیں کی۔ وہ چاہتے تھے کہ ملکہ کیلئے خود کو راضی کریں پھر ہی وہ اس بارے سے بات کریں گے۔ فیصلہ تو جو ہو چکا تھا، یہ ریتا تھا لیکن وہ انہیں وقت دے رہے تھے تاکہ وہ خود کو تیار کر لیں۔

یہ بھی اچھا ہے، بہتر ہے... انہوں نے دل ہی دل میں خود کو کئی دلی... ان کے لیے اس بات کے لیے خاموشی اختیار کرتا ہی بہت مشکل کام تھا۔ وہ بغیر کچھ سوچے ہی اوپر آ گئیں... ان کا رعب ملتی کے کرپے کی جانب تھا... دروازہ کھلا تھا لیکن وہ غیر موجود تھی... ایک کونے میں بڑی ہی ٹیبل پر ڈھیر سارا سامان بڑا تھا... وہ کرے کو کرے دیکھی اس میں گرفت آپ گئیں... سامنے ہی دیوار پر موجود ایک بڑی فٹلی گھاس پر دو چھوٹے چھوٹے خرگوش موجود تھے... یہ بھی ان کے مومن دھماکے سے بنا تھے گئے تھے لیکن انہیں بنا نہیں گیا... انہیں بنانے کے لیے دوسرا طریقہ استعمال کیا گیا تھا... ایک کونے میں مومن کی ایک کار گرہ تھا... انہوں نے یہ حد میں ہو کر اس مومن کو دیکھا... غور سے دیکھنے پر انہیں علم ہوا کہ یہ تو سفید جراب سے بنایا گیا ہے... انہیں کسی آگ... اسی وقت ملتی کمرے میں داخل ہوئی... انہیں اپنے کمرے میں موجود چیزوں کی

طرف متوجہ دیکھ کر وہ حیران ہوئی... اسے لگا کہ وہ ضرور اس سے کوئی بات کرنے آئی ہیں... اس کے دماغ میں جھماکا ہوا... ناچندنا بدبو کیلئے سے دور کرنے کے لیے کچھ کے پاس جا کر ہی اسے دو چار دھمکیوں سے نواز کر اس مسئلے سے جان چھڑانے تو نہیں آئیں؟

شہر سے کوئی بھی آپ کی جو بھی پڑنے پر قادر نہیں، صرف سوچوں کو ہی بنیاد کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کی موجودگی کس کس کر کے انہوں نے اس کی طرف دیکھا... ان کے لیے یہ سبھی کمرانی... "آپ کب آئیں؟" وہ حیران تھی۔

"بس ابھی کچھ ہی دیر ہوئی ہے۔ تمہارے مشاغل بہت اچھے اور کوٹ ہیں۔ ان چارے پیارے خرگوشوں کو کچھ کر تو ایک بار میرا دل چاہا کہ اس کو گد میں لے لوں۔" ان دونوں کی کوئی بات نہیں تھی لیکن ملکہ نے بھی اس طرح عمل کر کر قریب نہیں کی... اسی لیے ملتی کو حیرت ہوئی...

"یہ تو بہت ہی آسانی سے بن جاتے ہیں اور جلدی بھی۔ وہاں حیدر آباد میں جب میں جنہیں بھی تب میری طبیعت پر غصہ دو غصے بعد خراب ہو جاتی... کبھی باہر لگے کے بچوں کے ساتھ کھیلنے کیلئے دور در پڑ جاتا تھی اس کو مل کر جاتے ہوئے... اس مسئلے کی وجہ سے بہت سے بچے جو میرے دوست تھے، وہ دوست نہ رہے۔ تھائی کی وجہ سے میں اداس رہتی، اس سے میری طبیعت مزید خراب ہو جاتی... پھر ایک دن ہمارے محل کی ایک بڑی خاتون جنہیں ہم سب ملتی تھی کچھ تھے وہ آئیں۔ وہ میرے لیے ایک چوڑا سلوا جاکتی تھیں... انہوں نے میرے لیے سفید قمیص پر اپنے ہاتھوں سے بہت خوب صورت کڑھائی کی... اس جڑے کو کو کبیرا دل چاہا میں کسی کسی کو اپنے ہاتھ سے کو کچھ بنا کر گئے میں دوسں کیا وہ بھی اتنی خوش ہوگا جیسا کہ میں ہوئی؟ اس دن کے بعد سے میں روزانہ کی کھانے لگی... تھوڑی عیدالادری ہوئی تو انہوں نے اپنا ہاتھ میری

ان انگلیوں میں پر دو یا۔ لیکن یہ ہائی چیزیں تو میں نے انٹرنیٹ سے دیکھ کر بتانا بھی ہیں۔۔۔ اس لیے اس یوٹیوب کیا کر کے ہوئے داستان سنا۔۔۔ مائی ٹی کا وہ جہزیوں سے بھرا کھڑے غرض والا حسین چہرہ اس کی نظر ہوں میں محکم کیا۔۔۔ میں آج تک یہ بات جان نہیں پائی کہ اس مصروفیت کی بدولت میری طبیعت میں بھڑکی آئی یا پھر وہ چہرہ دھڑکتا تھا۔ ہر کچھ نہ کچھ پر ہر کچھ چھوٹتی رہتی تھی اس سے یہ دور سے کم ہوئے۔۔۔ وہ ان سے پہلی بار یہ ساری باتیں میرے کمرے میں ہی پہلے ہی وہ اس کے پاس اکیلے کھینچی نہیں تھیں۔۔۔ بیشک کوئی نہ کوئی بات ہوتا تھا۔ آج کیسے کیسے وہ پہلی بار ان سے مخاطب تھی۔

”خدا کے کلام میں بہت طاقت ہوتی ہے۔“ انہوں نے زنی سے کہا۔

”واقعی ایسا تو ہے۔ اس نے بھی تائید کی۔

پھر انہوں نے اس سے کافی دیر باتیں کیں جاتے ہوئے انہوں نے اس کے کال کو چھوڑے

”مجھے جنہیں اپنی بہو بنا کر بہت خوشی ملے گی۔“ یہ جملے اس کے لیے بالکل غیر متوقع ٹکرائے

خوشی سے پھر پھرتے۔

وہ کتنی ہی دیر ان کی طرف سے قاتل یقین لگا ہوں سے دستبردار رہی۔۔۔ وہ چلی گئی۔۔۔ جبکہ متعلقہ ایک ایسی کیفیت کے ذریعہ اس کی جتنی سے پہلے اس نے بھی محسوس نہیں کیا۔۔۔ اسے یوں لگا جیسے اس کا بدن روٹی یا کھولا ہے اور وہ اس تیرتی پھرتی ہے۔۔۔

اس نے خوشی کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے گول دازے میں پھر لگ گئے۔۔۔ کھٹکھٹائی، ہنسی، کھڑکی کھول کر ہوا کی تازگی محسوس کرتے ہوئے اس نے اسے خوشبوؤں سے مغلط کیا۔۔۔ جب دل خوش ہو جب ہر چیز ہی محسوس ہوتی ہے۔۔۔ تو ثابت ہوا کہ اسے

عبدالہادی سے شادی کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اسے رنجش نہ ہونے کا خوف تھا اور جب آج اسے پندہ کی کی سند کی کو تو وہ ہر چیز بھول گئی۔۔۔ روزانہ سے

میں کھڑی بیٹھ اسے اس قدر خوش دیکھ کر حیران تھیں۔۔۔ کیا اس کے دل میں بھی عبدالہادی کی محبت نے گہرا کر لیا تھا؟ کیا وہ بھی اسی شدت سے جانتی تھی شہت انہیں عبدالہادی کے لب و لہجے اور انداز میں محسوس ہوتی؟

وہ وہاں سے چلی آئیں۔۔۔ ان کا دل ہونے لگا تھا۔ اگر ملکہ اسے قبول نہ کرتی تو اس کی پتی اپنی ساری زندگی دل بھر کر بیٹھتی۔

اس رات وہ سوچتی رہیں اور متعلق کی خوشبو بھری زندگی کے لیے دعائیں پاتی رہیں۔۔۔ جبکہ کتنی۔۔۔ وہ ایک بہت ہی پرسکون نیند سو گئی۔۔۔ وہ اپنی خوشی کی کردار لکھائی بھول گئی لیکن حیرت انگیز طور پر اس کی طبیعت بالکل عادی خراب نہیں ہوئی۔۔۔

☆☆☆

ایک بختے بھوان کا رشتہ ہے جو انے کا اعلان کر دیا گیا۔۔۔ ملکہ کی بہن ممتاز نے سخت غصے کا اظہار کیا۔۔۔ وہ انتہائی غصے سے ان کے گھر آئی تھیں۔

”تم ابھی طرح جانتی ہو کہ میری شازنہ سے تمہارے بچے کو کچھ نہیں ہے۔ پھر بھی تم نے اس کا رشتہ اپنے شوہر کی بھانجی سے لے کر دیا؟

میرا بچہ ہے زیادہ عزیز ہوئی ہے وہ نہیں۔۔۔“ وہ سخت دکھ اور تکلیف میں تھیں۔۔۔ ملکہ جانتی تھیں کہ کیا یہاں متعلق آئے گا اور انہیں اپنی صفائیاں دینی پڑیں گی۔

شازنہ نے ان سے کوئی گفتگو نہیں کیا تھا۔

”مجھے آج بھی شازنہ سے زیادہ کوئی بھی عزیز نہیں لیکن میں عبدالہادی کی مرضی کے لیے اپنی خواہش نہیں کر سکتی۔۔۔ متعلق جب یہاں نہیں کی تب

میں بھی نے تم سے یہی کہا تھا کہ اگر عبدالہادی کی مرضی ہوئی تو میں بھی رشتے کی بات پھیر دوں گی۔۔۔ میں نے اس وقت بھی تمہیں کوئی آسرا یا دلاسا نہیں دیا۔۔۔ جہاں تک شازنہ کے لیے بات ہے تو میں اس کے دل کی حالت سے واقف ہوں لیکن ایک اس کی خواہش کی توجہ نہیں۔ اس کی محبت کی طرف نہ ہے جب کہ متعلق میں عبدالہادی کو پسند کرتی ہے۔۔۔

تمہارے غصے کی وجہ مجھ میں نہیں آ رہی۔ کیا عبدالہادی نے شازنہ سے محبت کا دھوکہ چڑھا ہے؟ اس سے مجھ سے وعدہ کیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو یوں میں آج ابھی اسی وقت اس کا کھلاخ کر شازنہ سے کرواؤں گی۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو مجھ میں انتظار بڑا کرنا ہوگا۔ اس حقیقت کو سمجھنا ہوگا کہ ہمیشہ ہماری مرضی اور خواہش کے مطابق ہی ہر کام نہیں ہوتا۔ کچھ چیزیں ہماری ہمشاک کے اندر بھی ہوتی ہیں۔

عبدالہادی صرف میرا بیٹا نہیں تھا بلکہ بھانجی بھی تھیں شازنہ سے کا وہ کچھ ہو گیا لیکن اپنے بھانجے کی خوشی کو بھی نظر میں رکھنا ہے۔ کیونکہ تمہاری محبت صرف شازنہ سے کے لیے نہیں ہے۔ میرے عبدالہادی کا بھی حق ہے اس میں۔۔۔

ممتاز چپ رہ گئی تھیں۔۔۔ وہ حیرت کچھ کہنے کے قابل نہیں تھیں لیکن وہ وہاں رہی تھیں۔۔۔ متعلق کو دیکھ کر جو ان کے دل میں نفرت الٹتی تھی وہ انہما کو کھینچ گئی۔۔۔ انہوں نے اسے ایک نگاہ دیکھا اور دوسری نگاہ ڈالنے بھاگی وہاں سے چلی گئیں۔

اب تمہارے دل میں دل میں مجھ سے کتنی بد دعائیں دے کر گئی ہوئی ہیں۔ اس نے بے دلی سے سوچا اور بچے آگئی جہاں ملکہ کی گہری سوچ میں کم چھپی تھیں۔۔۔ ان دونوں کی تمام گفتگو وہ چلی گئی اور واقعی بات بھی درست تھی، اسے حیرت ہوئی کی کوئی اپنی محبت کا یوں بھی تھا شازنہ سے کیا؟

شازنہ سے کوئی بات کا احساس کرنا چاہیے کہ وہ لڑکی وہاں سے ہے۔۔۔ عبدالہادی کو اس میں دوپٹیا ہوئی تو مجھ سے شادی کے لیے منہ کیوں کرتا؟ اسی کا تھا کہ کیوں نہ تھا؟ اس کی ماں اور اسے ان بار لڑکیوں کا احساس کیوں نہیں یا پھر ان کی سوسائٹی میں یہ باتیں اپنی عام حیاں ہر کسی کی محبت نفس بزدل نہیں ہوتی۔

وہ یہ ہی سب سوچتی ہوئی باہر لائن نکلی۔۔۔ لائن میں کوئی بھی نہیں تھا۔ عبدالہادی ان دنوں بے حد مصروف تھا اور اس نے کھڑا کیا کہ وہ

وہ یہ ہی سب سوچتی ہوئی باہر لائن نکلی۔۔۔ لائن میں کوئی بھی نہیں تھا۔ عبدالہادی ان دنوں بے حد مصروف تھا اور اس نے کھڑا کیا کہ وہ

مصروف ہے۔۔۔ وہ نہ وہ اسے اچھا خاصا پریشان کر دیتا۔

اسے یاد کرتے ہوئے متعلق کے چہرے پر بڑی پیاری مسکراہٹ چمک اٹھی۔۔۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں تھی کہ عبدالہادی، اس کی زندگی کا سب سے بڑا خواب، خدا یوں آتی آسانی سے پورا کرے گا۔ لیکن یہ سچ ہونے والا تھا۔ اس خواب کو سچ ہونے میں کچھ چند ماہ ہی تھے۔ ہرگز رزاد تن کی طبیعت میں بھڑکی کی نوید نہ رہا تھا۔ اس کے چہرے کے حسن میں چند ماہ کا اضافہ ہوا تھا۔ عبدالہادی کو تو وہ پہلے بھی سب سے حسین لڑکی لگا کرتی تھی لیکن ان دنوں تو اس کا روپ ہی الگ تھا۔

اتفاقاً وہ اسی شام جلدی آ گیا۔ رشتہ طے ہو جانے کے بعد ہی اس نے متعلق کے لیے بغیر ہی لائن میں جھولنا لڑا دیا تھا۔ وہ جب بھی لائن میں آتی تھی مجھ سے پریشانی۔۔۔ باری نے اسے دیکھا اور فوراً ہی اس کے قریب پہنچ گیا۔

”یہاں کیوں بیٹھی ہو؟“ وہ اس کے برابر بیٹھے ہوئے بولا۔

”سوچ رہی ہوں کہ چاہ رہا تھا تو آگئی۔ آج تم جلدی آ گئے۔“ اس سے بات کرتے ہوئے اسے متعلق کا کچھ اور خورم ہو جاتا تھا۔

”ہاں، میں کئی دن سے مصروف تھا، تم سے ٹھیک طرح بات بھی نہیں ہو پائی میری اس لیے میں نے سوچا کہ آج وقت نکال کر تمہارے ساتھ کچھ وقت گزارا جائے۔“ وہ مسکرایا۔

”میں بیکر سے تبدیلی کر لوں، پھر باہر چلتے ہیں۔ ٹھیک ہے؟“ متعلق نے غصے ہوئی شکل بنائی۔

”کیا ہوا؟“ وہ نہیں جانتا تھا۔ اس نے پیار سے پوچھا۔ اسے پہلے اتھارنا ہی آگئی۔

”بھئی تم اس طرح سے بات کرتے ہو جسے میں لڑکی نہیں کوئی کبھی پتی ہوں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”لڑکیوں کا دل ہی بچپن جیسا ہوتا ہے۔ پیار



سے مکمل جالی ہیں۔ اس کی آنکھیں جھنگنے لگیں۔

”لیکن میں تو تمہارے پیار سے نہیں مٹتی۔“ وہ

شرارت کرنا لگی۔

”مجھ سے یا میرے پیار مٹا ہونے بجز میری

جہیں مجھ سے محبت ہوگی۔ اس سے زیادہ کی ضرورت

نہیں مجھے۔“ وہ مڑی سے بولا۔ ”مٹتی اس کا چہرہ جھکتی

رہ گئی۔“

”اتنی جلدی کوئی کسی سے اتنی محبت کیسے کر سکتا

ہے؟“ اس نے سوال کیا۔

”یہ تو تم خود سے پوچھو۔“ وہ ہنسا۔ ”مٹتی نے

جھولے کی پشت سے سر نکال دیا۔ اسے کسی تو عبدالباری

سے بے وجہ محبت ہوئی۔ محبت بے وجہ ہی ہوتی ہے

ہاں اسے برقرار رکھنے کے لیے وجوہات بہت

ضروری ہیں۔“

☆☆☆

اس شام کے بعد ہر شام وہ آفس سے جلدی

آ جاتا۔

اس کے ساتھ وہیں بیٹھ کر باتیں کرتا۔ مٹتی

چاہتی تھی کہ وہ شادی سے پہلے باہر کھوئے پھرے

کے مسئلے کو بیزر مٹھیں۔

اس نے مٹتی کی بات مان لی۔... چوتھیں مہینے میں

سے صرف ایک مہینہ عبدالباری کے ساتھ تھا کیونکہ کارخان

کے بعد تو اس نے پوری زندگی ہی اس کے کام کر دی تھی۔

دن بھر یہی سمجھتا تھا۔ بہت خوب صورت۔ مہاجر کی رات

ہیے، دین، کھانے، سنبھلے،... وہ ان کی خوشبو کو

محسوس کرتے سرشار رہتی۔ وہ جھولے پر بھی اس سے

باقوں میں جو ہوئی تو اسے لگتا اس سے جتنی لمحہ اس کی

زندگی میں بھی آتی نہیں سکتا۔ رات کو کھانے کی پٹیل سے پہلے

جب وہ سب کے ساتھ بیٹھی ہوئی عبدالباری اس سے چپکے

چپکے دیکھتا تھا۔ وہ خود کو عجیب سے احساس میں مبتلا پایا۔...

زندگی کی سب سے بڑی خوشی سے اس نے خود کو خرم

سمجھا لیکن خدا نے اسے ہر روز سے نوازا دیا کیسا اس

دنیا میں اس سے بھی زیادہ وہ خوش قسمت لڑکی موجود

ہوگی؟ وہ اکثر سوچتی۔

جب سے اس کا رشتہ سے ہوا تھا شانزے سے

اس کی ملاقات نہیں ہوئی۔ اس نے دو بار اس

دروازے سے اندر قدم رکھا تھا مگر شانزہ نے

آنکھیں بند کر دی تھیں اور ملکہ اس سے اس

قدر برم غمیں کر انہوں نے ایک کال بھی نہیں

کی۔... رشتہ انہیں کی بارگاہی نہیں تھا کہ وہ ان سے ایک

بار بات کر سکیں۔

”میں کی صورت فون نہیں کروں گی۔... ہلا یہ

بھی کوئی بات ہوئی۔ انہیں اپنا ہی غم کھانے

سوار ہے۔ بیٹی کی بھانجی سے کہ اس کا دل ٹوٹا ہے۔ وہ

دکھ ہوئی اس لیے اس نے آ جانا بند کر دیا۔ ممتاز کو

کسی بات کا خیال سنا ہے؟ پہلے ہی جب میں نے

صاف صاف کہا تھا کہ اگر عبدالباری کی رضا ہوئی

تو میں ضرور شانزہ سے کہہ دوں گا۔ اس وقت ممتاز

نے یہ بات کی کہ وہ جلد از جلد شانزہ سے کا رشتہ طے

کرنا چاہتی تھی اس لیے وہ انتہا نہیں کر سکی۔ بلکہ

مجھ سے تو یہ سیک کہا کہ ایک جگہ دوہرے کی بات چلا

رہی ہیں۔ میں نے تو جب بھی کوئی خط لکھا یا بارگاہی ظاہر

نہیں کی کہ ایک جانب وہ یہ بات کہہ رہی ہیں اور

دوسری طرف وہ کسی اور جگہ رشتہ طے کرنا چاہتی

ہیں۔ میں نے بھی سوچا کہ شانزہ سے دسی ہوئی۔

اب اگر عبدالباری چاہتا ہی نہیں تو کیا میں

زبردستی اسے شانزہ کے ساتھ باندھ دوں؟ اسے

اپنی جی چاہیے۔ پھر چائیا کی میرا سواٹا ہے؟ وہ

بہت مزیدار ہے۔ اور میری میں۔... رشتہ نے گل سے ان کی

بات نہ لی۔

”اب کیا خبر کہ شانزہ سے مجھ میں بہت دوری

ہو۔ آخر چہنچہن سے وہ اسے پسند کرتی ہے۔ ماں کا دل

ہے۔ وہ کہنا ہوا کہ انہوں نے یہ سب کہہ دیا۔ آپ کم

از کم ایک فون تو کر سکتی ہیں۔“ وہ سمجھاتے ہوئے

ہوئیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اس موقع پر کسی بھی قسم

کی کوئی بد فہمی ہو۔

”شانزہ سے بیٹی سے لیکن ممتاز کو تو عقل کرنی

چاہیے۔... کم از کم بیٹی کو سمجھانے کے یہ سب قسمت کا

کریل ہے۔ ماؤں کی عقل نہیں، بیٹے کیا ان

پارکیوں کو سمجھیں گے۔“ وہ واقعی شدید غصے میں

تھیں۔ رشتہ چپ ہو گیا لیکن مجھ پر بعد انہوں نے

پھر سے ڈگر چھیڑا اور انہیں کال کرنے پر راضی کیا

لیکن یہ رشتہ اب اس قدر دیر ہو گیا کہ ایک دوسرے کی

فکال نہ رہتی رہی تھیں۔

رشتہ کے کہنے پر ہی انہوں نے ممتاز کو فون کیا

تھا۔ بہن بارگاہی کارخانہ کرنے کے بعد بھانجی کیا سوچ

کر انہوں نے چوتھی کال پر فون نہ کیا۔

”بیٹو۔“ بہن ہی روکھا انداز تھا ان کا، ملکہ کا

دل بکھوڑا تھا اب ہوا۔

”کیسی ہو ممتاز؟ شانزہ کا کیا حال ہے؟

بہت دن ہو گئے تم دونوں سے پکڑی نہیں لگایا۔“

انہوں نے بات شروع کی۔

”ملکہ وہ تو تم میری بڑی بہن ہیں مجھے تمہاری

بے کسی پر بڑی حیرت ہوتی ہے، کسی عورت ہو تم؟

میرے سے پہلے پر تنگ چھڑک رہی ہو؟“ وہ گڑبگڑا۔

”میں نے ایسا کیا کہہ دیا۔ جو کہیں پہلے پر تنگ

چھڑکنا تھا۔“ انہیں تو کچھ میں ہی نہیں آتا تھا۔

”عبدالباری ابھی طرح چاہتا تھا کہ شانزہ سے

اسے پسند کرتی ہے، پھر بھی اس نے یہ سب کیا اور

اگر تمہاری بددلت ہوئی تو وہ بھی اس کی طرف کی آئی

لڑکی سے شادی کی خواہش نہ کرتا۔ میں بس ایک ہی

صورت مانوں گی۔ اگر تم عبدالباری کی شادی رشتہ

کے بجائے میری بیٹی سے کرو۔ شانزہ سے مجھے

خود غشی کی دھمکی دی ہے، اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں تم

سب کا بیٹا حرام کر دوں گی۔“ ان کی ذیباظن کر تو

ملکہ کا دماغ ہی گھوم گیا۔

”تم ان بیٹی کو نرم ہے کہ نہیں؟“ شانزہ سے اسے

پسند کرتی ہے تو یہ اس کا مسئلہ ہے۔ میرا بیٹا مٹتی سے

پیارا کرتا ہے۔ اور اگر میرا بیٹا، ملکہ کے چھوڑ دے میری

خود غشی نہیں کی کہ میں شانزہ کے کہہ دوں گا، تو کیا تم

دونوں میں اتنی ہی بھی عزت لگس نہیں کہ اس بات کو

محسوس کر کے ایک طرف ہو کر بیٹھ جاؤ؟ اگر نہیں نہیں

چاہتی تو بھی تم ہی بیٹی کو میرے سر پر مسلط کرو گی؟ ایسی

کال کی ہے تمہاری بیٹی میں جو تم اس ایک گھر کے سوا کہیں

اور اسے پا جائے ہوئے ڈرتی ہو؟ اور زبردستی تمہارے

حوالے کرنے کے لیے تمہارا بنا کر گشتی ہو؟ ہوو۔

جواب دو۔“ انہوں نے غصے میں وہ سب بھی کہہ دیا جو

نہیں کہنا چاہتے تھا۔ رشتہ ایک طرف چھینا ہو کر بیٹھ

گئیں۔ اب انہیں افسوس ہوا تھا کہ کیوں انہوں نے

ممتاز کو فون کرنے پر روک دیا۔ دوسری طرف یہ ملکہ کا

کلیں ملکہ نے غصے سے فون بند کر دیا۔ ان کا کالی کی سی

ہوئے لگتا اور چہرہ سرخ۔ رشتہ کچھ ہی نہیں باہری ہل

کر وہ ملکہ کا دل کیسے کریں۔ کچھ دیر بعد انہوں نے خود

یہی موضوع شروع کیا۔

”میں تو بھی ممتاز کی خود غرضی محسوس ہی نہیں کر

سکتی تھی، وہ تو میرا وہاں کی ڈالٹا ہوا تھا۔ اس لیے۔۔۔ دل

تو چاہتا ہے کہ مجھ سے ہمیشہ کے لیے رشتہ توڑ

دوں۔“ انہوں نے سرخ چہرے کے ساتھ کہا۔

آنکھوں میں کی روٹتی۔ لیکن ایک بات تو سچی، اور وہ

یہ کہ جب سے انہوں نے مٹتی کو دل سے قبول کیا تھا

جب سے ایک بار بھی انہوں نے روز بروز بڑھتے

حالات کا مٹتی کی عبدالباری کے سر ڈال کر مزہ نہیں

نہیں بنائی۔ بلکہ انہوں نے عبدالباری سے ذکر بھی

نہیں کیا تھا۔

”اگر وہ اس وقت ہوش نہ ہو چکی ہوتی تو آپ کم از

کم اس کو ہوش نہ دیکھتے۔ اس وقت لڑنے جھگڑنے سے

سائل نہیں ہوں گے۔ بلکہ اندازہ ہوتا کہ وہ یہ سب

کہیں کی میں بھی سمجھتی ہیں اس سے بات کرنے کے لیے

زور نہ دیتی، مجھ سے ملتی ہوئی لیکن ان کے اس

روئے کو باطن میں سمجھ کر نظر انداز کر دیتے۔ جوابی

کارروائی کا کوئی فائدہ نہیں۔ میری تو بس اتنی ہی

خواب غش ہے کہ میں رشتوں کے بننے سے چارے

رشتے خراب نہ ہوں۔“ وہ درساں سے ہوئیں۔ ملکہ

کے چہرے کا تناؤ کم ہو گیا۔

”میں نہیں شاید تم نہیں کہ پہلے میں مٹتی کو بہو

بنانے کے لیے باطن میں راضی نہیں تھی، اور میرے

دل میں جو غم داشت تھے، انہیں میں سے تمہارے بھائی کے سامنے رکھ دیا، انہوں نے مجھے سمجھایا بلکہ میرے راضی ہونے کا بھی انتظار کیا۔

پھر میں نے دل سے اپنی بیوہ لیا۔

مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا کہ میری صرف ایک ہال سے اتنے سارے لوگوں کی خوشی جڑی ہے، اگر پہلے معلوم ہوتا تو میں کسی انگارہ نہ کرتی۔ اور انگاری کہ جب یہ بھی جی کہ مجھے لگتا تھا کہ میں عبدالہادی کو بالکل پسند نہیں کرتی لیکن یہ بات تو مجھے ان کے رشتہ سے ہو جانے کے بعد معلوم ہوئی کہ وہ بھی اس کی محبت میں مبتلا ہے۔

مفتی بھی تو لڑی ہے، اسے بھی عبدالہادی سے شوق تھا لیکن اس کی وجہ سے عبدالہادی کی ذرات مسائل میں نہ گئے، اس لیے اس نے اپنے دل کی کمی نہیں کی، صرف دماغ سے کام لیا۔ اور ایسا تمہاری اپنی تربیت سے ممکن ہوا۔

جبکہ دوسری طرف میری بہن ہے۔ شازنہ کو کوجائے سمجھانے کے وہ اس کی ذات کو تماشاً بنا رہی ہے۔ بنانے میں کسی کے سامنے اس نے عبدالہادی اور شازنہ کی جمعی دو طرفہ محبت اور پھر صوفی کے لیے تھے۔ شازنہ نے وہ دماغ سے مفتی کے بارے میں کیا کیا کمال افشاں کرتی پھر رہی ہوئی۔ ان کی پریشانی بجا تھی۔

☆☆☆

اس کے بعد ممتاز اور اس کی بیٹی سے ملنے کے قطع تعلقی کا اعلان کر دیا تھا۔

ملکہ کوہرہ کو شازنہ سے یاد آتی۔ سننے میں آیا تھا کہ وہ ساراقت کرہ بندہ کے پڑی رہی ہیں۔ ممتاز اس پر یقین چلاتی رہتی ہیں۔ ان کا دل بھی سب پریشانی محسوس کرتا رہتا۔ اور ہر ایک روز انہوں نے دل بڑا کر کے ان کے گھر کی راہ لی۔ عبدالہادی کو بھی زبردستی ساتھ لیا۔ حدش کو عبور نہیں ہو سکتی۔ ملکہ سیدھا اس کے گھر سے نہیں گئیں جہاں وہ اندھرا کچے بیڑ پر بیڑی کی۔ روز وہ ملنے ہی اس نے اپنی آنکھوں پر ہار دوڑا لیا۔

”کون ہے؟“ میں نے منع کیا ہے کہ باکرے کرے میں کوئی نہ آنے سے تم لوگوں کو بات سمجھ میں کیوں نہیں آتی؟“ وہ چلا کر بولی اور سامنے میل پڑے گلاس کو اٹھا کر مارا۔ ملکہ کے دل کو مجھے کسی قسم میں جکڑ لیا۔ انہوں نے لائٹ آن کر دی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ شازنہ نے ان کی آنکھوں میں جبکہ وہ شازنہ کی حالت دیکھ کر حیران میں، ان آنکھوں کے نیچے ملے، انہیں بے ترتیب ہال، لکایا ہوا چہرہ اس کے خوب صورت ہونٹ سوکھ کے عجیب سے دور ہے تھے۔ اس کی آنکھیں بھی دیران میں۔ پہلے تو انہیں لگا کہ وہ شاذین کے لئے پوچھنے کی جگہ ہے لیکن انہیں دیکھ کر وہ دزد کرمان کے سینے سے لگی، وہی وہی روئی کوئی اور کسی مرگ پر پردہ ہے۔ اس کے دلوں کی آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی۔ عبدالہادی نے بچے بیٹھا تھا۔ آوازوں سے گھبرا کر ادھر دوڑا جہاں دونوں خال بھاگی ایک دوسرے کے گلے لگ کر آکسو بھا رہی تھیں۔

”کیا حال بنا دیا ہے تم نے؟ کیا ہو گیا ہے؟“ انہوں نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے یہاں سے لے جائیں۔ پلیز خال۔ میں یہاں رہوں گی تو کھٹ کھٹ کر مچاؤں گی۔“ اس نے تڑپ کر روئے ہوئے کہا۔

”پس کجاؤں گی کئی پٹی بچی؟ لیکن پہلے تم ریلیکس ہو جاؤ اور بتاؤ کہ کیا ہوا ہے؟“ انہوں نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

”ای بی بالکل پاگل ہو گئی ہیں۔ ایک دن مجھے سے کہا کہ میں یہ فائل لے کر آغا صاحب کے پاس جاؤں۔ وہی آغا جنہوں نے اگلے کے آفس میں بھی مجھے چھوڑنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے جانے سے منع کیا تو وہی نے کہا کہ یہ کاتریت ایک ہی صورت انہیں ملے گا جب میں آغا صاحب کے پاس یہ فائل لے کر جاؤں گی۔ میں کوئی بچی تو نہیں ہوں کہ میں ان

بار کیوں کو بچانے نہ پائی، اس لیے میں نے سختی سے انکار کر دیا۔

”تمہی نے مجھ سے کہا کہ آغا صاحب مجھ سے شادی کی خواہش رکھتے ہیں اور اس سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔

میں جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ میں ان سے شادی کے لیے ہاں کر دوں گی۔ لیکن جب میں وہاں پہنچی تو انہوں نے مجھ سے دست دراز کی کہ خوش کی اور۔ اور مجھے بتایا کہ اس کے بارے میں کسی کو سب کچھ معلوم ہے۔ انہوں نے مجھے کی ریکاڈ ڈون کال کی تھی۔ کہتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی یہ سب کچھ آغا شاذینک تھا کہ دونوں اس کا چٹا بالکل بیت بین کر رہے تھے۔

”ممتاز! اس کیسے کر سکتی تھیں۔“ یہ سب ان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

”بھیر۔۔۔ بھیر تم وہاں سے کیسے واپس آئیں؟“ انہوں نے کانٹے سے میں سوال کیا۔

”بہت مشکل ہے۔“ وہ ایک بار پھر رونے لگی۔

”ای خدا۔ اللہ۔۔۔ یہ سب دیکھنا روہ گیا تھا۔“ ان کا دل جیسے بند ہونے لگا۔

”بیویں کی اتنی عرصہ باقی لاغ۔“ ممتاز نے اس کی تہی پھر۔۔۔ وہ بھی روئے لگیں۔ جبکہ عبدالہادی کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

”ممتاز! کہاں ہیں؟“ اس نے سخت غصے سے پوچھا۔

”وہاں اس میں ہیں۔“ اس نے آہستگی سے کہا۔

”اور تمہارے پاپا؟“ ان کے سوال پر اس نے گھڑی سا مسکری۔

”ان دونوں کا کئی ماہ سے مجھڑا چل رہا تھا۔ کچھ وقت پہلے ہی بابائے اپنے آپ کو برس سے الگ کر دیا اور وہ باہر جا چکے ہیں۔ اور ان کا دوسری کا کوئی ارادہ نہیں۔“ اس نے مزید تفصیل بتائی۔ ان کا تو دماغ ہی گھوم گیا تھا۔ یہ سب اچانک، ان کی تو سمجھ تو بجا حجاب کے تھی۔

انہوں نے پھر سے اسے گلے لگایا۔ کافی بہرہ وہی کے پاس رہیں۔ عبدالہادی کچھ دیر وہاں دک کر جا چکا تھا۔ جبکہ ملکہ نے اسے اپنے ساتھ لے کر لیا، وہ تو جیسے اسی انتظار میں تھی۔ فوراً تیار ہو گئی۔

☆☆☆

انہوں نے شادی کی تیاریاں تیز کر دی تھیں۔ دن بھی بہت جلدی جلدی کر رہے تھے۔ مفتی بہت خوش کی گئیں جب میں اسے شازنہ سے یاد آئی وہ بھی ہو جائی۔ اسے بابا سے بات کر کے وہ ان کے پاس بھجوا دیے تھے۔ عبدالہادی البتہ کئی دن کر رہے تھے۔ ان کے بعد میں چپ چپ تھا۔ اسے ممتاز سے ان سب چیزوں کی تفصیل نہیں تھی۔

وہ اس کی بہت قریبی دوست تھی۔ بچپن کی ساتھی، وہ اس کے سامنے رہتے ٹوٹ گئے تھے۔ اس نے بھی دل کو سمجھایا، اور خود کو پھر سے مفتی کی ذات میں گم کر دیا۔ مفتی تو اس کے لیے ایسا پرسکون گوشہ تھی جس پر نگاہ نہ پڑے ہی اس کی آنکھیں خفگی ہو جاتی تھیں۔ وہ دونوں بہت دن بعد اس کریم کھانے گئے تھے۔ تقریباً تین گھنٹے باہر کرار کر جب وہ گھر آئے تو چہرے اطمینان سے، دکھ سے بچے۔ ملکہ ان دونوں کو پھر سے مارل ہوتا دیکھ کر خود کو پرسکون محسوس کر رہی تھیں۔ جب وہ وہ دینار مار چکے یہاں ان کی کسی تب سے اب تک ان کی طبیعت عملی طور پر گم ہی ٹھیک رہی تھی۔ ایک تو ان کا ہوا تھیں کس کا علاج چل رہا تھا، اس وجہ سے جب بھی انہیں انکسٹر گئے انہیں تیز بخار ہو جاتا۔ رات بھر وہ درز سے تڑپتی رہتیں۔ دوخت ہونے کی وجہ سے ان کا ذہن اچھا خاصا کم ہو گیا تھا، لیکن اور بڑے سکی ان پریشانیوں اور پھر شادی کی تیاریوں میں انکسٹر بے کس وجہ سے گم ہی ہو چکے تھے۔ پھر وہ دن بھی آیا جب ان کی آنکھوں نے اس خواب کو چھوٹا دیکھا۔ مفتی کو سر پر بیٹھے میں دکن بنے نہ بیٹھے کی خواہش بھی پوری ہوئی۔

☆☆☆

عبدالباری منظور صاحب کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس صاحب سے وہ سینے دارانہ گفتا کرتا دیکھتے تھے، انہوں نے کروائے، یہ ایک ایسی شادی تھی جو کئی سال یاد رہے والی تھی۔

وہ دونوں شادی کے دن بے حد حسین لگ رہے تھے۔ ان دونوں کی جوڑی ایسی تھی کہ جو دیکھتا ہے اعتبار ہی تعریف پر مجبور ہو جاتا۔ دولہا بیٹا عبدالباری سب کی نظر بچا کر اسے دیکھ کر قیامت کیوں لگاؤ لگتے ہیں اسے خاصی خوشی کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ فوراً ہی بے جگہ خالی ہو جائے اور وہ شریانی جانی ہی ملتی کہ کچھ بھر کر دیکھے۔ وہ آج تک بھی اتنا خوش نہیں ہوا، زندگی میں بہت کم اس نے حاصل کیا تھا لیکن ملتی ہوئی کی روپ میں دیکھ کر اس نے دل سے جو حسین اور فرشتوں کے دریا بہتے محسوس کیے تھے ان کا پانیان مانگن تھا۔

رات کے آخری پہر ہی وہ دوسرے میں آسکا۔ ملتی دین بنی اس کا انتقاد کرتے کرتے سو گئی۔ وہ بھی بے حد لکھ لکھا گیا تھا لیکن خود سے بھی بے خبر ملتی کو دیکھتے ہی اس کی ساری محسوس ہوا ہوئی۔ ملتی پارلر جا کر تیار نہیں ہوئی تھی۔ اس نے کیا تھا کہ وہ مصروفی رنگ و روپ خود پر تعجب کر وہ اپنی اصل شکل چھپانا نہیں چاہتی۔ سو نہ نے ہی اسے تیار کیا۔ پارلر سے میک اپ میں بھی وہ لگا لی حسین لگ رہی تھی۔ شاید وہ اس بات سے واقف تھی کہ اندرونی خوشی کے باعث جو حسن ان دونوں اس کے چہرے پر بکھرا ہے وہ مصروفی لوازمات کے انتہائی استعمال سے دب جائے گا۔ کائی درمیک وہ اس کے چہرے پر لگا لیجئے بھائے بھٹار ہا۔ اسے وہ سارے منظر یاد آئے جب جب وہ اس سے دور بھاگی تھی اور تمام چہن چہن جو اس نے اس سے اپنے ہی دل کی خواہش کا گھٹو کھٹو کر لیے کیے۔ اس نے سوئی ہوئی ملتی کا ہاتھ تھام کر بے حد خوب صورت کی انگو پھنپائی۔ وہ ایک دم جا کی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”تم کب آئے؟“ اسے سامنے بٹھا کر دیکھ

اس نے جھک کر پرچہ دے دیا۔ وہ بہت گہری ہنسنے سے جاگی۔ وہ انھیں سب کی عجیب طرح سے کھول پانے سے قاصر تھی۔

”کچھ دیکھیں میری دیر ہوئی۔ تم آرام سے لیٹو، میں پیچ کر کے آتا ہوں۔ بلکہ کوہا“ وہ انھما اور فرنج میں سے آگے کیم کال کر لے آیا۔

”تم یہ کھاؤ۔ پھوپھو تیار ہی نہیں کرتے تم نے کھانا بھی نہیں کھایا۔“ اسے پاؤں تھا کہ وہ پیچ کر نہ چلا گیا۔ جب وہ وہاں آیا تو وہ بھی کپڑے تبدیل کر چکی تھی۔ رات چہرہ نہیں دھو یا تھا۔ کھلے بال دونوں اطراف بکھریے تھے۔ وہ اس کے بے حد حریف بیٹھ گیا۔ ملتی ایک دم سٹی گئی اور فوراً پاؤں اس کے سامنے کر دی۔ اس کی بولی نظروں کی تاب لانے ملتی تھی کہ اس کی سب سے بھرا عبدالباری نے اس کا ہاتھ تھام کر بوسہ دیا اور اپنی پائیں اس کے گرد پھیلا دیں۔

☆ ☆ ☆

شادی کے ایک ہفتے بعد ہی وہ دونوں اپنی مومن کے لیے شادی علاقہ جات کی سیر کو نکل کھڑے ہوئے۔ وہ کئی بار ان حسین پر لگا ہوا، خوب صورت بیٹے دریاؤں اور بلند پہاڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ اسے ایسے گمان ہوتا تھا کہ وہ شہزادے کے ساتھ اس کے گھوڑے پر سوار ہے۔ ٹیری میڈیڈ دیکھ کر تو اس کے دل میں بے خواہش پیدا ہوئی کہ وہ نہیں اس کی پسینوں میں اپنا کھر بسالے۔ زندگی بڑی حسین ہو گئی۔ کسی انوکھے خواب جیسی۔ وہ اس کا یوں خیال رکھتا تھا جیسے وہ کوئی نازک کی ہو یا پھر جیسا کہ چھال۔ ان دونوں کو اتنا خوش و خرم دیکھ کر سلیقہ کے سارے غم دور ہو گئے تھے۔ جو کئی ان دونوں کو ساتھ دیکھنا ان کی جوڑی کی تعریف کیے بغیر نہ رہتا۔ جگہ کئی روایتی آوازیں کی طرح ٹھکر جگنے کے خوف میں ڈھکیچڑھائی۔

ملتی کی طبیعت میں بزرگ تانہ بہتر لے کر آ رہا تھا لیکن یہ خوشی عادی تھی۔ بہت تھوڑے وقت کی

یہ اس صبح کی بات ہے جب ملتی عبدالباری کو بچا کر اور سلیقہ کے کرے میں آئی تھی۔ وہ بہت گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ اس کے کچے کچے پرانے کپڑے۔ ”اکی ناشتا بنیں گیے۔ آج میں ناشتا کر رہی۔“ اس کے جیتنے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ سکر رہیں۔ اس کی شادی کو تین ماہ ہو چکے تھے اور کچھ ہی دن پہلے انہیں یہ خبر ملی کہ وہاں بے ڈال ہے۔ اس خبر نے اس کو خوش کر دیا تھا لیکن وہ سب کے دلوں میں جاگ رہا تھا۔ سب سے زیادہ خوف زدہ ملتی کی جبکہ عبدالباری اتنا ہی ریلیکس اور مطمئن، سلیقہ دونوں بھر دعا میں کرتی رہیں کہ خدا اسے صحت مند اولاد سے نوازے۔ جبکہ ملکہ کا دل دوسروں میں ہی گھرا رہتا۔ وہ عجیب طرح خوش بھی نہ ہو پائی تھی۔ سلیقہ ان کے پرانی سے واقف نہیں لیکن وہ اپنی اپنی چیزوں دے سکتی تھیں۔ جب صاف تھی، نہ ملتی سے عبدالباری کی شادی ہوئی نہ یہی پر پریشانی کل از وقت ان کی زندگی میں آئیں۔ تائیسے کے بعد وہ لکھا کہ وہ پھر سے کمرے میں لٹ گئیں۔ اوپر ملازمہ صفائی کی غرض سے آئی تھی لیکن ان کی دی چلا دیکر وہیں بیٹھ گئی۔ سلیقہ کو طبیعت کچھ لکھ لکھ نہیں کر رہی تھی۔ انہیں لکھ کر لا رہی تھی کچھ عجیب سا محسوس ہوتا تھا۔ ملتی کی شادی ہو گئی کی لیکن آئے والے دن بیٹھانوں نے سلیقہ کا پی پی ہائی کر دیا تھا۔ ہر وقت کچھ سوچ ان کے دل و دماغ پر سوار رہتی کہ اگر ملتی کی اولاد کئی اسی مرض میں مبتلا ہوئی تو؟ اس تو کے آگے صرف اندر صبر تھا اور کچھ نہیں۔

دوا کے اثر کے باعث کچھ ہی دیر میں ان کی آنکھ لگ گئی۔ ان کی دی پر کوئی ڈرامہ چل رہا تھا جس کی آواز اس ان کے کمرے سے تک با آسانی پہنچ رہی تھی۔ ان آوازوں کے باعث ان کی نیند بار بار ڈسرب ہو رہی تھی لیکن پھر بھی وہ گہری نیند سو گئیں۔ کچھ ہی گزری تھی کہ ان کی آنکھ لگا کر جیسے کچھ دوری ہے۔ یہ رونے کی آواز بچوں میں بدل گئی۔ وہ بڑا بڑا کراہنے لگی تھیں۔ انھی دو گھر سے سانس لے رہی تھیں کہ

ایک بار پھر رونے کی آواز ان کے کانوں میں گونجی۔ وہ خوف زدہ ہو کر آواز پر غور کی بغیر ہی باہر کی طرف دوڑیں۔ ان کا رخ بیٹھوں کی طرف تھا۔ سوتے ہوئے بھی ملتی اور اس کے ہونے والے بچے کے بارے میں عجیب عجیب خیالات نے ان کا دماغ بوسل کر رکھا تھا۔ پھر اس خواب نے رسی بھی سکر پوری کر دی اور اس کی دلی پر چلنے والے ڈرامے کی آوازوں نے انھیں اکبر میں جتلا کر دیا تھا۔ غار سے اٹھتے دھوکے ساتھ جب وہ بیٹھیاں اترنے لگیں تو پھر آجائے کے باعث ان کا تیر پھیلا۔ وہ آخری روز بھر کی بھی چچی جوان کے کیوں سے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ بیٹھ سے لیک لگائے خالی فرش کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اتنی دشت تھی کہ عبدالباری بھی اس کی طرف دیکھنے سے گریزاں تھا۔ پچھلے چاروں سے وہ ہسپتال میں تھی۔ کچھ روز پہلے ہی اسے ہوئی آواز تھا اور عبدالباری اس کی حالت دیکھ کر پھر سے ڈر گیا۔ ان چاروں میں اسے کئی دور سے دیکھتے تھے اور دروں کے بعد ٹوٹی بے ہوئی نے ملتی کی حالت باکلی غیر کر دی تھی۔ اسے تو اس بات کا بھی پتہ نہیں تھا کہ اس حادثے کے بعد اس کی ذہنی اور جسمانی حالت کی خرابی کے باعث وہ اپنا بچہ بھی کھو چکی ہے۔

عبدالباری اس کے قریب آیا اور اس کے بالکل بائیں ہاتھ کی ملتی کی آنکھوں میں آنسو بھرے لگے۔ وہ اس وقت لاؤنج میں ہی تھی جب اس نے اپنی ماں کی دل درد و جھجج تھی۔ ان کے سر اور ناک سے پھلنے والے خون کو دیکھتے ہی اس کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ انہیں اسی وقت ہسپتال پہنچایا گیا لیکن وہ راستے میں ہی دم توڑ گئی۔

ملتی کی زندگی کا سب سے بڑا دکھ جو اس کے لیے روگ بنے والا تھا۔ ملتی کو ایک رشتہ تھا جس نے اسے اپنی محاسن میں رکھا۔ پیلا، بوسا، ہنست کی تار کا رے کسی بھی چیز کی محسوس نہ ہو۔ اس

کی بھاری کوسب سے چپا کر رکھا تا کہ وہ کسی کی بھی رحم یا بخاری مجری نظروں سے نہ دور ہے، اس کی زندگی میں انا سا بیٹا پیدا کرنا ہی تو چھوٹا ان کا مقصد تھا وہ پورا پورا وہودہ تھی کچھ چڑھ کر چلی گئیں۔

عبدالباری نے اسے اپنی ہاتھوں میں لے لیا تا کہ وہ اپنے دل کا بوجھ کم کر سکے، روئے دیکھے، مگر کے قیام انفرادی اس حادثے کی وجہ سے شدید دکھ کی کیفیت میں تھے، ان کی تو ٹھیک طرح سے انہوں نے سکھ کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ اپنوں کے قریب آئے انہیں کچھ ہی وقت تو ہوا تھا۔ لیکن خدا کی مرضی کے آگے بھی بھلائی کی جلی ہے؟ جو ہوا تھا ہو کر با۔

کچھ پر بعد منظور، ملک اور موت بھی ہسپتال کے کمرے میں آ گئے۔ منظور صاحب نے اسے لے لگایا تو وہ ہلک ہلک کر رونے لگی۔ سب کا دم بھر سے تازہ ہو گیا ہے کمرے سے آنے والی رونے کی آواز میں سن کر ڈاکٹر وھرائے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

”آپ جانتے ہیں کہ چھٹ کی کنڈیشن اچھی نہیں۔ پھر بھی آپ لوگ۔۔۔“ وہ سخت برہم ہو کر بولے۔ منظور صاحب نے روئی ہوئی مٹھی کو بڑی مشکوک سے چپ کر دیا۔ روتے روتے وہ بالکل ہی غم حال ہوئی، طبیعت میں بہتری تو کیا خاک آئی تھی لیکن اس نے شام ہوتے ہی مگر جانے کے بعد شروع کر دی۔ عبدالباری نے اس کی کٹلی کی فون کے تار کا تھا کہ وہ کمر آگئی ہے۔ فون پر پھینکی دن سے کراہی میں تھی اور اس سے دو دہاٹے ہسپتال بھی آئی تھیں دونوں ہاتھوں پر ہوتی ہی پایا۔

عبدالباری کی خواہش تھی کہ وہ مٹھی سے لے، اس کا تم لگا کرے۔ ایسے کسی صدمے سے بچنے کے لیے ایسے طرحی لوگوں کی ہی ضرورت پڑتی ہے جن کے ساتھ ہم نے عمر کا بیشتر حصہ گزارا ہو۔ اس کا اندازہ درست ثابت ہوا تو مزے سے لے کر وہ دیر تک روئی رہی، مٹھنوں این دونوں کی سسکیاں وہ کمرے سے باہر بیٹھا سنتا رہا لیکن دل کا بوجھ ہلکا جانے کے فوروزیہ کے ہاتھوں اس نے خود را بہت ہی سہی لکھا

کھائی لیا۔ اس رات وہ عبدالباری کے بیٹے سے گئی کوسب سے روئی رہی۔ صبح عبدالباری چاکا تو اسے قرآن پاک پڑھنے پایا۔ وہ ایک دم سکون ہو گیا اور اس کے قریب آ کر بیٹھا قریب بیٹھے ہی اسے احساس ہوا کہ کتنی کا دل سکپا رہا ہے اور قرآن پاک کا تھکا تھا دل۔ مٹھی نے تکلیف کی شدت سے آگے نہیں بڑھیں۔ مٹھی کو لگ رہا تھا کہ گرگز تار دن بلیتے سے بچھرنے کے تم کو تازہ کر رہا ہے۔ اسے صبر نہیں آ رہا تھا۔ پورا پورا دل وہ ان کی صورت کو لے کر بیٹھی رہتی، اس کی سانس اور تندہ سے جتنا ممکن تھا وہ اس کی دل چوٹی کر تھیں۔ فون پر بھی اس سے تقریباً دو دن ہی لے آئی تھیں۔ وہ بچل نہیں با رہی۔ درود کی شدت میں اضافہ ہوا جا رہا تھا۔ تقریباً پچھتے ہی اسے دورہ پڑ جاتا ہے۔ یومرت حال شدید تشویش ناک تھی۔ سب سے زیادہ ڈانڈیت میں عبدالباری کی ذات تھی۔ مٹھی کو اس حال میں دیکھا، اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔

دو شدید کمزور ہوئی تھی، اس کا دماغ شدید غم کے حصار میں تھا۔ ماں کا صدمہ اس کے لیے اتنا بڑا تھا کہ بچے کی قبر میں کبھی اس نے صرف خانہ نظروں سے اپنی سانس کو چکایا۔ اس کے اندر جینے کی امید بالکل ہی دم توڑنے لگی تھی۔ اس پر مستزاد کمرہ سردی کی شدت میں دن و دن اضافہ ہو رہا تھا۔ مٹھی کی زندگی کے لیے یہ صورتحال کافی خطرناک تھی۔ کمزوری اور سردی کی درود میں اضافے کا سبب یہ بنی تھی۔ ان میں کچھ دنوں کے اندر یہ دم و دم پوئی کی پتلا لگی۔

عبدالباری کی آنکھ میں ہوتا یا کھر بہر وقت اس کے ذہن پر مٹھی کی بیماری کا خوف چھایا رہتا۔ اس کی طبیعت نہ بڑھ جائے اسے دورہ نہ پڑ جائے، وہ خوف زدہ ہوا اسے دیکھا۔ دوسری جانب مٹھی اپنی جگہ شرمندہ تھی۔ اپنی وجہ سے پورا مگر تکلیف میں مبتلا تھا۔ خصوصاً اس کا شوہر اس سے ایک سے ایک بیٹھا لڑکھڑکاتا رہتا ہے۔ شادی کی ہی اور آج بھی وہ اسی

کی گھر میں لگانا تھا۔

طرح طرح کی سوچوں نے اسے ہر دم بے حال سا کر رکھا ہوتا۔ آگے نہیں بڑھ سکتی، رہی سہی کمر درود میں نہ پوری کر سکتی تھی۔ ہونٹ کے بیٹھے لگتے۔ عبدالباری مرد تھا، کسی کے سامنے آنسو نہیں بہا سکتا تھا۔ لیکن جب وہ سو جاتی عبدالباری اس کے قریب بیٹھ کر اسے دیکھا رہتا۔ اس کے بالوں میں الگ الگ بچھرتے، اس کے کوسبے ہونٹ اور بے رہتی چہرے کو دیکھتے ہوئے غمناک تھی بالائی کھینچ چکے تھے۔ وہ فون پر چھوٹی کوسٹ کا کام لیا لیکن مٹھی اس خوف سے کہ کہیں اس کے حوصلے پست نہ دیکر مٹھی بالکل ہی ہاتھ پیر نہ چھوڑے۔

شادی کے کچھ ہی دن انہوں نے خوش و خرم گزارے تھے۔ مٹھی اس کے اعزاز سے بھی کہیں زیادہ خوش تھی، اور وہ بے عہد کس کا اظہار بھی کر ڈاٹی تھی۔ جب وہ اس کی طرف مسکرائی نظروں میں دیکھتے ہوئے ڈھیر دن بائیں کرتی تب اسے یقین ہی نہیں آتا تھا کہ وہ اس کے ہمراہ ہے، اس کے قریب ہے، اس کی ہونٹیں ہے۔ لیکن یہ خوشی بہت عارضی تھی۔

انہی دنوں شانزہ سے اس کی بات ہوئی۔ جب سے وہ اپنے پایا کے پاس گئی تھی تب سے ان دونوں کو کوئی رابطہ نہیں تھا البتہ ملک کے منہ سے وہ اس کا ذکر سنتا رہتا تھا۔ شانزہ نے اسے فون کیا۔ وہ ان دنوں ان کی تکلیف میں تھا کہ اسے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے کسی دوست کی ضرورت تھی۔ وہ مٹھی سے اس تکلیف کا ذکر نہیں کر سکتا تھا جو وہ اسے اس حال میں دیکھ کر محسوس ہوئی تھی۔ وہ بلیتے چھوڑ کے بارے میں بھی اس سے اظہار نہیں کر سکتا تھا کہ وہ پھر سے رونے لگ جاتی تھی اور یہ رونا کسی کی کھٹے جاری رہتا۔ پھر اس کی طبیعت پر حرج پڑا اثرات مرتب کر دے۔ ایسی حالت میں شانزہ نے اس کے کوسب محسوس کرنا عبدالباری کی کھوڑا سا سکون کر لیا۔ اس سے بات کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر کے اس کا دماغ کچھ سونے کے

قابل ہوا۔ سب سے پہلے کچھ کچھ کراس نے مٹھی سے تھانے کا کہا۔ اس کے کہنے سے اس نے تھاکر اچھا سا جڑوا بہا۔ وہ کوشش کرتی تھی کہ وہ تھاکر دوبہ اپنا تے لیکن اس سے بے ممکن ہی نہیں ہو پاتا تھا۔ آج جب اسے دن عبدالباری نے اس سے لیکر کوئی فرمائش کی تو وہ بیٹھ کر کھڑکی صاف تھوڑے لباس میں مٹھی کا تھا تھا کا سا وجود دیکھ کر وہ برکتی سرگیا تھی آگئی سے عبدالباری کے بیٹے سے لگ گئی۔

”جانی جانی ہوں کہ میری وجہ سے آپ کی اور اس گھر کے کسی کو کوئی کی زندگی کا سکون اور ہم برہم ہو گیا ہے لیکن کیا کروں؟ یہ سب میرے بس نہیں ہیں۔“ وہ جھپکے جھپکے ہوئی۔ عبدالباری نے اس کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار مشہور کیا۔

”میری زندگی کا سکون صرف تم ہی ہو۔ تمہارے ساتھ ہوں اس لیے زندہ ہوں۔ تم نہ ہوئی تو مجھے میرے کمرے میں گزارے۔ ایک دوسرے کی سگت میں ہم نے اب تک جیتنے دن بھی گزارے ہیں، وہ خوشی سے پھر پھر ہوں یا تم سے بڑھا۔ ان تمام دنوں کا ایک ایک لمحہ میرے لیے قیمتی ہے اور ہمیشہ رہے گا کیونکہ اس ہر لمحے میں میرے ساتھ جیتے اور میں تھانے ساتھ تھا۔

تم وہ عورت ہو جو صرف میری محبت نہیں ہے میرا سب کچھ ہے تم بھولی تو میرا خون بڑھے گا، تم روؤ گی تو تکلیف مجھے بھی ہوگی۔ تمہاری سیات ہی میری زندگی ہے۔ کبھی مجھ سے دور مت ہونا۔ اور کبھی یہ بات نہ سوچنا کہ تمہاری تکلیف سے میرا کون بڑا ہو رہا ہے۔ اس سکون ضرور دہم برہم ہوتا ہے لیکن تمہیں اپنی اذیت میں دیکھ کر اور اس لیے کسی سے شدید نفرت محسوس ہوتی ہے جو مجھے تمہیں اس تکلیف میں دیکھتے ہوئے بھی ایک خاموش تماشا بنی ہے۔“

تم ان تمام محاملات میں سے بس ہو لیکن اپنا خیال رکھتے میں سے بس نہیں۔ تمہارے پاس صرف آج کا کام ہے۔ تم نہ تھانا دو جانتی ہو ورنہ لین لیکن

آج کے بعد میں جنہیں اس طرح بے قرار نہ دیکھوں۔" تاکہ کمراس نے ملحق کو خود سے الگ کیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا، چہاں ایک عجیب سا سکون تیر رہا تھا۔ یہ سکون ان آنکھوں کا مہربان موت تھا جو ابھی ابھی اس نے ادا کی تھی۔

عبدالباری نے اسے دروازہ کھلائی اور سلام دیا۔ اس کے سوجانے کے بعد وہ پلپ ہاپ سے گر بیٹھ گیا۔ لیکن کوئی تو ایسا دل ہو گا جو اس پناہ کی کمی کا باعث بنے گا۔ وہ سوچتے ہوئے کی دروازہ چمک کر کے سرخ کرنے لگا۔ اسے کچھ باطل ہوا تھا کہ مری کی صرف یہی ایک جگہ تھیں۔ اس کی اور بہت سی اقسام ہیں۔ مگر وہ باتیں جنہیں ہم بھوت پریت کے اثرات سے جڑ دیتے ہیں وہ بھی مری کی وجہ سے ہیں مثال کے طور پر بیٹھے بیٹھے خاموش ہو جانا، کسی بات نہ کرنا نہ جواب دینا۔ کچھ لوگ اس چیز کو بھی جنات کا اثر سمجھتے ہیں۔ اچانک ہی مریٹ کو کسی خفیہ کا محسوس ہونا، سوتے ہوئے اٹھ کر پلٹے لگنا۔ یا کسی چیز کا نظر آنا جو کمرے سے غائب ہو موجود ہوتی ہے۔ وہ دہڑتے ہوئے شدید جہان تھا۔ ان اقسام میں ہر گز بے ہوش ہونا نہ جگہ ملحق کی پیاری شریک تھی مگر جو کہ پریشانی اور دکھ کے حالات میں بڑھ جاتی تھی۔ وہیں اسے علم ہوا کہ ان دوروں کو آپریشن کے ذریعے کافی حد تک کم کیا جاسکتا ہے۔ اس نے ایک ہی رات میں تمام حقیقتات نکال لیں۔ اب اسے کمرہ میں کرنی تھی۔

☆☆☆

عبدالباری آپس سے آنے کے بعد پچھلاؤ بیچ میں ہی بیٹھ گیا۔ موند سے کہہ کر اس نے ملکہ اور ملحق کو بھی وہیں بولایا۔ منظور صاحب پہلے سے ہی وہاں موجود تھے۔

"کوئی خاص بات ہے جو ہم سب کو یہاں بلایا؟" ملکہ نے اس کے پاس بیٹھے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔  
"میری بات تو خاص ہے۔" اس نے تنہی کی سے کہا۔ سب کی نظر تیس اس کی جانب اٹھ گئیں۔

ملحق نے بھی اسے دیکھا، عبدالباری اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ آج بھی دوسرے کے بعد کی محنتوں بعد ہوس میں آئی تھی۔ چہرہ لعل زرد دور با تھا اور انکھیں یوں بے رون تھیں جیسے کبھی کوئی خوشی نہ دیکھی ہو۔ عبدالباری نے اپنی نظریں جھکا لیں۔ کیا سے کیا ہوئی تھی وہ۔

"یہاں بولو بھی کیا بات ہے۔" منظور صاحب نے ہنسی سے پوچھا۔

"مجھے ملحق کے حوالے سے بات کرنی تھی۔" اس نے بات کا آغاز کیا۔

جڑواں چادری ہے، ہر دوسرے تیرے دن تو بھی لختے بعد دوسرے پڑتے ہیں۔ اور یہ سب ملحق کی زندگی کے لیے شریک خطرہ ہے۔

"یہی بات تو مجھے ہر وقت پریشان کرتی ہے۔" اچھی بولی بڑی تھی، بھانے کسی کی نظر لگ گئی۔ "منظور صاحب سخت دگر تھے۔

"سب سے زیادہ مسئلے کی بات تو یہ ہے کہ اس کی ردائیں بھی اپڑ نہیں کر رہی ہیں۔" ملکہ نے لکچہ میں بھی پریشان تھی۔ "اور جو اذیت اٹھانا پڑتی ہے اسے، میں اس اذیت کو صرف محسوس کرتی ہوں تو میرے رد کرنے کے لیے ہوجاتے ہیں۔ یہ معصوم تو اس تکلیف کو محسوس رہی ہے۔" انہوں نے ملحق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ نظریں جھکا کر بیٹھی تھی۔ وہ وہی تھی کہ یہ سب اس سے بہت محبت کرتے ہیں لیکن ان سب کی محبت بھی اسے صواب کو نہیں کر سکتی تھی۔

"اس مسئلے کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ ہے آپریشن۔" ملحق نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ وہ تو اس بات سے ہی ناواقف تھی کہ مری کی کمرہ میں آپریشن سے ٹھیک ہو سکتا ہے۔

"ہاں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ملحق۔ یہ واقعہ مل ہے جو ہمیں اس اذیت سے نجات دلائے گا۔" وہ اٹھ کر اس کے قریب آکر بیٹھ گیا۔  
"مجھے آپ سب سے اسی بارے میں مشورہ

کرنا تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سب اپنی رائے دیں۔" اس نے ملکہ اور منظور صاحب کو باری باری دیکھتے ہوئے کہا۔  
"مگر جاننے ہو کہ ملحق کی صحت بالی سے آگے کچھ بھی نہیں لیکن کیا یہ آپریشن کا سیلاب ہوگا اور ملحق بالکل ٹھیک ہو جائے گی؟" انہوں نے سوال کیا۔

"دس میں سے سات لوگ اس آپریشن کے بعد صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ستر فیصد لوگ اپنی زندگی بھر بڑھ رہے ہوں گے۔" ملحق کی کہتی ہے؟" موند نے اس کی رائے جاننے کی کوشش کی۔

"میں ٹھیک ہو جاتا ہوں۔ آپ کے لیے۔" اس نے فریاد عبدالباری کی طرف دیکھتے ہوئے تم گھولیں لگا۔

☆☆☆  
آپریشن سے پہلے اس کی طرح کے ٹیسٹ کیے گئے۔ ٹیسٹس کے بعد آپریشن کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ ملحق سے بعد بھی ہوئی تھی۔ مگر سے ہمارا فون آ رہے تھے۔

"کاش ہائی لوگ بھی یہاں ہوتے، میرا تو خوف سے دل بند ہو رہا ہے۔" اس نے رو دیا تھی ہو کہہ کر۔

"میں ہوں تاکہ ہمارے ساتھ۔" پھر سچ چہرہ کا ڈر ہے جس پر سب ٹھیک ہو جائے گا اور اگلے ہی لختے ہم پاکستان میں ہوں گے اور میں اور تم ایک بڑی بھاری مومن کے لیے جا رہے ہیں۔ ان شاء اللہ۔ یہی دل مجبور ہو کر اور بڑھ کر کہہ رہی تھی۔ یہ تھا شایعہ کہ انہوں نے ملحق کی پیشانی چمائی۔ ملحق نے اس کے بازو پر ہر رکھ رکھا۔ انکھیں موند میں۔ دل کی بے قراری میں آہستہ آہستہ کی آئے گی۔

پھر وہ دھکی آ گیا جب اسے آپریشن کے لیے لے جایا گیا۔ اس سے کچھ دیر پہلے ہی فون پر سے لے کر اس کی دادی تک سب نے اس سے بات کی اور ڈیڑھ دو بج گئیں دیں۔ اس کے بعد موند، ملکہ اور منظور نے بھی باری باری فون کر کے اس کی دل جوڑی کی۔ عبدالباری تو تھا اس کے ساتھ، اس کے پاس۔

آپریشن ہو گیا۔ اس ایک ہفتے میں اسے ایک بار دور دراز، عبدالباری کو لگا جیسے ساری کوشش انکا لگ گئی۔ ڈاکٹر کے ہجھانے پر اسے معلوم ہوا کہ ملحق کو شدید کمرہ زردی اور صحت کا کام سامنا تھا اس لیے ایسا ہوا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ملحق کا آپریشن کامیاب نہیں ہوا۔

ایک ماہ کے اندر وہ بالکل صحت مند ہو گئی اور ان کی زندگی میں دو خوشیاں لوٹ آئیں جو دھکی گئیں۔

☆☆☆

میں ملحق عبدالباری ہوں۔ دنیا کی سب سے خوش قسمت عورت۔ خدا نے مجھے ہر وہ نعمت دی جو کہہ بھی عورت کا خواب ہو سکتا ہے۔ بے حد محبت کرنے والا شوہر، صحت مند بیٹے۔ مجھے آج بھی وہ دن یاد ہے جب ملکی کی پیدائش سے قبل میں نے عبدالباری سے کہا تھا کہ یہ نہ ہو کہ تمہاری سب خراب ہو جائے اور یہ بیٹے بھی اسی مرض کا شکار ہوں جس کا میں بھی۔ تب اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ تمہیں بیمار یوں سے خراب نہیں ہوتیں۔ بد اخلاقی، ہوس اور بدکاری سے خراب ہوتی ہیں۔ پیاری تو خدا کی طرف سے آتی ہے لیکن اگر کسی کی رون کو یہ موزی امراض لگے جائیں تو موت ہی اس کا واحد علاج ہے۔ خدا مجھے نکل اولاد دے یا بیمار۔ میں اس کی رضا میں راضی ہوں۔ صرف تمہارا اچھا ہو۔ ان اصولوں کو سننے کے بعد میرا دل چاہنے لگا تھا کہ میں تمہارے سے کسی سر نہ اٹھاؤں۔ اسی مرد خدا نے میری زندگی کے ہر رنگ میں گھولے ہوئے گھولے سے چھانے کے لیے بیچا چھانے سے ہمراہ کیا یا بنایا۔

اور جب کوئی میراں ہو جائے تو زندگی بھولوں کی سچ بن جاتی ہے۔

☆☆☆

# وفا کے گہرے گہرائیں

وہ اگر حسین تھی تو کیونکر ممکن تھا کہ حسن پرست نہ ہوئی۔ اس پر اٹھنے والی نگاہوں نے اسے بار بار یہ یاد کر دیا تھا کہ وہ خاص الفاظ ہے اور شریک سفر کی سند پر ممکن ہونے والی کسی بھی خاص الفاظ ہوئی ہے۔ یہاں آکر اس کے اندر کا مغربی ہونے کیلئے لگا تھا۔ مگر حالات کے پیچیدہوں اور وقت کے چابک نے پل بھر میں ہی شہر بانو کی دنیا کو ڈالا تھا۔ صابر کے ساتھ اس کے رشتے کی بات چل چلی تھی اور اماں اس رشتے پر نہ صرف راضی تھیں بلکہ اس کو بھی راضی کرنے کے لیے پورا زور لگا رہی تھیں شہر بانو کے قواہوں کا گھڑا ہی چلتا چر رہا تھا۔ وہ خواہوں خیالوں میں رہنے والی بیٹیوں کے باڑے کے مالک سے کیسے اپنے نزدیک جذبات جوڑ سکتی ہو رشتہ کی تریب کر دی۔

”اماں میں اس صابر سے شادی نہیں کروں گی میں صاف صاف بتا رہی ہوں پھر نہ دہنا کہ میں نے بتایا نہیں تھا۔“

شہر بانو نے ہاتھ وہ ناک بھونچا حواسے ہوئے کہا تو ندرت بیگم کو دیکھتے ہی ہلکے گئے تھے۔ انہوں نے زوردار صوفے کے اس کی کمر پر جڑے تھے۔ ”ارو بیجنت کارا بی ہے اس صابر میں نیک“ دیکھا بھلا ہے۔ سنے دارو عزیز داری سے اپنا بھینسنا کا باڑہ ہے۔ کھلا دودھ کھسکیں گی ہر شے کی بہتات ہے۔ تو قسمت کی دہنی ہے جو کھرچنے ایسا رشتہ آگیا ہے۔ نہ انکار کی صلیب پر چڑھنا پڑا نہ

اپنی ہر عمر کیوں کی طرح انتظار کی ادیت سبھی پر دہی ہے تو کیا کھسکی ہے اس صابر کو کیوں کی کوئی ہے ایک چھوڑ دس دل جائیں گی بس ان لوگوں کا دل آگیا ہے تو بھند ہیں۔

سارا قصور وہ ان موئے رسالوں کا ہے جن میں منہ بے لگی مگر کتنی دقتی ہے بچانے کیا کیا خرافات نکلیں ہوئی ہیں جو تیرا دماغ سا توں آسان پر پہنچ گیا ہے۔ روز تو کبھی اس معقول رشتہ سے انکار نہ کرتی۔“

”اماں معقول رشتہ کے کہتے ہیں۔ چار بیویوں سے ہی خوش ہو جاؤں۔ اور جو ساری عمر ان بیٹیوں کے کندھ میں گزاری ہوگی۔ دم ٹھٹھا ہے میرا یہ سوچ کر کہ تمام عمر اچلوں میں لے لی۔ ممکن زوہ ماحول اور آلودہ فضا۔“ شہر بانو کا سوچ کر دم ٹھٹھا ہے کہ اس کا مجازی خدا دودھ پیتے کھرچا کر کا دودھ کا کچ کے دوسرے سال میں ہی کیٹلڈاڑ کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کی خواہش مند تھی اس کا اپنی خوب صورتی کا حد بڑھ تھا اس میں زیادہ قصور اس کے ابا کا تھا۔ قصوروں نے اسے ہمیشہ شہزادی کہہ کر بچا رہا تھا اس کو کھانا دلایا تھا کہ وہ سب سے اگلی ہے جس کی شہزادی جیسا تھا اس کو مزید مفرد کر گیا تھا جو بیٹی اس کی کسر بھی دو کا کچ جانے کے بعد اس کی ہم عمر لڑکیوں نے پوری کر دی تھی۔

”زیادہ بحث نہ کرو جاؤ بچن میں اپنے ابا کے لیے جانتے پتاؤ۔“ اماں شاید اس سے مزید بحث کے لیے تیار نہیں تھیں اس لیے اس کو کام پر لگا دیا تھا وہ بھی برا ماں نہ تھیں جن بچن میں آئی تھی۔ بچے پر چڑھے کا پانی چڑھا کر وہ کپڑے میں رکھنے لگی تھی جب دروازے پر زوردار دستک ہوئی تھی۔ ابا جو کھرچے کے آگے آگے میں جا رہی تھی پر ہم دروازہ خواستہ تھے۔ انہوں نے ٹیپو کو آواز دی تھی کہ جا کر دیکھے دروازے پر کون ہے۔ ٹیپو ہوم درک کی کالی رکھ کر لپک چمک

دروازے پر گیا تھا اور ہنسا سگرا ہوا ہوا تھا۔ دروازے پر گیا تھا۔ ”ابو بھائی آئے ہیں۔“ بچنے نے اطلاع دی تھی صابر کے ساتھ میں کہ گرم سوئے اور دیکھیں گا شابر تھا۔ صابر نے عقیدت سے وہ شابر زارا بیگم کو بھیا تھا۔

”ارے بیٹا اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ تمھارا آنا ہی خوشی کا باعث ہوتا ہے۔“ ندرت بیگم نے غلات سے کہا تھا۔

”بیٹا بھی کتنی ہیں اور پھر تکلف کی بات بھی کرتی ہیں۔ یہ کہہ کر صابر نے ندرت بیگم کو ہان کر دیا۔ شہر بانو بھی نہیں کھڑی صابر کی ساری بات سن رہی تھی۔

”ابو اس طرح کی بچی چیز ہی باتوں سے ہی تو سب کا دل موہ لیا ہے۔ ممکن لگا خوب آتا ہے۔ ہمیں جو ہوئیں قند ہیں۔ اس کا موڈ آف ہو چکا تھا تب بھی ندرت بیگم بچن میں آئی تھیں۔“

”یہ بچہ وہ شابر طریقہ سے ساری چیزیں ڈرے میں رکھ کر چائے کے ساتھ باہر لے آتا اور ہاں اپنے منہ کا ٹکڑا زور دہرست کر کے آتا۔“ ندرت بیگم اس کے گریز پر کاغذ کو پھینک جاتی تھیں۔

صابر ان کا کھلے وار تھا اور دروازے کی عزت دار تھی اس کی ندرت بیگم جانتی تھیں کہ یہ رشتہ صابر کے ہی ایما پر پران چڑھ رہا تھا۔ صابر کی ایک بڑی اور ایک چھوٹی بین دروں کی اچھے رشتہ کے انتظار میں ماں کی دلچسپ رہنمائی ہوئی تھیں۔ ایسے میں صابر کی شادی کا ذکر کھرچیں کی کو بھی ایک آٹھ پندرہ نہیں آیا تھا۔ سیدہ بیگم کو صابر کی یہ فرمائش سراسر خود غرضی لگی تھی جس نے بہنوں کی ڈولی اٹھنے سے پہلے ہی اپنی شادی کا رنگ الٹ دیا تھا کہ ماں باندے سے دھن زبانی رشتہ بانگ بٹھیں۔ بچا ہراس رشتے میں کوئی مسئلہ نہیں تھا کھرچیا تھی کیوں صابر کو شہر بانو کی خاموشی پر سراسر لگا کر تھی کھی سمجھ سکتی تھیں نہ بھی



آکر بتایا تھا کہ لڑکی زدھے ہیں سے بچی رہی تھی بچانے کیوں وہ مجھے خوش نہیں لگ رہی تھی اس کی خاموشی میں انکار رہا تھا۔“

بچا جب بھی کہ صابر آج اس معاملے میں شہر بانو کے تاثرات کا چھٹنے آیا بیٹا تھا شہر بانو کے عشق میں جلاؤ ایک مہرے سے کا کچ آئے جاتے اس کی راہ کا ٹکڑا تھا یہ اگ بات ہے کہ شہر بانو اس کی اس حاضری کو کبھی بھی خاطر میں نہیں لاتی تھی۔

وہ ندرت بیگم کے کسی سوال کا جواب دے رہا تھا جب وہ دھن جاں دکھائی دے گئی تھی۔ سفید کھیرے دار سرخ بھونوں والی بین میں وہ اسے پرستان کی کوئی شہزادی لگ رہی تھی۔ محبت پورے

زرد اور طریقے سے اس حملہ آور ہوئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح وہ اس کے سین میں گھویا ایک ایک اس کو دیکھ رہا تھا حتیٰ کہ وہ ٹرے رکھ کر جا بھی چکی تھی اور وہ جو اس کے تاثرات بھانپتے بیٹھا تھا اپنے ہی ہوش گموا بیٹھا تھا۔

☆☆☆

”قدرت بیکے کے گھر میں شبانی کی گونج تھی۔ آج ان کی نیت جگر کی شادی کا دن تھا سارے گھر کو رات کی پھولوں سے سنوارا گیا تھا، پھولوں سے روشنی کی گئی تھی۔ چہار سوزن دار قارب کے قہقہوں کی میلنگ بھری ہوئی تھی۔ گھر کے وسیع العریض آئین میں عی شادی کی تقریب میں شہدہ کی گئی تھی۔

دہن بنی شہر بانے کے حسین لگ رہی تھی۔ سرخ کا ہار لپٹتے ہیں، لبوس اس کا کراہا کھاتوں کو بوجھ کر ہاتھ پائی میں اس کے لیے سناں پہنائیں گے اس کی بڑی بہن زینہ اس کے قریب بیٹھ کر اس کے ہاتھ تھامے گی۔

”تھوڑی دیر بعد پرائی ہو جانے والی ہو۔ باہر ہمارے کی آمد کی خبر آ چکی ہے۔ تم اپنے گھر بار کی ہو جاؤ گی۔ دل میں کسی کے لیے ٹھنکی لے کر مت رخصت ہونا۔ نئے گھر کو اپنی محبتوں سے مہکا دینا۔ مکے ٹھکے یہاں ہی چھوڑ جانا۔

زورینے کیا بات کہ اس نے الباب آنسوؤں سے ہمراہ کاٹا تھا۔  
 ”آئی آپ کو کہانی کہتی تھیں کہ آنسوؤں سے  
 دلی دعا بھی رد نہیں ہوتی معراج کا درجہ پہنچتی ہے  
 پھر میری دعا کو رد ہو گئی ہے میں نے بھی تو پورے  
 خلوص سے دعا کی تھی کہ مجھے سلفی ہوئے  
 لوگ ملیں۔ میرا جیون سماجی میں چاہا ہوا تھا کہ چار  
 لوگوں میں متحافہ ہو کہ اسکوئی بھی تو میری آرزو  
 کیا نہ ہو کہ یہاں تک کہ.....“  
 اس کی نگاہوں میں شگے سے چل رہے تھے

815

آنسوؤں چمک رہے تھے۔

”ابھی تم نا کچھ ہو شادی شدہ زندگی کا  
باریکوس سے واقف نہیں ہو۔ زندگی میں قدم نہیں  
لگاؤ۔ جب تک زندگی میں قدم نہ رکھو تو کمرے  
اور کھوکھلے کی پہچان ہوگی والدین کی اپنی اولاد کا برا  
نہیں سوچتے ہیں۔ صابر بہرا ہے۔ اس نے دل کی  
گھڑائیاں سے نہیں سچا ہے اور اپنی جگہ سے اپنی  
محبت کو ہٹا کر دے گا۔ کون کبھی جانتا کہ تم  
کتنی خدی اور خود ہو۔ کون ہوتا جو تمہارے اس  
گھمنڈی وجوہ کو اپنا تڑپتے تو بہت سول کے آئے  
گر تم نے کچھ کو دھکار دیا اور تمہارے پیور کچھ  
بھاگ گئے۔ اب میرا نئے حملہ آؤ تو اچھا ہے۔ صرف  
کھل کی سب کچھ نہیں ہوتی ہے۔ انسان کھل اور کردار  
کی عظمت ہے بلند ہوتا ہے کھل کی خوب مورتی کمر  
کردار کا پونا کھل کسی کے دل میں کمر نہیں کر سکتا  
ہے۔“

شاید یہ بحث دلچسپ جاری رہتی اگر ماہر سے  
شہر بانو کے نام کی صدا لگتی اسے اس کی سکھوں نے  
صابر کے پہلو میں جا کر بٹھادیا تھا۔

کے

گزر کر اندرون سے داخل کیا گیا تھا۔ بادشاہی کمرے کے کمرے سے پہلا کمرہ اس کا سرگرم تھا اس کے ساتھ دلا دوں، بیڑوں کا تھا۔ پر ایک بڑا گول کمرہ اور اس کے بعد والا کمرہ ان دونوں میاں بیوی کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ تھکان صرف وہ جوش سراپت کر جاتے تو قابل برداشت ہوا کرتی ہے مگر جوش کائنات ذاتی طور پر یک دم سے سراپت کر گئی تھی۔ جسم کی اذیت وہ دیکھتی تھی، شہر ہاں کو لاؤحت خراب تھا۔ وہ کم خمد اس کے رات کو جلیوہ عربی میں بیٹھی اپنے بھائی کی خبر گیری کرتی تھی۔ کسی دن وہ اپنے بھائی کی نقوش دیکھ کر شہر ہاں پر توقیبت طاری ہوئے تھے۔

دوسری جانب صابر اس کی جذباتی گفتگو سے بے  
خبر اس کے وجود سے غشی خیرشودوں کی لیٹ میں آچکا  
تھا۔ شہر بانو تو اس کے دل کے پتے پتے پر قابض  
ہو چکی تھی کہ شہر بانو اتنا اور بے دلی کے ہر خانے  
میں لفظ محبت کو ہمیشہ کے لیے جہنم کر بیٹھی تھی۔ تب  
صابر کے احساس کی دھج بھی اس کو کھٹکا نہیں سکی  
تھی۔ صابر جتنا اس پر اپنی والدہانہ محبت بھجوا کر تادہ  
اتنی غصی عاجز آ جاتی تھی۔

”صاحب اس کے کرب پاؤں گھسنے کا تھا۔ مگر اصل وجہ جاننے سے قاصر تھا صاحب کا وجود شہر پاؤں کی بے اعتنائی کی گرو میں اٹ چکا تھا۔ وہ اب چادر بھی اپنی آنکھوں سے شہر پاؤں کا لالہ زوال عکس منائیں سکتا تھا یہ محبت اختیاری کب ہوا کرتی ہے۔ انسان کو چاروں خانے چت کر دیتی ہے۔

[illegible]

ہی رہتا اگر ایک دن سعید یہ بیگم کی مہرج دار آواز ان  
ہی کے کانوں سے نہ گہرائی۔

”میں کتنی ہوں محبت کرنے والی، تو آپاے ابھی تک تمہاری بیوی کا ہالہا یا اسی قسم ہونے میں نہیں آسکا ہے۔ دورو جوان نہیں کرے تک کھانا بیچنا آتی ہیں اس کو نہیں تو تم کو شرم آتی جا ہے مجرم کو نہیں شرم آتی، جب اپنے سہمے کے پھول کھاتے نہیں آتی جب کردہ بھڑوں کی ڈوٹی نہیں اٹھ کر سکتی، اس نواب زادی سے کہہ دو کہ آج سے اپنا خود کھانے اور خود کھانے میں اٹھاؤ اس کے چولہے کا تان، تو ہم نواب باز آئے۔“ معصومہ نے پاٹ دار سجے میں کہا تھا حاضر بیٹی شہ باؤ لہو سہی کی۔

”اماں آہستہ بولیں وہ سن لے گی۔“ صابر نے گھبراہٹ سے کہا تھا۔

”ارے سکتی ہے تو سن لے میں کوئی ڈرتی ہوں۔“ سعدیہ بیگم نے ڈاک فلفٹوں میں کہا تھا۔  
”اماں میں اس کو سمجھا دوں گا۔“ صابر نے  
دے دے لہجہ میں کہا تھا۔

صابر بیوی کے رعب حسن میں تھا۔  
 ”ہاں سمجھا دینا اچھی طرح ہے۔“

☆☆☆

رات کو جب بات کرنے کی غرض سے صاحب کمرے میں آیا تو دوستی بن گئی تھی۔ صاحب نے دل میں سمجھا ارادہ ہاوند کیا تھا کہ وہ صبح بات کرے گا۔ صبح سویرے ہی شہر ہاں جاگ بھگی کسی اس نے ہاگل ناموشی سے اطرانف کا جائزہ لیا تھا اطل خانہ کی دہلی گئی بندھی روئین تھی اس میں کوئی تہہ بلی نہیں آئی تھی۔

روزانہ کی دینی صفائی ستھرائی سعدیہ بیگم کا اپنے  
میاں زائد کے ساتھ مل کر بھیشوں کے بازوے میں جا  
کر دودھ دھونا پھر ڈولوں میں بلترتیب منھل کرنا  
اور پھر اس کے بغدادی کو چارہ ڈالنا یا لانا اس کے

بعدا ہٹتے کی تہا ری کرتا۔

دوسری طرف خانزادہ سارے آگن میں بکھرے  
چوں کا ڈیر صاف کرے ہاں کا ہتھ پٹانے چن میں  
آواز بھی۔ عاززہ سب کے سنے کپڑوں کا ڈیر  
ناشتے کے نورابعد صواب شرع کر دیا کرتی تھی۔ ابھی  
ناشتے سے فراغت ہی ہوئی تھی کہ دو پہر کے کھانے  
کی فکر تانے لگی تھی۔ خبر باؤ کو برزنگی بے حد مشتیں  
لگتی تھی۔ مگر بیچ قمار کمر کی توجہ اس کی آرائش کی  
طرف مبذول نہیں ہوتی تھی۔ روزانہ کی کچی بندگی  
روشن سے ہٹ کر میں بچو کی بھی ہوتا تھا تھی کہ  
دی چند سناں تھے جو ہر دوسرے دن بعد کھتے تھے اور  
حیرت کی بات یہ تھی کہ سب سر جھکا کر بالکل خاموشی  
سے کھا بھی لیتے تھے۔ عاززہ نے تو بیڑنگ کے بعد  
مزے تعلیم حاصل ہی نہیں کی تھی نہ ہی کو شوق تھا  
اس کی دیکھا دیکھی چھوٹی خانزادہ بھی مڈل کے بعد ہی  
پڑھائی سے ہتھ اٹھا کر گھر کرتی تھی جس جہت تھی  
ان کو گھر داری پڑھائی سے نسبتاً زیادہ آسان لگا کرتی  
تھی۔

آہستہ آہستہ شہر بالو بھی گھر کے کاموں میں  
باجھ پٹانے لگی تھی لیکن میں جا کر گندے برتن صودھتی  
بھکی خانزادہ سے پہلے چن میں جھادو لگا صراف کر  
دیتی تھی۔

اب اس کو بات بات پر غنیزنی نہیں کی جاتی  
تھی مگر کوئی اس سے مل کر بھی نہیں رہا تھا ایک  
ناخوش سی لہجے کی جواڑ بھی فیصل کی مانند اس کے اور  
اصل خانہ کے درمیان نا اہلی تھی۔

چوپایوں کی طرف سے سارے کام اور ساری  
ذمہ داری اس کے سرسری کی شہر باؤ کو یہ کچھ کر پھلا  
جھوکا بگ لگا تھا جب اسے معلوم ہوا تھا کہ صابری  
آگن میں جا بگ کرتا ہے وہ تو سمجھتی تھی کہ وہ بالکل ہی  
ان پڑھ پڑھائی مگر اب اس کے انداز نظم بھی  
شہر باؤ کو چٹکا جاتے تھے۔

”آج میں کھا دینا جانتی ہوں اگر آپ کو کوئی  
اعراض نہ ہو تو.....“ سارا دن فراغت اس کو اب  
ناگوار گزرنے کی تھی صابر کے جانے کے بعد غیر  
محسوس طریقے سے وہ اس کا انتظار کرنے لگی تھی ایک  
بھگوت سا تھا شاید جواب اس کو یہاں رہنا تھا تو ٹھٹکے  
لے کی بھی ضرورت تھی۔ اس لیے وہ اس باجول میں  
خود کو کھم کرنے کی کوشش میں بھگان ہو رہی تھی مگر سب  
صابری کی سن چاہی یہی کی نگاہ سے ہی اس کو پرہتے  
اور رہتے تھے۔

”تم پکنا جانتی ہو تو ضرور پکا لو مجھے کوئی  
اعراض نہیں ہے۔“ سہدہ بیٹیم نے ٹھٹکے سے اس  
کو کھانا پانے کی اجازت دے دی تھی۔

شہر باؤ نے بھنڈی گوشت بنایا مگر میں بھی وہ  
بھی نہ کھا وہ دل سے بنایا کرتی تھی۔ اس نے سامنے میں  
کھیر بھی بنائی۔ مگر بعد کام کیا تھا تو وقت بھی زیادہ گک  
گیا تھا۔

رات کو جب سب کھانے کے لیے بیٹھے تو  
سب نے ٹھٹکے سے شہر باؤ کے ہاتھوں کے ڈالند  
کو سراہا تھا۔

”واہ بہ جزا آگیا پہلی مرتبہ میں نے بھنڈی  
گوشت کھا یا ہے یہ لوگنا ناغام۔“

اس کے سرسے اس کے ہاتھ میں چڑا کر کے  
پانچ ٹوٹ رکھے وہ منہ کھولے بیٹھی رہ گئی اس  
نے یہ سب کسی انعام کی لالچ میں تو نہیں کیا تھا۔ صابر  
سے اس کی لگوں کا قصاص ہوا جو بیعت سے اس کو ہی  
دیکھ کر ہاتھوں سے چہرے کی چنگ تہا رہی کہ وہ  
بھی آٹا بہت خوش ہوا ہے۔

دو پہر کو اس کی سالی کی عادت تھی وہ کھانے  
کے بعد ضرور ٹیلبل کیا کرتی تھیں مگر شہر باؤ کو وہ پہر  
میں سونے کی بالکل بھی عادت نہیں کی اس وقت وہ  
شدید یوریت خصوص کر رہی تھی سب اہل خانہ سو رہے

تھے اس نے بالکل خاموشی سے بڑے گول کرے کا  
رہ گیا تھا جو کاٹھ کھڑ سے بھر ہوا تھا جب کہ ایک  
اسٹون مگر کے پیچھے کی جانب تھا ہاں سب ملے رکھا  
جا سکتا تھا۔ اس نے کی بار محسوس کیا تھا کہ اس کے جھیر  
میں اماں نے جو فریچر دیا تھا اس سے اس کا گھر وطن  
زورہ ہو رہا تھا۔ اس کے بجائے اگر اس سارے سے  
فریچر کو یہاں طریقے لیتے سے سجا کر رکھا جاتا تو  
آرائش کے ساتھ ساتھ ایک کمرہ مہمانوں کے بیٹھے  
کے لیے بھی بن جاتا جب بھی کوئی مہمان آتا اس  
کو کھانا ساس کے کرے میں ہی بجا کر اس کی خاطر  
تواضع کی جاتی تھی۔

اس نے سب سے پہلے پرانا فریچر جو خستہ حالی  
کا دکھاتا تھا اس کو پیچھے والے اسٹون میں جا کر باری  
باری رکھا تھا جھاڑ پونچھ کے بعد اس نے لکڑیاد جگہ پر  
اپنے جھیر کی کرسیاں اور سجادہ میں پھر اس کے  
ساتھ جھیر بھی رکھ دی تھی۔ کچھ قصاص پر پائی کی پکڑے  
میں لپٹی تھیں اس نے ان کو بھی جھاڑ پونچھ کر دیوار پر  
آویزاں کر دیا تھا۔

یہ سب کرنے کے بعد اس نے کرے پر گاہ  
ڈالی اس کی آغوش میں ہی کاوش کے بعد کمرہ چمک اٹھا تھا۔  
اس کا تھی تھی ہو گیا تھا صاف کر کے ایک مہذب  
مہمان کے لیے تیار تھا اس نے اپنے علیہ پر اس کا ہتھ  
ڈالی، مگر وہ جگہ گیا تھا خود اس کا اپنا جگہ لگا گیا تھا جب  
اس کو اپنے نام کی آواز سنائی دی مگر وہ تجوی  
سے باہر کی جانب چلی گئی مگر دروازے میں ہی  
ایستادہ ساس کی وجہ سے اس کا دست رک گیا تھا۔  
ساس نے کرے میں قدم رکھا تھا گاڑا کھوٹے  
کرے کا کاٹھ اندازہ جاززہ لیتے میں جو بھرت تھیں۔

”آپ ناراض تو نہیں ہوئی۔“ اصل میں،  
میں سو جا جب عاززہ آئی اور خانزادہ کے رشتے کی  
غرض سے لوگ آئیں گے تو ان کے بیٹھنے ان کی آؤ  
جگت کے لیے ایک ڈانگ ردم تو ہونا ہی چاہیے، یہ

تو ایک ضرورت ہے۔“  
سہدہ بیٹیم نے بنا کچھ کہے آگے بڑھ کر اس  
کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے بہت ساری دعا میں دی  
تھیں۔ شہر باؤ نے پہلی مرتبہ سہدہ بیٹیم کے چہرے پر  
اپنے لیے زری دیکھی تھی بعد میں خانزادہ نے بھی اس کی  
اس کاوش کو سراہا تھا اور ٹھٹکے دل سے اس کی تحریف کی  
تھی۔

☆☆☆

عاززہ کے لیے ایک شیشا آٹھا متوسط طے کے  
ہی سادہ سے ہی لوگ تھے ایک مختصر خاتون چند رنگی  
تھیں۔ عابدان کا انگوٹھا پٹا تھا ان کو گھر داری بھٹنے والی  
احساس کرنے والی بیوی کی ضرورت تھی۔ آٹا فانا  
سارے معاملات حل ہوتے چلے گئے تھے اگلے ماہ  
تھی مگر بھی ملے ہوگی تھی۔

شہر باؤ نے تپا تو دو گ بول دیا تھا۔ عورت  
اپنے آپ کو حالات کے عہد سے پر چھوڑ دیا کرتی  
تھی منافعت سمجھتا مقرر کا لکھا ہے سارے لفظ زبر کر  
لیتا ہے۔

شہر باؤ نے اپنی قسمت سے سمجھتا کر لیا تھا مگر  
ایک غلطی کی جو اس کو بے کسر رکھا کرتی تھی۔ مروی  
خندو تو پوری ہو گئی تھی مگر عورت کی خدمت میں نے اپنا  
آپ گونا دینا بڑے سارے رشتے نا کھو کر بیٹا بڑا  
ہے کی فرق تھی کہ صابری کی خدمت اجیت اس سے شادی  
کے بعد پوری ہو گئی۔

مگر اس کا پرانہ بیچ شام وہ اپنی جان لگا کر ادا  
کر رہی تھی۔ بہت مشکل سے اب اس کو بھی گھر کا ایک  
فرد تیار کیا جانے لگا تھا اس کی قربانیوں کا ہی صلہ تھا  
کراس نے بھی مشورہ کیا جانے لگا تھا یہ تمام بنانے  
کے لیے اس نے اپنا دل ہاتھ دیا۔

☆☆☆

اس کی ایک ہی دوست تھی تاہم جس کی شادی  
کی تقریب میں وہ شریک نہیں ہو سکی تھی اب اسے



عرسہ بغداد و شہر بانو سے ملنے کی سنائی تھی۔

”سناں کل میں اپنی دوست کو بلاؤں کیا؟ اس کی شادی میں بھی میں نہیں جا سکتی تھی۔ میری ایک ہی دوست ہے۔“

شہر بانو نے پہلی مرتبہ ازخود اس کو طلب کیا تھا وہ شہر بانو پر دم کیا تھا۔

”کون سے اعتراف نہیں ہے تم ایک بار ای سے بھی اجازت لے لینا۔ دینے کو دارم ہے میرے گھر والوں پر چلایا ہے امید ہے کہ اسی ہفتے میں وہیں کی دیکھو گی عجیب بات ہے کہ اسی تم کو جاودگرنی کہا کرتی تھیں اور آج خود ہی تمہارے دام میں آ گئی ہیں۔“

وہ لب بستہ رہ گئی تھی اس جاود کے لیے اسے اپنے کون بار یاد آتا تھا۔

پھر واقعی اس کو دواخی خوشی ہے اس کی ساس نے اجازت دے دی تھی اور بطور خاص صابر کو حکم دیا انداز میں کہا تھا کہ وہ شام کو جلدی گھر آ جائے اور کھانے بیٹے کی اشیاء میں کوئی کمی بیشی نہ کرے۔

شہر بانو بہت خوش تھی غلام تھا تو اتنا کہ تانیہ کا میاں ہے۔

میاں ہے۔ وہ خوب صورت تانیہ کی شادی کی تصاویر اس نے دیکھی تھیں اور سستی میں دیر وہ خود بخود دیکھ رہی تھی اس کے خوابوں میں کسی صورت سے بے حد مشابہت رکھتا تھا کہ اب یہ سب سوچتا میں فضول تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ صابر کو دیکھ کر اس کی دوست کے کیا تاثرات ہو سکتے ہیں مگر بھی اب اس کی زندگی کا پورا سچ تھا جسے اس نے قبول کیا تھا۔

شام کو تانیہ کی آمد سے محل میں وہ کھٹے کا ساسن اور برائی تیار کر چکی تھی، تھیں میں اس کی ساس نے گاڑ کا طرہ بپایا تھا۔

تانیہ ہمیشہ کی طرح ہنسی مسکراتی گھر میں داخل ہوئی تھی سب سے بہت محبت اور غلطیوں سے بچی۔

”ارے یہ ہیں اور بھائی ماشاء اللہ اسلام علیکم؟“

شہر بانو اس کے لیے میں طرہ روشنی رہ گئی تھی مگر وہاں طرہ کا شکر نہ کھیں گے۔

”تم اس کی آئی ہو بیٹا۔“ اس کی ساس سعدیہ یکدم نے پوچھا تھا۔

”جی وہ سہ آتے ہیں راستہ میں غار بچکر ہو گیا تھا موٹر سانیکل کا۔“ اس نے سادگی سے جواب دیا تھا۔ چائیں کیوں شہر بانو کو محسوس ہو رہا تھا جیسے تانیہ سے جد صنفرب ہے جب ہی عمار آ گیا تھا شہر بانو نے سلام کا دعویٰ کو بھی شرب پیش کیا تھا۔

”میں کھانا لگاتی ہوں ابھی آئی ہوں۔“ گول کرے میں اس وقت صرف تانیہ اور عمار ہی تھے۔ جب شہر بانو سانس کا ڈونگے کو فرسے میں رکھے اس گول کرہ میں داخل ہونے کی بھی ٹھک جب عمار عمار کا تیز بچہ سن کر ٹھک کے کھڑکی میں گئی۔

”اسکی کوئی شخص عورت ہو تم جب سے میری زندگی میں آئی ہو زندگی امیرین کر دی ہے آج موٹر سانیکل پر سوار ہوئی اور غار بچکر ہو گیا ہر کوئی نہ کوئی نقصان ہی کر داتی ہو۔“

”اس میں میرا کیا قصور ہے۔“ تانیہ کی سنسنائی آواز سنائی دی گئی۔

”ابھی چلو۔“ دغاخ ہو گئی تانیہ شہر بانو جاؤں گا تم آتی رہنا اپنی دوست کے ساتھ۔“

پہلی گھر میں پیسے سارا منظر راج ہو گیا تھا اس کے تار دے کوئی صابر نے فیس کر سہا تھا اس کو سر آٹھوں پر بٹھایا تھا۔

”ارے مجھے دو میں لے جاتا ہوں اندر صبح سے کام کر میں گئی ہو گی ہو۔“ صابر کا نظردہ بچہ اس کی محبت کا ثبوت تھا پھر وہ کھڑکی میں آئی اور صابر نے بن کھانا لگایا تھیز پر۔ وہ تو صرف سوچ رہی تھی مسلسل..... چروں سے بلند کردار ہوا کرتے ہیں حسین چہرے کے پیچھے کردار دل بھی ہوا کرتے ہیں انسان کردار میں افعال میں اعمال میں ہوتا نہ ہو۔ آج

اسے اپنی ماں کے انتخاب پر چار آ رہا تھا کیونکہ وہ برائے ہی سے پورے اٹھارے کے ساتھ تھی کہ ساس نے جیسی ہوئی تھی جبکہ تانیہ کی آنکھوں میں خوف و ہراس تھا چنانچہ کہنا نے عامر کہ کیا کہہ رہا اس کا ہجرم پاش پاش ہو جائے۔ رات گہری ہونے سے ذرا پہلے ہی تانیہ اٹھنے کی تیاری میں گئی۔ جانے سے پہلے شہر بانو کا ہاتھ تمام حرکت سے لٹی گئی۔

”شہر بانو تم سب بیٹیوں میں خوش قسمت ہو جتم کو ایسا اٹھا بھٹا کر دے والا جیون سا کیسا ہے جو تمہارا قدر کرتا ہے تمہارے احساسات کی قدر کرتا ہے۔ بیوی کو پاؤں کی جوتی نہیں بھٹتا ہے۔ بلکہ اس کی تقظیر کرتا اور دوسروں سے بھی کرواتا ہے۔ آج مجھے تمہارے نصیب پر رشک آ رہا ہے۔ ماشاء اللہ۔ سدا خوش رہو۔ ہمیشہ مسکراتی رہو تمہاری مسکان یوں ہی تمہارے سون پر چن رہی ہے۔ آئیں“

شہر بانو اس سے کھل کر نرم آلودہ آنکھوں سے اس کو رخصت کر دی تھی جب عمار نے سارے لحاظ طاق پر رکھ دیے تھے۔

”اب ابھی چلو۔“ دغاخ ہو گئی تانیہ شہر بانو سے نظر چراتے ہوئے گھر امٹ میں باہر نکل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆ تانیہ کے جانے کے بعد شہر بانو کا دل بہت پر جھل سا ہو رہا تھا۔ وہ تو ایک عرصے سے بدل چکی تھی آج اس میں آخری مکمل تانیہ سے ملاقات نے ٹھوک دی گئی۔ اب نہ تو اسے چوپایوں کی پر محسوس ہوتی تھی نہ وہ اس گھر کے کینوں کو تیز بھی سمجھتی تھی کیونکہ اس نے جانے سے سب کو اپنا لیا تھا اور شاید اس کی وجہ یہ تھی وہ ان کی جواب اس کی کوکھ میں تھی اس نے اس کا ذکر صرف اپنی ساس سے کیا تھا جن سے اس کا کٹھن تعلق استوار ہو چکا تھا وہ اب ہر معاملے میں ان سے رہنمائی لیا کرتی تھی۔

ایک دن جب اس کی حالت بھی نامناسب تھی وہ اس کا ہاتھ تھا جسے اسے لپڑی ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھیں اور پھر اس خوشی کی خبر نے اس کو سرتا بدل ڈالا تھا وہ پھر محسوس کر لیتے تھے اس گھر کے رنگ بدل رنگ بن گئی تھی تو گھر رنگ اس نے اس گھر کے کینوں کو دیے تھے۔ محبت کے رنگ، چاہت کے رنگ، غلطیوں کے رنگ انہایت کے رنگ جن کی محاسن میں اب اس کے شب و روز بسر ہونے لگے تھے۔

”کیا بات ہے میری یکدم کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔“

عقب سے صابر کی آواز پر اس نے ہلٹ کر دیکھا تھا۔ یہ شخص واقعی اس کی رنگ جاں میں نکل ہو رہا تھا مگر دھڑلے دھڑلے۔

”میں تو ٹھیک ہوں آپ کو ایک خبر سنائی ہے پہلے تو سوچا تھا کہ جب گڈا گھر آئے گا تو خود ہی معلوم ہو جائے گا۔“ اس نے شرارت سے کہا تھا۔

”کون آ رہا ہے گھر؟“

صابر نے نا بھی سے پوچھا تھا۔

”امام کی زندگی کی پہلی خوشی ہماری اولاد۔“

وہ سر جھکا کر گئی تھی اور صابر سر خوشی سے اس کا شرعیں لگا رہا تھا۔

”مگر میں چاہتا ہوں پہلی بیٹی ہو با نکل تمہاری جیسی.....“

”تمہیں میں نے دعا کی ہے ہمارا بیٹا ہو ہو ہو آپ جیسا۔“ بے نیکی صابر کی آنکھوں میں اللہ آئی تھی۔

”تم سے اپنی محبت کو بنا کر میں چاہتا ہوں کہ میرے بھانے تمہاری دعا قبول ہو۔“

شہر بانو نے صابر کے کندھے پر سر رکھ دیا تھا۔

☆ ☆ ☆ وفا کے کوہ گراں میں۔

منج کے کو بیج رہے تھے، پختے کا شروہ دن  
لکھی چڑھیا۔ پورے گھر میں افرا تفری ہوئی گی۔  
شادی تک منج میں کو بیج نہ تھا بنا رہی تھیں۔ شادی  
نہاں سبز پر سیاہی تھی۔ فائق پوندی جی جانے کے  
لیے تیار ہو رہا تھا۔ عبدالمکریم صاحب کی دی پر تودرس  
رہے تھے۔ ام ہانی پوندی جانے کے لیے ڈو پٹا  
پہن کر رہی تھی۔

"شادی! اگر کوئی بیکہ کی ہے پہلو میں بڑا سورا  
ہوگا۔ کام پر اس کا باپ جائے گا کیا؟" شادی بیکہ نے  
توے پر ہاتھ پٹختے ہوئے عرق آلود پیشانی کو صاف  
کرتے ہوئے پتھر سے کہا تھا۔ "ایسا اسی جانی  
ہوں۔" شادی دو پٹا شانوں پر برابر کرتی بیکہ نے گلی  
تھی۔

☆☆☆

"اجرا! بس اب جلدی سے یہ دالی شرت پہن  
لیں، ساڑھے نو بج چکے ہیں، دس بجے آپ کے  
آپس سے گاڑی آجائے گی۔" مزید گرمندی سے  
بولی گی۔

"بارا یہ وقت کتنی تیز دوڑ رہی ہے گزرتا ہے،  
ابھی تو ہم نے دو پیار بھری باتیں اور کوئی شرارت بھی  
نہیں کی۔"

اجرت لٹاتے لیے منج میں بولا تھا۔ نئی نئی شادی  
تھی۔ مزید اور اجرتا پا زاد دیکھا زاد تھے۔ یہ شادی  
خالصتا گھر کے بڑوں کی مرضی سے ہوئی گی۔ مزید  
ملندار خوش اخلاق، خوش گفتار لڑکی تھی، جس نے  
شادی کے پہلے دن سے ہی اپنے چاچا کی خدا کا دل  
جیت لیا تھا۔ دونوں کے شب و روز محبت کی پھوار میں

بیکے ہوتے تھے۔

"اجرا! انا تھے پر انتظار کر رہی ہیں۔" شادی  
جو چو کھٹ پر کھڑی اسے بلائے آئی گی۔ تاکہ کرے  
پر مزید کے دروازہ کھولے پر محبت سے بولی گی۔  
"تم چلو ہم آتے ہیں۔" اجرا مسکرا کر بولا تھا۔  
اور شرت کے کف کے۔ منج بند گردانے مزید کے  
پاس چلا آیا تھا۔ مزید کو شادی کے سامنے حیا آ رہی

تھی۔ پتھر جھانے اس نے منج بند کر دیے تھے۔

☆☆☆

"امی! مزید پر وقت تیار رہتی ہے۔ کسی کام کو  
ہاتھ نہیں لگاتی۔ بس بہت آرام دے دیا اب کام  
چاہیے۔ کل اتوار ہے ان کا بھر میں ہاتھ ڈالو گی۔" دوپٹہ  
کے وقت سب ہی لاؤنچ میں بیٹھے تھے۔ مزید امی کے ساتھ  
ٹی وی پر کوئی ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔

شادی سامنے کاؤچ پر مزید کے منورے دھوکہ  
طرز پر بولی تھی۔ مزید یک دم ہی وہاں سے اٹھ کر چلی گئی  
تھی۔ اسے شادی کی بات نہ کار گزری گی۔

"آلی! ابھی تھا ہو کر چلی گئی۔ امی تو ایک  
ہفتگی نہیں ہوا ابھی کو گھر آئے، ابھی کے ہاتھی  
تو ہم سب مل کر سارا کام کر کے تھے۔ کچھ دن کی بات  
ہے ساری زندگی کون بھٹا کر کھاتا ہے۔"

ام ہانی سوہاگل میں یوٹیوب پر ڈرامہ دیکھتے  
ہوئے بولی گی۔ مزید کے جانے کے بعد اس نے ٹی  
وی آف کر دیا تھا۔

"ارے رے! وہ خود تو اپنی پر عمارت اور دیگر  
ایکویٹیز میں بڑی مہنتی ہوا، اسی سبب ہنسا روٹی کرتی  
ہیں، پورے گھر کا کام میں اکیلے ہاتھ سے کرتی ہوں،

"آلی! اتنا غصہ کس بات کا ہے، میں خود کھا  
ہے ابھی آپ سے کہتی ہیں کہ شادی آلی میں آپ  
کے ساتھ روٹی بخاؤں تو آپ ہی انکار کر دیتی ہیں کہ  
امی چاروں ہوئے ہیں شادی کو انجوائے کر، یہ دن  
دوبارہ نہیں آتے۔ وہ آپ کی بات مان کر سکنا دیتی  
ہیں۔ وہ جس کام کو ہاتھ لگتی ہیں آپ انہیں روک  
دیتی ہیں۔ وہ آپ کے غلوں اور محبت پر شک نہیں





ہے۔ جتنا اس نے کر دیا ہے۔" شانہ بیگم قبر جا ماند نہ  
 اعجاز میں ہوئی تھی۔  
 "مما از حد کے کام میں مغالی نہیں ہے۔" وہ  
 تکی سے بولی گئی۔  
 واقعی لڑکی تھی ہی تھو کہ کام دیدہ مختی کیوں نہ ہو  
 بیکے والوں کے لیے ہی ہوئی ہے۔ سرال میں ہر  
 لڑکی کوست کا کل کام چور جسے القابات سے ہی گواہ  
 جاتا ہے۔ حزنہ اپنے دم کا جگ بھر نے آئی محسوس  
 کر رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ شانہ بیگم کی طرح کی ہیں  
 نہ۔ ہر جگہ جگہ۔ میری ذہن کا بیکل کا سوچ ہاتھ  
 سے نہ چاہتا ہے۔ جب شادی نہیں ہوئی تھی مگر آئی  
 تھی تو کتنی کتنی حزنہ پریشان نہ ہوتا میں ہوں نہ  
 میں سارے گھر کا کام چنگی بنا کر لیتی ہوں۔ تم  
 میرے لیے اہل کی طرح ہو۔  
 حزنہ پرانے دنوں کی باتیں یاد کر رہی تھی۔

☆☆☆

میں آگئی تھی۔ بیٹھا نہیں جا رہا تھا سوچا کچھ دیر  
 جالی ہوں۔  
 ☆☆☆  
 "السلام علیکم ہما۔"  
 "بیگم السلام بیٹا بس پانچ منٹ گئیں گے تم  
 نہ ہاتھ دھو کر آؤ میں کھانا کھاؤں ہوں۔" شانہ بیگم  
 معروف سے انداز میں بولی تھیں۔  
 "مما آپ اتنی کڑی میں چن میں کام کیوں  
 کر رہی ہیں۔ حزنہ کہاں ہے؟" وہ گرمندی سے بولا  
 تھا۔  
 "ارے بیٹا حزنہ کہاں کام کرتی ہے۔ ماشاء  
 سے شانہ نے ہی گھر میں لایا ہوا ہے۔"  
 وہ عرق آلود پیشانی کو ڈوہنے کے پلو سے  
 پونچھتے ہوئے بولی تھیں۔  
 "حزنہ کام کرتی تو ہے۔" وہ فوراً ہی بولا تھا۔

"بیٹا حزنہ داری سے کام کرنے میں ہی مزے داری ہوتی  
 ہے۔ جب دل چاہا کر لیا جب دل چاہا نہ کیا اس طرح  
 کام نہیں ہوتے۔ زیادہ تر شانہ ہی کر لیتی ہے۔ اب  
 دیکھو بچوں کو سارہ پڑھائی ہے۔ اور حزنہ کے ذمے  
 ہے روٹی بنانا وہ جب سے تم آگے آگے ہو کرے  
 سے کل کر نہیں آئی اب وہ کچھ کچھ کرنے آئے ہو  
 میں نہیں بناتی تو کڑی شادی بنائی پڑی۔"  
 وہ خاموشی سے سن رہا تھا۔  
 حزنہ چوٹی کی داڑھی پر بھجری کڑی تھی۔ اب وہ  
 یہی سوچ رہی تھی کہ اگر حزنہ میں آگے آگے سے ضرور  
 پوچھیں گے کہ تم کس طرح سے روم میں سے نہیں لگھن وہ  
 جلد ہی ہے۔ اسے روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔ بند پر  
 لٹی گئی تھی۔ اگر حزنہ میں آیا۔ سائیکل میز پر اپنا  
 موٹاں والٹ رکھ کر اس روم کیا تھا اور دروازہ زور  
 سے بند کیا تھا۔ حزنہ جھٹ اٹھ بیٹھی تھی۔ اگر دواش روم  
 سے نکلا تو انک خشکیں نگاہ اس پر ڈال کر کرے سے  
 لگی کیا تھا۔ حزنہ کو احساس ہو رہا تھا کہ اگر کادل اس  
 کی طرف سے برا ہو گیا ہے۔ بدگالی کا بیجا جانچا

تھا۔ اگر اب انکو پیشتر اسے اس طرح نظر انداز کر دیا  
 کرتا تھا۔ وہ سانس سے سوچ رہی تھی۔  
 حشرت کی انتہا ہوتی ہے جب ایک ہی گھر میں  
 رہنے والے افراد سے اک دوسرے کے بارے میں  
 بے پناہ نفرت سے محبت کھدیا جاتا ہے۔ اور دل  
 ان شخصوں کی اصل پر ہام کرنے کو چاہتا ہے کہ وہ کسی  
 بھی تیرے فرد پر یقین کر لیتے ہیں جبکہ ایک ہی صحت  
 تلے رہنے میں بات کی قدرتی کرنے میں نہانے کیا  
 قیامت حال ہوئی ہے۔ اگر حزنہ پر اعتبار کر کے کھدے سے  
 کسی بات کی قدرتی کیوں نہیں کرتے۔ مجھے احقر کے  
 محبت بھرے ساتھ کی شادی شدہ ضرور ہے۔ میں اتنی  
 تکلف وہ عمل سے گزر رہی ہوں وہاں میری دہائی  
 کے کھدے سے بدگمان ہو گئے ہیں۔  
 وہ جتنا سوچ رہی تھی اتنی ہی بدلی ہو رہی تھی۔  
 ☆☆☆

احقر اب حزنہ کا اس طرح خیال نہیں رکھتا  
 تھا۔ اب وہ اکثر اوقات خاموش رہنے لگا تھا۔ حزنہ کو  
 اس وقت اس کی چاہت و توجہ کی ضرورت اب بہت  
 زیادہ تھی۔ یہاں بیوی کے درمیان جب کسی تیسرا فرد  
 روم میں پیدا کر رہا ہوتا ہے تو یہی ہوتا ہے۔ آج حزنہ  
 نے سوچ لیا تھا وہ احقر سے ضرور اس کے دو بچے کی  
 بابت روریا کرتے رہے۔ وہ بیٹھے ہی کرے میں آیا تو  
 حزنہ اس کے روبرو آکر بیٹھ گئی تھی۔  
 "احقر کیا بات ہے آپ کس بات پر مجھ سے  
 ناراض ہیں۔" حزنہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا کہ اس  
 نے صحت چھڑا لیا تھا۔  
 "احقر۔۔۔" وہ بے بسی سے بولی تھی۔  
 "حزنہ اتنی اکیلی لکھو کی میں سوچ بھی نہیں سکتا  
 تھا۔"  
 "احقر مجھے سے دانت بھینچ کر بولا تھا۔  
 "کچھ۔۔۔ کیا۔۔۔ مطلب۔۔۔ کبھی۔۔۔" وہ  
 تجھ زور دہائی تھی۔  
 "تم اتنی زیادہ بد زبان و بد لحاظ ہو کر  
 ہیں۔۔۔"

"کیا نہیں" احقر میں اور بد تیز۔ آپ کے گھر  
 میں میرے لیے انتہائی نازیبا الفاظ استعمال کیے  
 جاتے رہے اور میں ہیٹ خاموش رہی۔ شانہ بیگم  
 اور آپ کی بات مجھے کیا مجھ کو کہتے رہیں میری سہیلی  
 اسی صداقت پر قائم تھی۔ آپ کے روئے کی سر دھری  
 نے میری جب کو توڑ دیا ہے۔ میں نے آج تک اس  
 گھر میں کسی سے کوئی بد تیز نہیں کی ہے میرا یقین  
 کیجیے۔ وہ وہی ہوئی آزاد میں بولی تھی۔  
 "تم جھوٹ نہیں بولو۔ مجھے جھوٹ سے لڑائی  
 چھڑے سے نفرت ہے۔ یہ بات میں نے جھیں  
 شادی کے اولین دنوں میں ہی باور کرا دی تھی۔" وہ  
 اسے یاد دلائی کرتا ہوا بولا تھا۔  
 "اگر میں جھوٹی تھی تو جو جا رہے سزا دینے کا میں  
 ان تک نہیں کر دیتی کی۔ حزنہ نے اس کی بے گناہی کہا۔  
 ☆☆☆

موسم تبدیل ہو رہا تھا۔ احقر آؤس سے آیا تھا اس  
 کے سر میں شدید درد تھا۔ وہ کاؤچ پر ہی راز ہو گیا  
 تھا۔ حزنہ کڑی چاول بنا کر اسی روم میں لٹی گئی۔  
 شانہ بیگم اسے شانہ بیگم تھیں لی وہی کوئی ناراض  
 رہی تھیں۔ احقر نے اوپر اور نظر ڈولا لی اسے حزنہ  
 لگتھیں لگتھیں وہی کی تو وہ ماسے پوچھنے لگا تھا۔  
 "مما! حزنہ کہاں ہے؟" حزنہ تیار ہو کر روم سے  
 نکل ہی رہی تھی کہ جھٹ سے بولی تھی۔  
 "میں یہاں ہوں۔" حزنہ سے سارا دن بچن میں  
 گزرا ہے کڑی چاول بنائے ہیں ٹھیک کر چور ہو گئی۔  
 حزنہ سکڑا کر بنادے بنا بیٹھ کر رہی تھی۔  
 "بیٹا! اتنی تو نہیں کھیں میں اسے تھما دے  
 ساتھ تھی۔" شانہ بیگم جھٹ بنائی سکراہٹ کے  
 ساتھ پیاد جاتے ہوئے بولی تھیں۔  
 حزنہ نے اب سوچ لیا تھا کہ وہ وہاں جواب  
 دے گی جب اس کے بارے میں اس کے شوہر سے  
 ہے بات اسے بھونکے گی کہی ہے کہ وہ زبان دراز  
 ہے تو اب وہ حق بات کہے گی۔ حق بات کہنے والے

کوہار سے یہاں گستاخ کہا جاتا ہے۔ منافقانہ عمل میں سرگرم لوگ حق بات کو بڑی ہی دیر و دیر سے چھپاتے ہیں۔ مزہ شانہ بیگم کی بات پر لب پہنچ کر دعوئی بن گئی۔  
دودھ رز کرتی کچن میں احر کے لیے پانی لینے چلی گئی تھی۔



## القرآن

”یہ ایک صورت ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے اور اس کے احکام ہم نے ہی فرض کیے ہیں اور ہم نے اس میں صاف صاف آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو۔ بدکار عورت اور بدکار مردیں دونوں میں سے ہر ایک کو سوسوڑے باراد اور ہمیں اللہ کے معاملہ میں ان پر زار ہم نہ آنا اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیے۔ بدکار مرد سوائے بدکار عورت یا مشرک کے نکاح نہیں کرے گا اور بدکار عورت سے سوائے بدکار مرد یا مشرک کے اور کوئی نکاح نہیں کرے گا اور ایمان والوں پر یہ حرام کیا گیا اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر گواہ نہ لیا لاتے تو انہیں اسی دوزے باراد اور بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور وہی لوگ تاثر ممان ہیں مگر جنتوں نے اس کے بعد تو یہ کرنی اور درود ملا ہو گئے تو یہ شک اللہ بھی بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔“

(سورہ نور - آیت 1 سے 5)  
نماز کے لیے سکون کے ساتھ جانا

## چاہیے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”نماز کے لیے دوڑے ہوئے مت آیا کرو بلکہ آٹھ میٹھان اور سکون کے ساتھ آیا کرو جتنی نماز مل جائے وہ پڑھ لیا کرو اور جو رہ جائے اسے مکمل کر لیا کرو۔“

(مسند امام: جلد چہارم حدیث نمبر 3606)

## خیالات کی مہک

ہمارے آدمی کے نماز روزے کو گنہگار، اس کے معاملے کو دیکھو اگر معاملے کا ٹھیک ہے تو عبادت کا بھی درست ہوگا (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔  
ہمارے جس سے تم کو نفرت ہو اس سے ڈرتے ہو (حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔  
ہمارے علم بغیر عمل بھی فائدہ مند اور عمل بغیر علم کے بے فائدہ (حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔  
ہمارے انہوں کو ہمیشہ اسے ہونے کا احساس دلاؤ ورنہ وقت آپ کے انہوں کو آپ کے بغیر جینا سکھادے گا (حضرت علی رضی اللہ عنہ)۔  
مکمل رپ نواز..... دعویدار، منکر

## حکایات رومی

حضرت لقمان علیہ السلام ایک شخص کے غلام تھے، وہ امیر اپنے تمام غلاموں کو یہ سننے کے لیے باغ روانہ کیا کرتا تھا۔ وہ غلام جو میرے سن کر تھے ان میں سے خود بھی کھا جاتے تھے، سوائے لقمان علیہ السلام کے۔ ایک بار امیر کو خبر ہو گئی اس نے دریافت کیا تو غلاموں نے جواب دیا۔

”لقمان کھایا۔“ امیر حضرت لقمان علیہ السلام پر ناراض ہوئے، حضرت لقمان علیہ السلام نے عرض کی کہ ”مالک! میرے بے کمرے آؤ! میں نے جانے اس کی صورت یہ ہے کہ کمرے پائی سب کو بلایا جائے اور ایک جنگل میں سو اور ہو کر گھوڑا دوڑا اور ہم سب گھوڑے کے ساتھ دوڑیں، اس کے بعد دیدوں

کے کھولے والے خدا کی امداد سے تو سہلی چور کو پناہ جائے۔“ امیر نے ایسا ہی کیا، اس روز صبح سے غلاموں کا بھی ہلکے کرنے لگا اور آخر کار سارا کھانا چا نکل گیا اور حضرت لقمان علیہ السلام کو جو تے ہوئی بالکل صاف اور ان کے منہ سے صرف پانی نکلا۔  
سبق: جب حضرت لقمان علیہ السلام کی حکمت سے کچھ کر سکتے ہیں تو مالک الملک کی حکمت کو ملے گھر سے لاؤ گ کر دکھائیں کیا کیا کچھ کر سکتے ہیں۔  
نفس نواز..... دعویدار

## بلھے شاہ

پھلاں اور تو عطر بننا  
عطران وافر کڈ دیا  
دریا چرخ فرج کے نہا  
مچھلیاں وافر تاریاں لا  
فردی تیری پوشش کنی  
پیلے اپنی ”میں“ مکا

## موتی مالا

کشتی کرو کہم دنیا میں رہو، دنیا تم میں نہ رہے کیونکہ میں جب پانی میں رہتی ہے تو خوب تیرتی ہے لیکن جب پانی میں آ جاتا ہے تو وہ ڈوب جاتی ہے۔

دردوں کی زندگی ہے اسے روی اصولوں پر گزار دو، رہو تو پھولوں کی طرح اور بکھرو تو خشو کی طرح۔

زندگی ایسے چوک کوئی ہے تو تمہاری وجہ سے ہے، تم پر نہیں اور اگر کوئی روئے تو تمہارے لیے روئے تمہاری وجہ سے نہیں۔

فاخرہ بٹول..... سوڈو حسیال

## ہنسنا منع ہے

خاتون امیر جمعی گھر پر ایبویٹس کو کون کر تکی۔

آریٹر: ”لیس پلیز۔“

خاتون: ”میرے پاؤں کی انگلی جائے کی میز

سے لگ رہی ہے۔“  
آریٹر ہنسنے ہوئے: ”اور اس کے لیے آپ ایبویٹس بلانا چاہتی ہیں۔“  
خاتون: ”نہیں ایبویٹس تو میرے شوہر کے لیے، انہیں ہنسنا تو نہیں چاہیے تھا۔“

میں نے اپنا حق لے لیا ہے  
دکالت میں بھی قاندا عظم کے کچھ اصول تھے  
جن سے وہ تیار نہیں کرتے تھے، وہ جائز معاوضہ لینے تھے مثلاً ایک تاجرای مقدمہ لے کر آیا۔  
مکمل: ”میں جانتا ہوں کہ آپ اس مقدمہ میں میری دکالت کریں گے آپس کیا ہوگی۔“  
قاندا عظم: ”میں مقدمہ کی حساب سے نہیں، دن کے حساب سے نہیں لینا ہوں۔“  
مکمل: ”کی؟“

”قاندا عظم! پانچ سو روپے پی ڈی۔“  
مکمل: ”میرے پاس اس وقت پانچ ہزار روپے ہیں، آپ پانچ ہزار میں ہی میرا مقدمہ لڑیں۔“  
قاندا عظم: ”مجھے انھوں سے کہ میں یہ مقدمہ نہیں لڑ سکتا، وہ ہولکا ہے کہ یہ مقدمہ ملوای پڑے اور یہ رقم کافی ہو۔ بہتر ہے کہ آپ کوئی اور وکیل کر لیں کیوں کہ میرا اصول ہے میں پی ڈی نہیں لینا ہوں۔“  
چنانچہ قاندا عظم نے اپنی شرط پر مقدمہ لڑا اور اپنی فراست سے مقدمہ جیت کر بیٹیوں میں جت لیا اور کس کے صرف پندرہ سو وصول کیے۔ تاہم یہ پانچ ہزار روپے جا چکے، قاندا عظم نے کہا۔  
”میں نے ناحق لے لیا ہے۔“

مکمل: ”میرے پاس اس وقت پانچ ہزار روپے ہیں، آپ پانچ ہزار میں ہی میرا مقدمہ لڑیں۔“

”میں نے ناحق لے لیا ہے۔“

مکمل: ”میرے پاس اس وقت پانچ ہزار روپے ہیں، آپ پانچ ہزار میں ہی میرا مقدمہ لڑیں۔“

مکمل: ”میرے پاس اس وقت پانچ ہزار روپے ہیں، آپ پانچ ہزار میں ہی میرا مقدمہ لڑیں۔“





عاصم بن مہر  
تائیر ابی الٹی سے اخلاص کے اہرست کی  
ہم میں کو جلاتے ہیں وی نہ ہر اگھتا ہے  
نلا طائف  
وقت دیوار سنا بیٹا ہے  
وہ اگر ٹوٹ بھی آتا چاہے  
دیکھو چہد  
زندگی کے بیٹے میں، بیٹے میں بھی دیکھا  
اک دوکان پہنوں کی، اک اکھم و دنیا کا  
کرن دھن  
کڑھنے والے نہ یوں سرری گزردل سے  
مکان مشکتہ بھی پر مکیں رکھتا عتا  
فینہ تاج  
مجھے وہ لکھ نہ پاتے مگر اس فتنہ کی خاطر  
میرے دل کے اندھیروں میں نہاں ہیں دکن لکھا  
سرت طائف  
طون میں قید کردے جو وہ یوں کی چاچیں  
صرت رہی کہ اپنا بھی کوئی ایسا طلبہ لگا رہو  
ماہیں سلم  
اپنی چاہت تو مرد سال کی محتاج ہیں  
دانیہ عام  
ایسا یہ حال کہ کئی بار پکے لٹ بھی گئے  
ادب محبت وہی انداز پرلے مانگے  
امار علی  
بہن اشا یاد ہے کہ مجھے مشق ہوا عتا  
چھر کیمیا ہوا اس کی مجھے خبر نہیں  
سارہ احمد  
کنا جب ثبوت مانگا ہے اس نے یہی کوئی  
مجھے بھول ماؤ تو میں ماہرین نہیں مجھے بھولتے

ذکر سلطان  
کسی کو ٹوٹ کر پاتے سے کوئی محنت نہیں ہوتی  
اسے پاتے کی خواہش رکھتے سے محنت نہیں ہوتی  
محنت اس دنیا کی وہ فتنہ جیسے ہے  
جو کسی سے ایک بار ہو جائے تو پھر اس کے نہیں ہوتی  
مدف حزان  
ملست عتا اتفاق اور کچھ ناغیب عتا  
اشا وہ دودھ ہو گیا عتا قریب عتا  
شہر کے سارے ہی لوگ آکر تیرت تھے  
مگر ہن رہا عتا اود مستند قریب عتا  
بلا، فتنہ  
ہل جاؤ نا عتا سے کڑی دھوپ میں تھیں  
اچوں سے کہیں سایہ دیوار نہ مانگو  
معدیہ اعلم  
یری دروغ میں جو آکر تھیں وہ جیتیں مجھے چاہیں  
جو مراب ہوں نہ عتاب ہوں وہ رفائیں مجھے چاہیں  
افوں البصائر  
چچ ہی کا بھی سے خود پر عودے کا ہنر سکھو  
محبت جتنی بھی ہوئی ہو کہ عودہ دینی ہے  
ناہیں باسر  
نہارے مرد بچتے ہیں بڑھکا یاد دینہ  
محبت میں آیت سے تو دھوکا کھا جتے ہیں  
ماہیں سلم  
مجھ کو دھوکا دے گیا میرا ہی ذوق انتخاب  
وہ محبت تو کہ جو اپنے سے جتنے چاہے گئے  
اسے جاوید  
دل منافی عتا، شب جو میں سو جاتے  
ادب جب مجھ سے علاؤ اللہ کے دویا جیسے

اس طرح مٹ گیا ہوں دنیا سے  
دیکھنے کو نشان بھی نہ رہا

تم محبت تلاش کرتے ہو  
اُس کما تو خاندان بھی نہ رہا

آخری سانس تک عتا ساتھ مرے  
اود پھر امتحان بھی نہ رہا

اس سے کچھ مانگنا نہیں تیر  
کیا کرو گے جو مان بھی نہ رہا

عائشہ جاوید کی ڈائری میں تحریر  
نوشہ کیلانی کی نظم

میرلتا کون ہے  
دین کے گھاؤ کو  
جس کے تھوڑے تھوڑے  
وہل کے خواب کی ذوقی ناؤ کو  
میرلتا کون ہے  
اپنے قاتل کے، نالش خمد غال کو  
دکھ آجائے دقت اود مرد سال کو  
میرلتا کون ہے  
عمر کی شاعر پر لکھنے والی اس اک اذین شام کو  
بے سبب جو لگا ہے اس انعام کو  
پھر جسے نام کو  
میرلتا کون ہے

کسی میں کوئی بڑا نہیں مجھے دکھائی نہ دے  
نہا کا شکر ہے کہ آتنا بڑا نہیں ہوں میں

مری اٹھان کی ہر اینٹ میں لے لکھی ہے  
میں حزن دینا ہوں، بنایا ہوا نہیں ہوں میں

یہاں جو آئے گا وہ خود ہار جائے گا  
تھار خانہ جاں میں نیا نہیں ہوں میں

مرے وجود کے اندر مجھے تلاش نہ کر  
کو اس مکان میں اگر نہ آتے نہیں ہوں میں

میں ایک مرے خود کو تو شتا ہوں مگر  
مجھے یقین نہیں، ہوں بھی پائیں ہوں میں

میں اک گمان کا امکان ہوں اختیار منزل  
کہیں ہر تو کستا ہوں لیکن ہر انہیں ہوں میں

الوش البصائر کی ڈائری میں تحریر  
شیراز تیر کی فزل  
تم مجھے تو جہان میں نہ رہا  
دل کو دنیا کا دھیان بھی نہ رہا

کیا زمانہ عتا، ہم بھی ہوتے تھے  
اب ہمارا گمان بھی نہ رہا!

خاک پر میرے ساتھ آ بیٹھے  
کیا تمہارا مکان بھی نہ رہا؟

سرمہ جسم نے نکلے ہیں  
کیا زمین آسمان بھی نہ رہا





کہا۔

فریب کی محبت  
لا کے لڑکی سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے  
"کل تم سے ملنے آؤں گا اور تم کو پھول دوں گا"  
لڑکی سے ملنے مندی سے سوچتے ہوئے غمگین۔  
"مجھے کب کا پھول ملے گا، آج تمہارے پیار کا  
اظہار بھی ہو جائے گا اور ہمارا سانجی چمک جائے گا۔"  
ناکارن۔ چوکی

داڑھیں

ڈاکٹر نے میٹھ کی بیورو کی داڑھی کر کے پتھا۔  
"بھادو نہیں کچھ یاد رہا ہے۔"  
میٹھ: "صرف چوکی کا نام یاد ہے۔"  
ڈاکٹر: سب کچھ فراموش ہو گیا لیکن داڑھیں نہیں  
"گیا۔"

افغان سبج۔ کراچی  
ٹمک خوار

ایک روز کٹر کے ہاں ملائے کے لوگوں کی دعوت  
تھی، میزبان اور میمان دھڑو خان برمودہ تھے اور کھانے  
کے ساتھ پورا پورا انصاف کر رہے تھے۔ اسٹے میں ایک  
صاحب اور آجے، میزبان نے ان سے کہا۔  
"آج جیسے بھگتال لڑا مجھے۔"  
وہ صاحب کہنے لگے۔ "بھوک تو نہیں ہے توخوار  
بہت کمالوں کا تاکہ پکا کھک خوار ہو جاؤں۔"  
میزبان نے برہمت کہا۔ "ہمارے ان کھانے میں  
ٹمک نہیں دلا آپ بس خوار ہی خوار ہوں گے۔"

سعد۔ فاروق آباد

سید سادہ معاملہ  
ایک ٹھیکے دار صاحب کسی جگہ میں اپنا کام نکھوانے  
کے لیے فکڑ کھڑا کر بیٹھیں کر رہے تھے افسر نے تانت  
سے کہا۔  
"جناب! یہ رشتہ ہوئی اور میرا ضمیر اس کی  
اجازت نہیں دے سکتا۔"  
"لیکن نیٹے تو۔۔۔" ٹھیکے دار صاحب نے لاجبت  
سے کہا۔

"میں یہ کار آپ کو مفت نہیں دے رہا آپ مجھے  
اس کار کی محض ہزار روپے دے دیں اب یہ رشتہ نہیں  
ہوگی۔ یہ خرید و فروخت کا سید سادہ معاملہ ہے۔"  
افسر نے چند لمحوں کے بعد پھر یوں گویا ہوا۔  
"ایسی صورت میں تو کار کی خرید و فروخت  
نہیں ہو سکتی۔"

ایک کافی نیکل اسٹور کے سامنے ہوٹل کے باہر دو  
اشی چلی گئی، یہ ہے کہ ایک نے دوسرے سے کہا۔  
"دو جو سامنے اسٹور ہے، میں وہاں سے ایک  
پینٹ کا ڈبا چوری کر کے لاؤں گا اور دکان والے کو بتا بھی  
نہیں دیگا۔"  
دوسرے نے کہا۔ "یہ نہیں ہو سکتا بہت باروق  
اسٹور ہے۔"  
پہلے نے کہا۔ "اگر میں چڑا لیا تو پانچ سو روپے کی  
شرٹ ملے گی؟"

دوسرے نے کہا۔ "ہاں ٹھیک۔"  
پہلا والا اسٹور میں اور پینٹ کا ڈبا لے آیا اور  
دوسرے نے شرط جیتنے کے بعد پانچ سو روپے مانگے  
دوسرے نے کہا۔  
"میں نہیں چوری کے الزام میں گرفتار کرتا ہوں  
کیونکہ میں ایک پیرس کی فیڑ ہوں۔"  
پہلے نے کہا۔ "تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے کیونکہ میں  
اسٹور کا مالک ہوں۔"

امیر مہر القیث۔ لہاری کراچی  
مولانا محمد علی جوہر مولانا ذوالفقار علی خان جوہر اور  
شوکت علی میں بھائی تھے۔ شوکت علی پہلے تھے انہوں نے  
ہاں ساری کی عمر میں ایک اعلیٰ خانوں سے شادی  
کر لی۔ ایک بار ایک اخبار نویس نے ان سے سوال کیا۔  
"آپ کے بچے بھائی کوہر ہیں اور بھوٹے  
بھائی جوہر ہیں آپ کا کھنسا کیسے؟"  
شوکت علی جواب دے "شوہر۔"

☆ ☆

## کچھ تو قی چنے ہیں

ادائی

فتح کا مہابی

اللہ فتح عطا فرمایا کرتا ہے جس کا کردار اور  
ایمان پختہ ہو اور جس کے ارادے اور نیتیں صاف ہوں اور  
ان کے سامنے کوئی ایسا مقصد ہو جو اللہ کو خیر ہو تو حیات  
تو جس کی ان فرما دے اور واسطے کے اندازوں سے حاصل نہیں  
کی جا سکتی۔ فتح کا لے جاوے ہے یہی نہیں ملتا لڑکی اور  
اپنے حریف کو فریب کاری سے قتل کرانے سے بھی  
کا مایا حاصل نہیں ہو سکتی۔ (حمایت اللہ۔ اور شل بریتا  
رہا)

شازیہ ہاشم بیوی۔ کھٹیاں خاص تصور  
معاوضہ

بڑے سالوں کی بات ہے ایک شخص میرے پاس  
آیا اور کہنے لگا "دعا کریں مجھے کام مل جائے۔"  
میں نے کہا "تم یقین سے کیجئے ہو تمہیں کام کی  
حلاش ہے؟"  
کہنے لگا "مگر میں ہوں مجھے دو سال سے بے کار  
ہوں، اگر مجھے کام کی تلاش نہ ہو تو کہے ہوگی؟"  
میں نے کہا "اگر تمہیں کام مل جائے تو معاوضہ  
دے لے تو کہیں گا۔"  
گھبرا کر کہنے لگا "مجھے ایسا کام نہیں چاہیے جیسا  
کہ تم کہہ رہے ہو، مجھے تو کڑی اور لاکا چاہیے، ایسا کام جس  
کے بار میں نہیں۔"

میں نے کہا "اچھا! اگر تم کو بخود اپنی رہے اور کام نہ  
کرنا پڑے پھر؟"  
کہنے لگا "میں ان شاء اللہ بوجاؤں تو اور کیا چاہے۔"  
میں نے کہا "پھر تمہیں کام کی تلاش نہیں، خواہ اور  
معاوضے کی تلاش ہے۔"  
اس طرح ہم خدا کے ساتھ کرتے ہیں۔ بظاہر باطن  
کسی اور نے کام طلب کار ہوتا ہے۔ (افغان احمد۔ بابا

مادہ)

ناگروہ بھی۔ چوکی

خالہ جان

سیاست دانوں کو ٹکڑیوں پر بھاشا دیتے ہوئے  
مجھے ہمیشہ یاد آتی خالہ جان یاد آتی ہیں، وہ بھی کسی سادہ  
سے سوال کے جواب میں ایک طویل داستان شروع کر دیتی  
تھیں شلا میں پوچھتا ہوں کہ "خالہ جان آج دوبہر کے  
کھانے کے لیے کیا کھا رہی ہیں؟" تو وہ کچھ یوں آغا کارتی  
ہیں کہ "میں جو کچھ سے لے لیں ہوں تو راستے میں فاطمہ جڑا جاتی  
ہی، اس کا بیانیہ میں ہے۔ تو اس نے ایک پورا صندوق  
کپڑے لے لے کا ہاں کو کھینچا ہے تو فاطمہ جڑا رہی ہے مجھے وہ  
سارے کپڑے دکھائے۔" خالہ جان نہایت تفصیل سے ہر  
کپڑے کو ہر لباس کے بارے میں مجھے آگاہ کرتی۔ کہ ان  
میں سے کتنے سوٹ خواب کے تھے اور کتنے سوٹوں پر کتنی  
تعداد میں سوئی تاکے تھے، اداں بعد وہ آٹھ سوٹوں پر کتنی  
ملاقات کی تفصیل بیان کرتے تھیں اور جب میں بےزار ہو کر  
کہتا کہ "خالہ جی میں نے تو آپ سے پوچھا تھا کہ آج دوبہر  
کے کھانے پر آپ کیا بنا رہی ہیں؟" تو دھت تھا وہ جا میں  
اور کہیں کہ "ایک تو آج کل کے بچوں میں جڑا رہی ہے، بات  
سننے کا حوصلہ نہیں، میں نے دوبہر کے کھانے کے لیے ٹیڈے  
پاکے تھے۔" ویسے خالہ جان ان سیاست دانوں کی مانند  
دروغ گو اور داستان گو تھیں، جوں میں ہوتا تھا وہ بیان کر دیتی  
تھیں اگر چہ رڈ سے تفصیل سے کرتی تھیں۔  
(شخص نامدار۔ بھارتی باتوں کے خزانے)

اقرا عزیز۔ گاؤں دریا خاص جالبانی  
شوکت علی  
خاموشی بسا ادوات برنگائیں کو بوجا دیتی ہے۔  
بات کرنے سے دل کی بھڑاس کی ٹپ سی ہے اور دل میں بچی  
برنگائیاں بھی، سو جہاں ضرورت ہو وہاں بات ضرور کرتی  
چاہے تاکہ بھڑاس کی ٹپٹے اور برنگائیاں بھی۔ (مفت سحر  
طاہر۔ بین ناگروہ)

مفتی آصف۔ رانیہ ٹوٹا ملے لیا ہور  
رشتوں کی بے حس  
رشتوں کا نہ ہونا اتنا تکلیف کا باعث نہیں ہوتا جتنا

رشتوں کے ہوتے ہوئے احساس کا مرجان تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ (مازیہ کنول نازی۔ چترجوں کی پگھلوں پر)

حرا کنول۔ سکرٹ

### تعلق

تعلق تو پھتری ہے، ہر جسامت، دینی، جذباتی فہم کے آگے اندھا شیشہ ہیں کہ حلال کا کام دیتی ہے۔ بے روزگاری، بیماری، غریبی، تنہائی، سارے غلوں پر تعلق کا ہی پلہا لگنا جاتا ہے، دوستی، رشتہ داری، مین بھائی، ۲۲، دادا..... غرض یہ کہ ہر دکھ کی گھڑی میں کندھے پر رکھا ہوا ہمدرد ہاتھ، آنکھیں، جسمانی شفقت، ایک مثالیں دے سکتا چہرہ بلڈزائمنگ میں، سپرد گوئی کی کٹی ہیں۔ ایسے ہی بہت اندھہ ہر لگائی ہے۔ انسان اسی لیے بھی خدا نہیں بن سکتا کہ اس کی ضرورت دہلی ہے جس کی کڑا کرے اور رائے کو خدا کو اپنی دہلی کا حصہ بنالینے انسان کی تنہائی قیامت خیز ہے۔ جوں ہی اس غلام بھرنے والا کوئی آ جاتا ہے، انسان اپنی جنت میں قحطی جاتا ہے اور اپنے آپ کو مکمل ٹھیکہ لگے۔ ساتھ ساتھ ہونے والی آواز دوزخ ہے۔ (بقول فخریہ..... حاصل گماٹ)

### ادب کی آمدنی

”آج میں ایسی چھوٹی چھوٹی نوکریں موجود ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لیے اچھے خاصے مستقل لوگ سرور کی بازی لگا دیتے ہیں۔ ہمارے ایک کرم خرابا اپنے غرض کے لیے ایسی نوکری حاصل کرنے میں کسی کوشاں تھے جس کی تنخواہ بیشکل پچاس ساٹھ روپے تھی۔ ہم نے پوچھا اگر خیرے کو اتنی معمولی نوکری کیوں دلوانا چاہتے ہیں۔“

بہت فطریہ سکرانے اور بولے ”ادب کی آمدنی اس تنخواہ سے دس گنا زیادہ ہوتی ہے اور ہر نوکری میں ادب کی آمدنی کا لاشنس ہے۔ دے دیکھا، بچہ پچاس ساٹھ روپے ماہانہ کی نوکری حاصل کر لے تو کچھ ہی عرصے کے بعد آپ کا خادم اس کی آمدنی سے ایک کارخیز پر دکھا دے گا۔ ہاتھ کھنکھارے گا۔“ (احمد ندیم جاتی)

فاطمہ نور..... پورے والا  
نیوٹن کا حلال  
کوئی انسان کی دوسرے انسان کی نیت نہیں جان سکتا۔ وہ اس کا دل چیر کر نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اس کے ذہن کے اندر نہیں اتر سکتا۔ سب سے بڑھ کر کسی دوسرے کے متعلق رائے قائم کرنے والا غلط ہو سکتا ہے۔ وہ جی نہیں۔ اس پر فخر نہیں اترے دے تو نہیں آتی۔ اسے خدا کی تحفظ حاصل نہیں۔ اس لیے یہ اس کا حق ہی نہیں کہ کسی دوسرے کے ذہن کے متعلق اپنی رائے قائم کرے۔ رائے ہمیشہ دوسرے کی رائے کے بارے میں دی جاتی ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر اس کی شخصیت، آخرت، ایمان اور نیت کے بارے میں کوئی فیصلہ دلائیہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ (ایچی۔ تیسری آنکھ) فاطمہ فخر حسین

پانچویں جماعت میں، ایک دفعہ شاہ جہاں کے باپ کا نام چاہوں بتا دیا تو قادر باستر فخر حسین نے مرغا بنا دیا تھا۔ وہ مجھے بھی غواں کر رہا ہوں یہ غلطی نہ کریں کہ تو اور میری بات پر مرغا بنا دیتے۔

اپنا طالب علم کا زاماداسی پوز میں گرا بیٹھ کر آنا تو اس وقت نصیب ہوتا تھا چاہے باستر کہا کہ ”اب بیٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔“ اب بھی کبھی طالب علم کی کے زانے کے خواب آتے ہیں تو یا تو خود کو مرغا بنے دیکھ ہوں یا اخبار پر دھتا ہوا دیکھتا ہوں، جس میں مرادول نہیں ہوتا تھا۔ اگر کیٹرفن آف ایگریکلچر میں اس میں یارپ اور امریکا کا دورہ کر کے گئے۔ گاہے گاہے ہوں نے اپنی بہرہ پر میں لکھا ہے کہ دنیا کے کسی اور ملک نے مرغا بنانے کا پوز ”سکون“ نہیں کیا۔

میں نے تو عاجز اور کراہتی ترک توئی پہنایا چھوڑ دی تھی۔ مرغا بنانا تو اس کا چند آٹھ گھنٹے کے ایک ایچ کے فاسٹ پر تمام وقت پڑاؤ کی طرح جھوٹا تھا۔ میں نے بڑے بڑے آخر میں انہیں ہر طرح کا پتہ لگتیں تو پھر آگے پیچھے بھولتا رہتا۔ اس میں ترکوں کی توہین کا پہلو بھی نکلتا تھا جسے میری قوی غیرت نے گوارہ نہ دیا۔ (مشتاق احمد پٹو۔ آب تم)

☆☆



فاطمہ نور..... پورے والا

مجموعہ حال سے میں اور میری دوست باکلی ٹھیک ہیں لیکن لگتا ہے آپ کی ہماری فورٹ رائٹر مصباح علی سے کچھ اور کچھ نہیں ٹھیک رہنے کا بابت دوادشت کی حد میں بھی پار ہو گئی۔ آف ایک لگھو یا مصباح نے۔ اتنا زبردست نکات لکھ کر یہ تو خیال ہے جو بڑھ کر اس کی گھڑی جال چلنے سے پہلے سوہا سوہا کے سمیری طرف سے مصباح کو ٹھیک چند بہت پیارا ڈال، ”بھروسہ کن“..... ”میں سوہا“..... بھی پسند آ گیا ہے اب آپ ختم کر ہی دیں۔ ”ہوا میں رخ بدل کر“..... تجھ کو مصباح کی ہوش کی طرح ایک گھڑی کی بات دلی کہاں لائیں اور مجھ میں۔ جسرا سعد کا ”دلی“..... ”میں زدہ“ کا پلاٹ بہت حد تک اپنی کٹی کٹی کہانی ”کیسے لگتا تھا۔“ ویسے خیر اچھا لگا۔ صرف آصف کا ٹاٹ بھی اچھا تھا۔ افسانوں میں نزہت نہیں بنیاد سے مراد انداز میں دھند دکھائی۔

ن: فاطمہ نور کی کہانیوں کو پسند کرنے کا بے حد شکر۔

سادہ حش..... ساہیوال

میں بہت مصروفیت کے باوجود اپنی رائے دے رہی ہوں۔ مصباح کی یہ قسط بہت بہتر پڑھ رہی۔ خاص طور پر یہ ہم افسر حزام ہے۔ پلایز مصباح کا چھوٹا سا تعارف دے گا۔ میں نے ”ہوا میں رخ بدل کر“..... ”میں سوہا“..... بہت عرصہ ڈالنے کے آ کر ہیں ابھی تو کہانی شروع ہوئی ہے۔ حقیقتاً اچھی ہوئی۔ ”میں سوہا“..... کسی پسند آ جائے اسے میرے دل کو تو بھایا ہے۔ ٹاٹ تو نہ پڑھ گیا۔ میں نے ڈال پڑھا ہے کیا زور یا بات پر اپنا دلی ایکشن بھڑا کر ہو گئی۔ ایک فرماں کی بھی لی انہیں ایل شروع ہونے سے پہلے کی کرنا کا اثر دیکھ لائیں۔

ن: پیاری سادہ! شکر ہے آپ کا اپنی بہت مصروفیت کے باوجود اپنی رائے کا اظہار کیا۔ شاہین رشید تک آپ کی فرمائش پچھانچا دیا جسے گی۔

میں مستقیم..... کوال منڈی

اس ماہ کا کرن دو مین تمام سٹیڈیوں سے چٹکا دیتی کا اچھا تاثر ہے۔ حق۔ ہماری تعالیٰ اور نیت کے بعد ایک ایک کر کے کہانیوں کی جانب اگلیاں بھاگیں۔ ”بھروسہ کن“ میں مصباح علی سینڈے نے کیا کردار پر دھماکا کیا تھا کہ انلا انلا کی موت پر دل دکھ دیا لیکن شاید یہی شکاف تھا۔ یہی اب سب کرداروں نے اپنی کٹی کٹی کٹنا شروع کر دی۔ کوئی کوئی کچھ لینے والی تو کٹی مصباح کو بہت سلام اور زور دے گا کہ دعائیں۔ فیصلہ سیدہ لکھا سادہا جیسے بہت بھایا ہے۔ ٹاٹ میں سب سے بہتر غلام زبانی تبسم لگا بہت خوب، جسرا سعد اور نگہ سیرا کا معاشرتی رنگ میں اثر کرکھتا اور قبولیت کی سند یا جانان کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ انسانے دینے تو سب اچھے لگتے تھے۔ مجھے بڑے باسرا کا ”میلیم“ بہت اچھا لگا۔ چاہنا آقا ب نے اس ٹھیک ہی لکھا ہے۔

ن: پیاری تبسم! مصباح علی سیدہ تک آپ کا سلام اور دعا میں قحطی نہیں آئے۔ آئندہ بھی اپنی رائے سے آگاہ کر لیں گے۔  
شاہین رشید..... کھنڈیاں خاص قصور  
ادارہ پر بڑھ کر بڑھی جو دنت کی طرف..... ہم ہمارے تعالیٰ پر بڑھ کر ”مقابلے“ سے آئندہ بڑھا دینا ضرور ہے۔ جب ہمارا تعارف لاکو کی جائزہ دیا جس کا ان میں ہر ایک کو کٹی کے بدلے (۱۱۱۱) اس کے بعد جب لگائی ”میں سوہا“..... ایک فورٹ ڈال ڈیڑا سیر مرزا پلایز اب کچھ قسط نہ کر۔ اور دور کو بار سے ملانے۔ چرچاں، بیٹ کی جالی ”بھروسہ کن“..... جس میں اللہ ان کے بارے میں پڑھ کر انھوں نے اپنی جالی ساتر کی کارور پر ہونے والے نئے نئے اشکافات پر چھال دے حیران دوسرے گرداں دہلی میں کسی اگھت بدعاں دہلی..... ”ہوا میں رخ بدل کر“..... زبیکہ کے حصہ اور دوسرے بے حد پیاری اور معصومیت کا پڑھ کر اللہ خیر دہلی مرکزہ کی محبت کو سراہا میری

رہے۔ چلو خیر آہ دیکھتے ہیں۔ "مشرق ہے ام الکتاب" شہزادہ جاسکیر کا مشفق نانا ہو ہی ایک امیر منزل کی ہی کی وادعت کی..... "فرقان" مفرد انداز میں نکلا ہوا اچھا ناول تھا جہاں دنیا کی مستقل جڑاتی دلا دہرے ساس کے ساتھ دالے پر جہان ہوئی وہی اسد کے جھپٹانے پر کسی آئی کی بحر ساجد "سیم زدہ" راپڈ ریڈر رائٹر اپنے نام کی طرح ہم عصر محاذی کر دل۔ فیضہ سعید کے ناول کا عجیب سا موضوع دیکھ کر پہلے تو کھارہے۔ دونوں لیکن پھر جلدی جلدی پڑھا شروع کیا انٹیکل کے ساتھ اس کی محبت کی برقی تار جب جڑی تو محبت کے سارے ٹکٹانے لگے۔ جہان آفتاب کی تحریر "پیغام نور" نے واقعی ایک اچھا پیغام پڑھا ہے کہ جی تو کیسے ہی خیر سے مہار کی طرح لیکن چھوڑنا چاہیے کیونکہ یہ آزادی خوشیوں کو کھٹکے گا۔ "لوہم نے بارانی" چلتے چلے گئے تھے کسی گت آئی اور اپنے ملک کی قدر چالی۔ "نہم ہوا" بھی دیکھی ہیں اس شاندار شاد زندگی پر تو آواز کا ہمبرہ کر دی۔

ج: چاری شاناز ہے! اچھا لگتا ہے کہ آپ اپنی مصروفیت کے باوجود حیران مہر کو حاضر ہو ہی جاتی ہیں۔

"مقابل ہے آئینہ نہیں اس شاندار جلد جگہ دے دی جائے گی۔"

میرہ..... نامعلوم

اپنے ہاں کے لوگوں کی طرف سب سے پہلے ت بات ہو جائے عمل کا یہ مصباح علی سید کا "بھورکین" کی یہ ہمارا سویت لیڈر ہے۔ اور اب بات ہو جائے سلسلے دار ناول کی آسیر مرزا کا "میں سوکرہ" جی۔ پڑھتے پڑھتے جب ایڈٹ میں پہنچے تو کیا حازم کے بعد اب پر کا 10 کیسے خیر اور ہوا پڑا جانیے۔ اب پر کا کردار اب میں بہت پسند ہے۔ اب لگتا ہے کہ کوہری اور اپر کی جائیں گے۔ ناول میں صدف آصف کا "فرقان" مہرمان تھا۔ میرا یہ کی ٹی ٹی ٹی سے پہلا خط ہے۔ اگر آپ کیسے عسل افغانی کی تو آئندہ کسی نمبر سے کے ساتھ شرکت کریں گے۔

ج: پیاری میرا آپ کو کرن کی محفل میں خوش آمد یہ کہتے ہیں۔ میں خوشی ہے کہ ہماری خاموش قاری نے اپنی خاموشی تو ڈوڑی آپ کے عمل تہرے کے انتظار

دے گا آئندہ خط میں اپنا مکمل نام اور جگہ کا پتہ کر کرنا ہو جائے گا۔

خاندانہ اللقا..... نور دے والی رحیم باخان

نئے سال کا کرن 20 تاریخ کو لا۔ محفل ساہنکل اچھا لگا۔ "نیا سال کی امیدیں" سروسے ہی اچھا تھا۔ مثال خان کے ساتھ ملاقات بھی اچھی رہی۔ "میری بھی سنے" میں گوہر شریلا کو "مقابل ہے آئینہ" یا مین اقبال نے پڑے بہت خوب باتیں۔

"ہوا میں رخ بدل گئی" اچھا جا رہا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ کینڈہ مہر اور ہم پید کی قلم کار ہے۔ جی نہیں۔ حرم ساجد کے ناول کا مجھے شوق ہے انتظار رہتا ہے۔ "سیم زدہ" حرم ساجد کا ناول دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔

"میں سوکرہ" آسیر مرزا نے بہت اچھا کیا کہ ناول کا اختتام کر دی ہے کیونکہ کہانی کافی عرصے سے رکی سی تھی لیکن اپنی جگہ پورا ہو چکی ہوتی ہو جائے۔ المانوں میں "تیرنہ تانہ" پختہ خاص اچھا نہیں لگتا۔ "نیم" اور "اسد سحر" اچھے لگتے تھے۔ "بھورکین" ابھی پڑھا نہیں لیکن بیوشی طرح یہ قسط بھی اچھی ہی ہوگی۔ "نیل کر" کے بعد محبت سب سے ام الکتاب..... بھی بہتر ہیں تھا۔

ج: پیاری کارن کی پسندیدگی کا شکر یہ آئندہ بھی اپنی رائے سے گاؤں دیں گے۔

عاجل شریف

آپ کے پڑا مجھے جواب ہے ہماری سستی کو رکھ کر کیا باسوم پھر ان پہنچے ہیں اپنی بڑی ہم۔ ادارے پر چارہاں سے سوچ کا رنگ بدلے کی ضرورت ہے ہمارے وقت سے مستفید ہوئے۔ ویسے اور اداکاران کے بجائے اگر ہر ماہ کی راکٹ اور ہوا پڑا کر جائے۔ "میں سوکرہ" میں اب اچھا اختتام ہوا جائے۔ "بھورکین" واقعی انڈی پکڑ بہت سخت ہے۔ نئے ناول میں لگتا ایسے ہے ہوا میں کوڑا تھوڑا رخ بدل رہی ہیں۔ "سیم زدہ" بہتر ہیں ناول تھا۔ "مشرق ام الکتاب" عمل دگی ناول تھا۔ سیر ساگ۔ آئی یا مین اقبال سے ملاقات دلچسپ رہی۔ بانی تمام سلسلے بیوشی طرح بہت اچھے تھے۔

ج: پیاری عاشق! آپ براہ ہماری محفل میں شرکت میں ہمیں خوشی ہوگی۔ آپ کی فرمائش نوٹ کر لی

گئی ہے۔

اقوام جٹ

اس سنے سال 2018ء کے ساتھ ادبی محبت کے سینے (فروری) اور ہاتھ میں کرن لیے ہم حاضر ہیں جی اس دفعہ ہم چاہے ہیں کہ دل کو مل کر بھر کر کر لے کر اسے قسمت کرن والے میں پہلے ہی (یعنی ہمارے تہرے کو) کوہری کی تو کر کی کے نذر کر کے منتظر ہیں سرور کوہری دل میں گڑھ کیا۔ "مہر وفت" کیا مہر وفت سلسلہ ہے! "ابن انشا ایک مہر دوری کو کر تو آدھن خرم ہاشمی ————— انشا کے لیے دعا مجھے منتظر! "نیا سال کی امیدیں" میں سب کے جوابات اچھے لگتے۔ "مثال خان سے ملاقات" بہت اچھی لگی۔ گوہر شریلا کا انتظار کیا رہا۔ "مقابل ہے آئینہ" یا مین اقبال کی جواب لگے۔ "ہوا میں رخ بدل گئی" محبت مہر وفت کی ہے تو کیا کہنے جب کیسے لکھا لکھا "میں سوکرہ" آسیر مرزا کیا کر دی ہاں کے ساتھ سوئٹ۔ اگر نصاب کو کھلا ہو چکی ہے تو دل میں یہ دہم، خندہ کیوں "بھورکین" مصباح علی سید دوری سیز انلان کو مرزا تو ہیں جابے تھا اچھی قسط کا شوق ہے انتظار ہے۔ "سیم زدہ" حرم ساجد الفاظ نہیں شریف کے لیے "نہم ہوا" مہر وفت کی بات ہے مجھ میں آپ تو نیکیست بڑھ کر سزا شام کی لفظ سے کیا مشق ہے ام الکتاب..... محبت سہاگ انشا کی لفظ سے کیا مشق ہے کیا اسٹوری کہی پہلی ٹوک صدف آصف جی بہت اچھی لگی اسٹوری کہی پہلی ٹوک جھوک میں ایک مہر وفت پڑھتے ضرورت پڑی نہ تھی فیضہ سعید ہر فن کی طرح جواب "پیغام نور" تو جانتا تھا کہ باور دے کر دل کرتا ہے بہت ضرورت تحریر۔

السا نے آپ کے بڑھ کر ایک سے مستقل سلسلے "یادوں کے در پیچے سے" ضرورت سلسلہ میں بھی جگہ ملی۔

ج: پیاری اقوام! ہمارے پاس روکی کی تو کر کی نام کی کتاب چڑھیں ہے۔ ہماری کشش ہوتی ہے کہ ہر گز جو "نہم" میرے سرے نام "میں خیر ہو جائیں ہو کر ہیں جس بہن کا خط ناخبر سے لگا ہے وہ شائع ہونے سے رو جاتا ہے مگر یہ حاضر در جا تا ہے۔ "میں آدھن آدھن" میں آدھن کی ضرورت شریک کیا جائے گا اور "یادوں کے در پیچے" میں بھی آپ شائع ہو جائیں جس شاعر یا شاعری کو ہم

فرز پند ہے ان کے نام کے ساتھ بیچیں گے۔

فرزاد عمران

یہ میرا اور ان کا دور دوری کی کہانی ہے۔ اس میں پہلے کو ایک نایک نادر ضرور آپ کی نظر کرم ہو ہی جائے گی۔ نامہ امیدیں ہوں۔ نئے سال کا شمارہ ضرورت لگا سرخ جھللائے رنگ سے کچھ لاؤں دل خوش کر لیں۔ "ابن انشا ایک مہر" کا ایک کتب حرف توجہ ہے پڑھا۔ مثال خان سے ملاقات چندہ کی "مقابل ہے آئینہ" یا مین اقبال کی کہانی کا ضرورت ایسے برجستہ اور لا جواب جہلات آج تک نہیں پڑھے۔ جس جس کے دہرے تہرے ہوئے رہے۔

"ہوا میں رخ بدل گئی" بہت عامی کہانی ہے۔ کی بار پڑی ہوگی "میں سوکرہ" "بھورکین" بہت جان دار کہانیاں ہیں۔ جن کا بے جتنی ہے انتظار رہا ہے۔ زہمت نہیں فیاض بہت سیز رائٹر ہیں۔ بہت پیارا محفل جانیے کہانیوں کی ضرورت میں بلاشبہ ہر نامور و قلمی شاعر ہے۔ اور اب "نمائے میرے نام" میں اس بار بھی میرا نام مل گیا ہے۔ آپ کی سب سے سب سے میرا دواں دل ہے کہانیوں کے بارے میں ضرور بتائیے گا۔ میں انتظار کروں گی۔

ج: پیاری خزانہ! آپ کا یہ پہلا خط میں موصول ہوا ہے اور لگا جا رہا ہے جو خطوں میں خیر سے ملتے ہیں وہ شائع ہونے سے رو جاتے ہیں مگر ان کو پڑھا ضرور جاتا ہے مگر آپ کا یہ پہلا خط میں لگا ہے ہائی تو خطوں میں موصول نہیں ہوئے

فرز پند ہے ان کے نام کے ساتھ بیچیں گے۔

فرزاد عمران

یہ میرا اور ان کا دور دوری کی کہانی ہے۔ اس میں پہلے کو ایک نایک نادر ضرور آپ کی نظر کرم ہو ہی جائے گی۔ نامہ امیدیں ہوں۔ نئے سال کا شمارہ ضرورت لگا سرخ جھللائے رنگ سے کچھ لاؤں دل خوش کر لیں۔ "ابن انشا ایک مہر" کا ایک کتب حرف توجہ ہے پڑھا۔ مثال خان سے ملاقات چندہ کی "مقابل ہے آئینہ" یا مین اقبال کی کہانی کا ضرورت ایسے برجستہ اور لا جواب جہلات آج تک نہیں پڑھے۔ جس جس کے دہرے تہرے ہوئے رہے۔

"ہوا میں رخ بدل گئی" بہت عامی کہانی ہے۔ کی بار پڑی ہوگی "میں سوکرہ" "بھورکین" بہت جان دار کہانیاں ہیں۔ جن کا بے جتنی ہے انتظار رہا ہے۔ زہمت نہیں فیاض بہت سیز رائٹر ہیں۔ بہت پیارا محفل جانیے کہانیوں کی ضرورت میں بلاشبہ ہر نامور و قلمی شاعر ہے۔ اور اب "نمائے میرے نام" میں اس بار بھی میرا نام مل گیا ہے۔ آپ کی سب سے سب سے میرا دواں دل ہے کہانیوں کے بارے میں ضرور بتائیے گا۔ میں انتظار کروں گی۔

ج: پیاری خزانہ! آپ کا یہ پہلا خط میں موصول ہوا ہے اور لگا جا رہا ہے جو خطوں میں خیر سے ملتے ہیں وہ شائع ہونے سے رو جاتے ہیں مگر ان کو پڑھا ضرور جاتا ہے مگر آپ کا یہ پہلا خط میں لگا ہے ہائی تو خطوں میں موصول نہیں ہوئے

فرزاد عمران

یہ میرا اور ان کا دور دوری کی کہانی ہے۔ اس میں پہلے کو ایک نایک نادر ضرور آپ کی نظر کرم ہو ہی جائے گی۔ نامہ امیدیں ہوں۔ نئے سال کا شمارہ ضرورت لگا سرخ جھللائے رنگ سے کچھ لاؤں دل خوش کر لیں۔ "ابن انشا ایک مہر" کا ایک کتب حرف توجہ ہے پڑھا۔ مثال خان سے ملاقات چندہ کی "مقابل ہے آئینہ" یا مین اقبال کی کہانی کا ضرورت ایسے برجستہ اور لا جواب جہلات آج تک نہیں پڑھے۔ جس جس کے دہرے تہرے ہوئے رہے۔

"ہوا میں رخ بدل گئی" بہت عامی کہانی ہے۔ کی بار پڑی ہوگی "میں سوکرہ" "بھورکین" بہت جان دار کہانیاں ہیں۔ جن کا بے جتنی ہے انتظار رہا ہے۔ زہمت نہیں فیاض بہت سیز رائٹر ہیں۔ بہت پیارا محفل جانیے کہانیوں کی ضرورت میں بلاشبہ ہر نامور و قلمی شاعر ہے۔ اور اب "نمائے میرے نام" میں اس بار بھی میرا نام مل گیا ہے۔ آپ کی سب سے سب سے میرا دواں دل ہے کہانیوں کے بارے میں ضرور بتائیے گا۔ میں انتظار کروں گی۔

ج: پیاری خزانہ! آپ کا یہ پہلا خط میں موصول ہوا ہے اور لگا جا رہا ہے جو خطوں میں خیر سے ملتے ہیں وہ شائع ہونے سے رو جاتے ہیں مگر ان کو پڑھا ضرور جاتا ہے مگر آپ کا یہ پہلا خط میں لگا ہے ہائی تو خطوں میں موصول نہیں ہوئے

ثالث اچھے گئے۔ ”جیسا تم کوخبر تھی“ ان دونوں کی کہانی میں گرمانڈیوں کی گرد و جلی کی مچکن آخریں میں دونوں کا احتیاط کا سختی اور ہڈمانڈیوں سے پاک ہوا دونوں راستہ نے اچھا کیا۔

”کاش زمانہ تیرم“ جیسے ہماری ہاتھ کی یک میں تھا۔ دوسری کا سرور سے ”جیسا“ سے اچھا۔ ”تجربہ“

جی جب آتی ہیں ہمارے کر آتی ہیں۔

”تیرم“ اور یہ کہ انسان انسان اکثر باہری حسن کا تلاش میں رہتا ہے لیکن یہ قبول جاتا ہے کہ حسن اس کا ہاں ہے۔ ”تیرم“ سے پہلے۔ ”تیرم“ سے پہلے خواہشات میں اپنی کوئی نہ جاسی۔ ”جی“ دونوں انسان نے اچھے تھے۔

”سب زد“، ٹھیک اسی طرح سادہ دے کے کیا رائٹر زہرہ جیسی شوخ بھولی ہے یا بحر کھاری کا بے جیدہ ہوا ضرور دوری ہوتا ہے؟ ناٹ ”مہماں ہوا“ ابھی پر اُٹھا نہیں اس پر تبصرہ محفوظ ہے۔ مستقل سلسلے زبردست دے۔

ج: بیماریاں فضا گر کر کی پسند ہے کی کا شکر ہے فضا جی رائٹر میں شوخی اور خیر کی دونوں خوبیاں ہوتی ہیں۔

فائزہ وہی..... بھولی

جنوری کا شمار 15 جنوری کو ماسٹر دل اچھا لگا۔  
خود دوستوں سے ہوتے ہوئے انہی انشا پکڑ گئے۔ اللہ  
اک ان کو دل کا دوا کر دے گا۔ (آپ آئیں)

مہال خاں اور گوہر رشید سے ہم لوگوں کی صرف  
دیکھنے کی حد تک آشنائی ہے۔ "مقابلے ہے آئینہ" یقین  
اقبال سلامت رہیں۔ "میں سو دھک بات" "خود یہ کیا  
کرتی" مجھ پر کسی کی ہو سکتی اس بات کی طرف سے  
کرمشکل میں پکا ثابت ہوئے۔ "ہوا رشخ ہوا دل  
رنگیں" "خزرو مٹی والو انکی جاب" ہمیں میں عزت کی  
کھٹی ہے۔ "خزرو مٹی والو خزری" ہمیں کسی پرندے سے ہم کو  
مشکل میں مت بھیجنا۔ "میں بھی عزیز ہو نہیں۔"  
"مچھو کرکس" اس قبضہ میں کس قدر دوستی ہے وہ واقعتاً  
درفنا ہوئے اس کو دیکھ کر تو کہ آخری مٹنے "ختم شد"  
پڑے تو کہ گاہکین نہیں مہربان ہو گئی مجھ کو یاد میں سوچے  
پیشی میں۔ اب بات کروں گی اس شمار سے کہ جان کی۔  
"کسم کسم" اس سجاد دل کوٹ کر دیا ہے۔ "ختم سجاد  
کا دل" اور اس سجاد کوٹ ہے۔ "میں گاہک"۔

[illegible]

سے کی دل رانے باغ ہو گیا۔ حاتم کی تمام میری پادشہ  
فیورٹ رانرز اور سب کی ایک سے بڑھ کر ایک کہانی۔  
سب سے چاہیے مشکل کو کہاں کہاں چھانک لگاؤ اور کس  
کو آپ جلدی کلین میری "پروٹین" سے بڑھتی ہے۔  
کھینچ لیا جس کی اہم وجہ معاشی ہے۔ ایک کا اندازہ ہے۔ ایسا  
بکڑو لگا ہے۔ یہ دیکھ کر نہ پائے تھی سنا ہے جب جب  
کھانا پانچام لگ گیا تو ہائیڈرو واہ تھی۔  
"سورس" کی ایک کہانی اور ایک سینی ناسی نہ  
ہو اس پر چوس کر کم کر چھانک گیا۔ "ہوا میں  
رنگ بدل گئی" ہر روز سے لڑکی کہانی۔ مستقل سلسلے مجھے  
کچھ خاص پسند ہیں۔ لیکن کون سا رہنا چاہیے اس لیے  
پرچم ضرور ہوں۔  
خان، پادشاہ سدھہ! کرن کی پسندیدگی کا شکر ہے۔  
مستقل سلسلوں میں آپ بہنوں کی عی بھیجی کریں  
تیار لڑکی جاتی ہیں۔ چیرے پندار (پانی ہوتی ہے۔  
میں شفیق خان صاحب

اجازت نہ دی۔ دل چاہا کہ اس دفعہ کرن کا تعہذ بہت مستطاع کیا جائے تاکہ مجھے خود کو مل جائے لیکن ہیریکا رائٹز نے کسی کشادہ سارے کرداروں کو مارنے کا تہیہ کر رکھا ہے خدا رشتیں دینے کے لیے ہر ایک دنیا کی کاٹی ہے آپ تو ایسا کر رہیں، ہوا و اجست، افغا نے ہیں خود کو سکون کے لیے کوئی ایک آدمہ کردار مرنے والے اور بات میں ہر قضا میں کسی نہ کسی کردار کو مار دیا کرتے ہیں کہ مہر کو زمانا ہے۔ ہوا میں رن بدل گیا، اجمعی کے بعد جیڑی کا کردار بھی ختم ہو گیا تو تیسری قسط ہے ہول کی "بھوریشن" انہر اور ہم کے بعد ہر دیکھ کر انہر اور انڈان کا کردار بھی۔ بات ہوا جو جائے میرے سب سے پسندیدہ ہول "سومرک" کی بات نہ ہائی۔ جسے میں دل سے پرستی ہوں آپ نے خود کو کھائی کارن ہی بدل دیا۔ پہلے حازم پھر مارا لائی اور اب باہر۔ آپ نے تو لیکھائی یا کس ہی دیوان کردیا خدا را ب پارکسٹ مارے گا۔

ج: چارڈی نمینہ! اگر کھیلے ہر پٹائیوں اور پٹاری کے باوجود آپ نے کرن کے لیے دھوکا کھائی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ آپ کی ہر پٹائیوں دور فرمائے اور آپ کو کھت و تدریسی عطا کرے آمین۔

گول شاہین فقیر۔ تیلنگ

ایک طویل ترین عرصے کی غیر حاضری کے بعد دوبارہ سے بہت ہی چارے "کرن" کے اس بہت ہی پیارے سے سلسلے "نامے میرے نام" میں حاضر خدمت ہوں۔ غیر حاضری کی عرصہ کو کہ بہت ہی طویل ترین یعنی کرو سال ہر ایک کرن سے بڑے کا متعلق بھی نہیں ہوتا۔

مختصر پر دو تیس ہزار دیکھیں اور سینکڑیں دیکھیں ڈاؤن ایسے حسن کا جلوہ نکھیرتی ہوئی نظر آئیں۔ ان کے ہنجر اطفال سے لے کر ایک اب اور ایک اب سے لے کر ہندی اور چوڑی سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

جہاں باری خدائی اور "نعت رسول قبول" بہت ہی پیاری اور پوری تھیں۔ "پیادائی وائی" پڑھ کر انشا دینی کے بارے میں بہت ہی محلات تھیں۔

"نیاسالی نیامید" میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق لکھے والے افراد کے بارے میں پڑھ کر اچھا لگ کر وہ لوگ نیاسالی کیسے پیغمبر مرنے کرتے ہیں۔ کیونٹی ایکٹر تھیں "منال خان" سے ملاقات بہت اچھی تھی۔

ج: چارڈی شاہین! آپ تو سال بعد کرن کی محفل میں دابھس آئی ہیں خوش آمدید۔ آپ ہر بات نامے میرے نام میں شامل ہو سکتی ہیں۔ مٹاقل ہے "آئینہ" میں آپ کو بھی ضرور جگہ دی جائے گی۔ ہمیں بہت اچھا لگ کر تو سال آپ غیر حاضری ہوئیں مگر کرن مسلسل پرستی رہیں۔

شکر ہے۔

مفتی سلیم۔ دھوک ساوول

میں نے بھی رسالوں میں خود کو کات نہیں کی اس کی وجہ زندگی کے پیچھے ہے۔ یہ سنوں دل ہی دل میں خود سے تیر کر لیا۔ دسمبر 2015ء سے کرن نے ایک دم چلا نکھا اور کمال ہی کر دیا۔ گت سیرا کا "دست سیرا" چپ آیا تو پہلی بار کرن خریدہ اور جیل کے "لوٹو" نے توجہ چھ لے لی۔ اب تو وہ مصباح علی سید کے "بھوریشن" نے اپنی طرف منہ دل کر دیا۔

لکھے میں کیا روانی ہے کہ خوب صورتی کے ساتھ سین کے ساتھ میں ملتی ہیں۔ اس کے بعد کیا کرن میں اتنی پیادری خیر کرے گی۔ ایک دفعہ سارا سال مکمل سے سہ کر تھا وہ نیاسالی کا اچھا خبر سراجو نے کیا ہول لکھا ہے ہی ابھی کہانی تھی۔ پڑھ کر حرا آ گیا۔ ٹاؤٹ میں صدف آصف کا "فراق" نفاہ سید کا "کلوم زبانی" نیگم "نارٹ" تھے۔ چنانچہ آقا ب مندرت کے ساتھ خیر میں کیا چن تھا۔ مستقل سلسلے اور کرن کتاب آپ لوگوں کی بے پناہ محنت کا منہ بھرا ثبوت ہیں۔ ان شاء اللہ دوبارہ کھوں گی۔

ج: چارڈی مفتی! تبصرہ کرنے کا شکر ہے ضرور آپ دوبارہ کی آئی رائے سے آگاہ ہو گا۔

افق البصار۔ قانداکم مرمی دوستی

دادا اب کی دفعہ تو حرا آ گیا میں نے پہلے خود ہی صدف آصف کو یاد کیا اور اس کی آواز کی خبر پر۔ ٹاؤٹ "فراق" سارے نمبر سے کیا۔ واہ واہ سیز صدف آصف با چپ مت جائے گی۔

"فراق" کے بعد "بھوریشن" اور رفت۔ مصباح نے تو آج تک نہیں کر دیا وہ ٹاؤٹ گت سیرا کا ٹاؤٹ "مٹاقل ہے ام الکلب" بہت زبردست خبر سراجو کی "سیم زود" جب پڑھا تو شروع کیا پہلے تو ایسا کہ جیسے کوئی مشنیر سیر ہر موگر پھر کہاں کہانی تھی تو پڑھ کر کلفٹ آیا۔

مصری سارے اچھے تھے مگر واہو طالع کا "امید بحر" اور سیرات حاکم کا "تیرٹاؤن" واہو اکیٹا ٹٹاٹے پڑھا۔

"نیاسالی نیامید" بہت خوب "مٹاقل ہے آئینہ" یا مینن اقبال کے جواب زبردست۔

ج: پیادری افق! آپ تو کرن کی مستقل قادی بن

گئی ہیں ہر بات کا تبصرہ کرنا اچھا لگتا ہے۔

فوز مجرب بانیہ عرفان احمد منیر۔ محرات

رسالہ کو کرن اس بار مجھے لیت ہی ملا۔ کچھ کا میں مسکرا کر دیکھتا ہوں دل بہت جیتا ہے۔ جیڑی ہیریکا اورفت دل و دکن پر نور کر رہی ہیں۔ "نیاسالی نیامید" ہر ایک نے اپنی اپنی خواہشات کا اظہار کیا۔ انٹرویو میں منال خان سے ملاقات اچھی رہی۔ "بھوریشن" میں "سیم زود" میرے گھر رشید چھائے ہیں۔ "مٹاقل ہے آئینہ" میں یا مینن اس کی ہول جیت لیا ہے ان شاء اللہ سے ہر جواب پر فکٹ اور امید کی تھا۔ پہلے "سومرک" کا پڑھا۔ میرا رائے کیا چل رہا ہے کہ میں سن کر بھی تو حور ہے کس آہل ہوا تھا ہر ایک جانب اور آپ نے کیا کر دیا پلینز بار کو مچھو ہوا جا ہے۔ "بھوریشن" مصباح از جیت از خربک ہے خبری میں لکھا کہ سارا روادار سولٹی بی بی نے دلا ہوا ہے۔ سولٹی کے حسد نے ہول بڑا کر دیا ہے۔

"سیم زود" نے ہول بڑا کر دیا ہے۔ ہیریکا اور سامی اسٹوری کی جسے پڑھا غامض ہائے کی ہر پوروش کی گئی۔ ٹاؤٹ میں "کلوم زبانی" نیگم اچھا لگتا ہے۔

ایک سال میں پڑھا۔ گت سیرا کا "مٹاقل ہے ام الکلب" میں ٹھیک ہی لگا۔ "عشق انسان کو ظنہر پر بھی کرتا ہے مجھے تو بس یہی سمجھا دے گی اسے خیر کر۔" ہائی کے تین ٹاؤٹ ابھی پڑھے تھے۔ افسانے پڑھے۔ پڑھے لکھے "تیرٹاؤن" خوب مزے سے پڑھا۔ "کلوم" میں سموی لگا۔ "میرے ہار مائی" اور "ایٹو" پڑھا ہی ہے تاہا۔ ایک ٹاؤٹ "میرا ہوا" اور گت سیرا کا "نالی" ہوا میں رن بدل گیا۔

پڑھا میں اور مستقل سلسلے کی آدھی تھی۔

گول شاہین کی آواز سن کر گئی۔ "نامے میرے نام" شکر ہے آپ نے ہر اذخ شامل کیا اور مجھے "نیامید" کس اساطیر دہری کی نوکری میں جانے کا ٹیکہ میں زیادہ ہی چلی جاتی ہوں اور اس کتاب کرن اب زیادہ اچھی ہو گئی ہے کہ آپ نہیں ہو سکتا کرن ڈائجسٹ میں آپ لکھ دیا کریں کہ کوئی آہ کجی کی ہمان ہے اور کرن کے پٹیاں شامل ہیں۔

ج: پیادری فوز! آپ اب غیر ذر خوف کے اپنا تبصرہ کیا کریں ٹیکہ۔ ہمارے پاس ردی کی نوکری نام کی کوئی

چیز نہیں ہے۔ فوزیہ! ہر ماہ کرن ڈائجسٹ میں ہاس گلتا ہے جس میں بتایا جاتا ہے کہ ”چکن اور آب“ میں اس دفعہ کون ہیں۔ ہاں کس کس کے پیغامات شامل کیے گئے ہیں ان کے نام دینا مشکل ہیں۔ وہ آپ کرن کتاب میں ہی پڑھا کریں۔

ارم بشیر..... اسلام آباد

میں اس بار دو تین مہینوں کے بعد شرکت کر رہی ہوں دراصل میری بہن کی دہبر میں شادی تھی۔

اس ماہ کا اڈا اچھا تھا سب سے پہلے بیاد انشاء جی پڑھا جائے میں بیان نہیں کر سکتی کہ میں ان کی کتنی بڑی فین ہوں۔ ”مہجور فین“ اور ”من مورکھ“ کی میں ابھی بات نہیں کر سکتی کیوں کہ دو اقساط دونوں کی کس ہو گئی ہیں۔

تجبت عہدائید جی ویٹم یک آب کا نام دیکھ کر دل خوشی سے بھر گیا ہے ”کلثوم زمانی بیگم“ آ..... اس کے بارے میں کیا کہوں اس طرح کے پلاٹ پر پہلے ہی کہاں پڑھ چکے

ہیں بس ابھی ”سیم زدہ“ یہ بھی پلاٹ پڑھا تھا۔ سن پھر جی پلو برا نہیں لگا پڑھ کے۔ ”امید خرا“ اپنی جی ماہیاسر

کی ”فیلم“ بہت اچھی لگی ہمیں جی ماہیاسر دہری گلتا جہانہ آفتاب کی ”پیام صبح“ بھی بس ابھی جی کان واسٹوری

دو ڈی اینڈ خیر۔ مہربان ولی کا ”مہربان ہوا“ ابھی تک تو اچھا ہی لگ رہا ہے ناول، اس ماہ کی سب سے زبردست

اسٹوری ”تیر نشانیہ“ بھی واہ زبردست مزا آ گیا پڑھ کر سیما بنت عامم بہت بہت اچھا لکھا آپ نے۔ تجبت سیما کا

”عشق ہے ام الکتاب“ بھی ٹھیک تھا۔ ہائی سسٹل سلسلے بھی اچھے تھے۔

ج: پیاری ارم! ہماری طرف سے بھی بہن کی شادی کی مبارکباد قبول کریں۔ آپ کے تبصرے میں مزا

نہیں آیا کیونکہ ہر کہانی پر آپ کی رائے بس اچھی لگی، بس ٹھیک تھی۔

ثناء شہزاد..... کراچی

مجھے کرن منگوانے کے لیے بہت پریشانی اٹھانی پڑی تھی اب جب سے پاپا نے اخبار والے اڈل سے کھا وہ

گھر پر دے جاتے ہیں۔ سرورق اچھا لگا۔ ”نیا سال نئی امیدیں“ شاہین رشید کے سروے میں سب کے جواب

پسند آئے۔ ”ابن انشا ایک عہد“ قراۃ العین خرم نے بہت اچھا لکھا۔ اس ہار انٹرویو پر بعد کے لیے چھوڑا۔ سب سے

پہلے ”من مورکھ کی بات نہ مانو“ پر حاضری دی مجھے کچھ پچھ اندازہ ہو گیا تھا کہ فضا کا دل اس لیے بے چین تھا۔ تجبت عہدائید کا ابھی تو اچھا چل رہا ہے۔ ”مہجور فین“ نے ہر ایک کو اپنا کر دیدہ بنالیا کتنی بات کہوں مصباح جی ہاتھ ذرا ہولا رکھیں ہم تو دیوانے ہو گئے ہیں آپ کے۔ سر ساجد کا مکمل

ناول اچھا لگا ناولٹ اس دفعہ سارے لا جواب تھے۔ ”مہربان ہوا“ پر تبصرہ مکمل ہونے کے بعد کروں گی۔

”عشق ہے ام الکتاب“ واہ خوب جیسا نام ویسی اسٹوری۔ تجبت سیما۔ ویڈیو صدف آصف لکھیں اور اچھا نہ لکھیں

ایسا بھلا ہو سکتا ہے۔ حنائے بہت اچھے سے بدلہ لیا۔ نفیسہ سعید اور جہانہ آفتاب کا بھی بہت بہت اچھا لگا۔ افسانے

چار تھے اور چاروں ہی بہت اچھے تھے۔ کرن کتاب میں پیغام دینے والا سلسلہ بہت اچھا شروع کیا۔

ج: پیاری ارم! ہاں ہے کہ آپ کی پریشانی ختم ہوئی اور اب ہر شے کرن ل جاتے گا۔ تبصرہ کرنے کا

شکر ہے۔

ارم شہزاد..... لاہور

میں پسند کرن میں سینکڑے نام شامل ہونے لگی ہوں..... کرن کے سرورق پر لگا مہجوری اور دو بہت پیاری

بازل دل کو چھوئیں۔ اس بار کرن کتاب بھی بہت اچھی لگی۔ پہلے وہ پڑھی پھر اپنے فیورٹ ناول ”من مورکھ کی

بات نہ مانو“ پڑھا اور اینڈ پر یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ٹیکسٹ قسط لاسٹ ہو گئی۔ بہت اچھا کیا آ سی جی نے جو بے جا

طوالت سے بچالیا۔ بہت بہت مبارک ہوائے اچھے ناول پر صدف آصف کا ناول پڑھا لڑکے لڑکیوں کے لیے

بہترین تحریر تھی۔ نفیسہ سعید کا ”کلثوم زمانی بیگم“ ناول بھی اچھا تھا ”سیم زدہ“ سر ساجد کا زبردست ناول رہا۔ مردوں

کی نام نہاد محبت کے لیے بہترین ناول ہے۔ ہر شے بخش نے بہت عقل دکھا کر محبت پالی۔ تجبت سیما نے ”عشق ہے

ام الکتاب“ بہت خوب لکھا۔ جہانہ آفتاب کی ”پیام صبح“ پک تو پڑا تھا پر طرز تحریر نے کہانی کو بہتر کر دیا۔

ج: پیاری ارم! آپ سینکڑے نام کیا ہر ماہ شامل ہلا کہن کی محفل میں، ہمیں خوشی ہوگی۔

☆☆